

إِسْتِمَاعُ ضِدِّينَ

فِي

رَحْمَةِ اللَّهِ عَلَيْهِ

شَانِ قَلْبِ سَدْرٍ



مُصَنَّفُهُ

مُحَمَّدُ يُونُسُ سَهْرُورْدِي

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تصوف و طریقی

در آیاتینہ

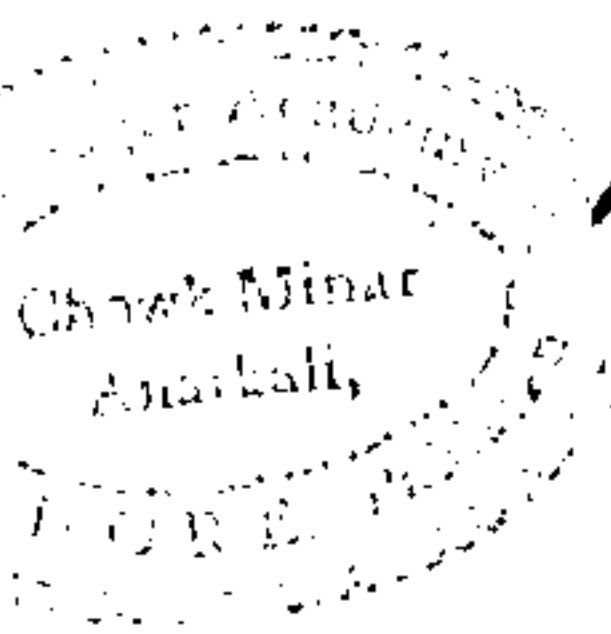
اربع ضعیفین

شان قلندر رحمۃ اللہ علیہ

از

الحاج چوہدری محمد یوسف بی اے شہرزی

امکان نمبر ۵۰۰ گلی نمبر ۱۰۰



۲۹۷۶۴۸۱۰۹۲

ت ۴۸

۱۸۲۸۲

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

لہذا

کوئی طبع کسی مطبع سے ان اوراق کو

نشر کرنے کی سعی نہ کرے۔

ناشر: ----- محمد یوسف سہروردی

مطبوعہ: ----- دین محمدی پریس لاہور

بار: ----- اول

تعداد: ----- ایک ہزار ۱۰۰۰

قیمت: ----- چھ روپے

الْحجَابُ بَدَلُ الْكَافِ حَقِيقَتِ اَمْر



اپنی صورت کے صدقے میں اس فزہ ناچیز
کو شانِ قلندرِ رحمتہ اللہ علیہ کے بیان کی وہ
قوت دے جسے سندِ دوام اور قبولیت نام
حاصل ہو۔ اور اُن سطور کے لکھنے کی توفیق عطا
فرما جن سے قصوف و صوفی کا صحیح تصور واضح
ہو اور تیرے بندے نام نہاد درویشی کی
عیادتوں سے محفوظ رہیں۔ آمین



محمد یوسف سہروردی

۳۳/۱۱/۱۳۹۷
سندھ سائنس اور ادبیات کونسل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سبب تصدق



ۛ ہو نفس کہ اونکے نہ وارد

پیدا فرمایا۔ اللہ عزوجل نے عقل کو۔ کہا کھڑی ہو۔ پس کھڑی ہو گئی۔ پھر فرمایا
پیٹھ پھیر۔ پس پھیری پیٹھ فرمایا سانس منہ کر۔ پس سانس منہ منہ کیا۔ فرمایا نہیں پیدا
کیا میں نے مخلوق سے افضل تر تجھ سے۔ پس میں دونوں کا نعمت ساتھ تیرے۔ غضب
کروں گا ساتھ تیرے۔ درجات پائینگے لوگ ساتھ تیرے۔ ذلیل و خوار ہوں گے
بسبب تیرے ہوں گے۔ لوگ بہت نمازیں پڑھنے والے۔ بہت روزے رکھنے
والے۔ بہت حج کرنے والے اور بہت زکوٰۃ دینے والے۔ لیکن پائینگے جہاں ساتھ

رکھتے تیرے کے “

مندرجہ بالا ایک حدیث پاک کا ترجمہ ہے۔ جو میں نے مشکوٰۃ شریف میں
دیکھا۔ جب یہ جانا کہ عقل سب سے افضل ہونے کے باوجود معرفت ذاتِ
حق سے قاصر ہے۔ گو معرفتِ راہِ حق میں ساتھ دینی ہے۔ تو اس کی وجہ اور
سبب میں کتابِ ہذا لکھی گئی۔ و باللہ التوفیق۔



عقل و حس اور عقل حقیقی

پیشتر اس کے کہ اصل مضمون کی طرف رجوع کیا جائے۔ عقل کی تعریف کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ ایک عام متعالیہ کا انسداد ہو جائے۔ کلام پاک میں لفظ عقل یہاں کہیں آیا ہے۔ اس کا اطلاق مومن کے ساتھ ہے۔ یعنی ایمان اور عقل دونوں کا رابطہ ہے۔ شرک صرف غیر عاقل پر ڈالا گیا ہے۔ پس مومن اگر حواس و تجربہ میں ناقص اور بھولا بھالا ہو بلکہ دماغ کی چوڑے سے مثل حبان بن مفضل انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مثل ہو۔ کسی صورت میں بے عقل حقیقی نہیں ہے مگر عوام کی عقل نہیں رکھتا۔ جسے دوسرے الفاظ میں حواس و تجربہ کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کافر اگر حواس و تجربہ میں کامل بھی ہو۔ درحقیقت وہ بے عقل ہے۔ کیا ہمیں اس کا اعتراف نہیں ہے۔ کہ جس نے اپنی ذات کے پیدا کر نیوالے خالق عزوجل سے جہالت اختیار کی۔ اس سے زیادہ جاہل اور بے عقل کون ہوگا۔ یہ معنی عقل کوئی تجدید نہیں ہیں۔ شرع الہی میں عقل کی حقیقت یہی ہے۔ اور لذت عوام تو لغت کفر ہے۔ اور جب کافر کو بغیر ایمان کے یہ عقل نصیب ہی نہیں ہوتی تو یہ معنی کہاں سے بیان کرے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم معنی پر نظر کریں خالی لفظ کی بحث سے کیا فائدہ ہوگا۔ ایک انسان اگر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے اس کے حکم کے مطابق سر بسجود نہیں ہوتا۔ تو اس کا غیر سے تواضع و انکساری کا برتاؤ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ مکارم اخلاق و خصائل حمیدہ الگ ہیں اور عقل حقیقی ایک الگ جوہر۔ اول الذکر کافر و مومن دونوں میں ہو سکتے ہیں۔ اور کافر کو دنیا ہی میں ان کے نتائج پسندیدہ سے سرفرازی حاصل

ہو سکتی ہے۔ پس اگر عقل حقیقی کے ساتھ ہو تو کس درجہ کرامت تک پہنچے گا۔
یہ عقل حقیقی جو اوپر بیان کی گئی ہے معرفتِ راہِ حق میں پوری پوری مدد و معاون
ہے۔ اور ایک بندہ خدا کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے لیکن اس پیدا کرنے
ولے کی ذات تک اس کی بھی رسائی نہیں ہے۔ وہ ہم و گمان و قیاس تو اس
سے بہت کم درجہ رکھتے ہیں۔

عقل و علم اور اس میں فرق

عقل کی تعریف کے بعد اگر لفظ علم پر غور کیا جائے۔ تو بظاہر دونوں میں کوئی
نمایاں فرق نہیں ہے۔ لیکن جس طرح شرح الہی میں جوہر عقل صرف ایمان
کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ برعکس اس کے جوہر علم ہر کافر و مومن میں پایا جاسکتا
ہے۔ کلام پاک میں متعدد جگہ الفاظ یعقلون اور یعلمون آتے ہیں
جن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ علم ہر شے کا ہے لیکن عقل صرف معرفت
الہی سے وابستہ ہے۔ علم سیکھنے سکھانے سے حاصل ہوتا ہے لیکن عقل خدا داد
عطیہ ہے۔ العلم والستین ہے نہ کہ العلم خواندن یا یافتن۔ یعنی کسی شے
کے جاننے کا نام علم ہے نہ کہ اس کو پالینے کا۔ اپنے وسیع معنوں میں کسی شے
کا علم اس شے کی ابتدا سے حال تک کی حتمی حالتیں (Phases) ہیں ان کا
جاننا اس کا علم ہے اور اس شے کا صحیح استعمال عقل ہے۔ جسے عقل عوام کہتے
ہیں یا جس تجربہ۔ مینز و کرسی کتابیں۔ کس چیز سے بنائی گئی ہیں اور کون کونسی
صفت ان کی تشکیل کے لئے بروئے کار لائی گئی۔ یہ ان کا علم ہے۔ انہیں کس
جگہ اور کس واسطے استعمال کیا جاسکتا ہے اور ان سے کیا کیا فوائد حاصل ہو
سکتے ہیں۔ یہ عقل ہے۔ یعنی عقل عوام یا تجربہ،

کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ علیہ وسلم

کلام اللہ عزوجل کا نام قرآن ہے۔ اور کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام حدیث پاک ہے جو کہ قرآن پاک کی تفسیر ہے۔ اس کتاب کے علاوہ دنیا کی جتنی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان کے مطالعہ کے بعد اور ان میں مندرج مضامین کے مفہوم کے بعد پڑھنے والا کسی ایک نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے اور اسے بار بار پڑھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ برخلاف قرآن پاک کے کہ جامع علم رکھنے والے اور بڑے بڑے فصیح و بلیغ جن کو عربی زبان پر قدرت تامہ حاصل تھی اور حاصل ہے اسے سمجھنے اور کسی ایک نتیجہ پر پہنچنے سے قاصر ہیں لفظ قرآن ہی اس کا شاہد ہے کہ یہ قابل قرات ہے جتنی مرتبہ تلاوت کرو پھر بھی قابل قرات (قرآن) ہی رہے گا۔ اور دین و دنیا کی ہر ایک منزل کے لئے مطالعہ کرنے والے پر جداگانہ حیثیت سے اس کے گمان کے مطابق معافی دے گا۔ عامۃ الناس سے لے کر مرتبہ صدیقیت رکھنے والے تک یہ کتاب اپنے میں علیحدہ علیحدہ خزانہ رکھتی ہے۔ کسی کیلئے ایمان بالغیب ایمان ہے اور مشاہدہ کرنے والوں کے لئے یہی ایمان بالغیب کفر۔ کہیں مال و اولاد کو فتنہ فرمایا تو دوسری جگہ ان کو خیر کے نام سے یاد دلایا۔ و علیٰ ہذا القیاس یہ تمام صدیقین الشار اللہ اپنی اپنی جگہ تفصیل کے ساتھ بیان کی جائیں گی۔ یہاں صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ عقل جیسا جوہر کہا حققتہ اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اسی طرح حدیث پاک بھی ہر ایک کے لئے اس کے اپنے گمان کے مطابق معافی رکھتی ہے۔ محدثین کرام کا یہ ہم پر کرم ہے کہ انہوں نے حدیث پاک کو ایک ایسی کتاب کی شکل میں پیش کر دیا ہے جن سے علیحدہ علیحدہ ابواب یا سانی مطالعہ ہو سکتے ہیں۔ اگر اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ پر ہی چھوڑا جاتا۔

اور جس طرح آپ کے اقوال و افعال آپ سے صادر ہوتے اس ترتیب سے نقل کئے جاتے تو یہ کتاب بھی کتاب الہی کی طرح کسی باب کی منت کش نہ ہوتی ان دونوں کلام کی مثال دو دایروں کی طرح ہے جن کا اوّل آخر ہے اور آخر اوّل۔ جن کا ظاہر باطن ہے اور باطن ظاہر۔ مختلف عقائد کے لوگوں کی لکھی ہوئی تفاسیر کے مطالعہ سے بھی یہ بات آسانی سے واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اگر ایک گروہ ایک آیت شریفہ کی تفسیر میں کچھ احادیث شریفہ پیش کرتا ہے جن کو وہ اپنے عقیدہ کی تائید میں لکھتا ہے۔ تو دوسرا گروہ اسی آیت شریفہ کی تفسیر میں دوسری وہ احادیث نقل کرتا ہے۔ جو اوپر والی احادیث کی ضد ہوتی ہیں پہلا گروہ اپنے آپ کو مندرج تائیدی احادیث کی بنا پر راستی پر سمجھتا ہے۔ تو دوسرا گروہ دوسری احادیث سے اسی آیت شریفہ کے تحت ان کا رد پیش کر کے اپنی سچائی بتاتا ہے۔ درحقیقت بات یہ نہیں۔ ایسے گروہوں کو جو اپنی اپنی عقل کے مطابق احادیث پیش کر کے ایک دوسرے پر کھیڑا چھالنا شروع کر دیتے ہیں۔ دونوں اپنے مقاصد میں ناکام رہتے ہیں۔ اور بجائے تحسین کے نفوس مول لیتے ہیں متقدمین حضرات رحمہم اللہ علیہ کو چھوڑ کر میرا روئے سخن اس دور جدید کے نام نہاد علماء کی جانب ہے۔ جو آئے دن ایسی یختوں میں پڑ کر مسند ارشاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا اچھا رہے اگر ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے ساتھ الجھنے کے اپنے خیال کو زیب قرطاس کرتا ہوا بعد میں اس کا اعتراف کر دے۔ جیسا کہ متقدمین حضرات کی عبارات میں پایا گیا ہے۔ واللہ اعلم فافہم باللہ، وهو التوفیق وغیرہ۔

جس طرح ان دونوں کلاموں میں ہر طرح کی غذا موجود ہے اسی طرح بنی نوح انسان میں ہر طرح کے معدے موجود ہیں اور اپنے موافق غذا میں لیکر ہضم کرتے ہیں اور زندگی گزارتے ہیں۔ تفرقہ کی اصل وجہ یہی ہے اور یہ اختلاف رائے ہے جو کہ صحت کی دلیل ہے۔ فساد اس وقت پیدا ہوتا ہے

جب یہ اختلاف رائے۔ اختلاف راہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور ایک غذا اولے معدے سے یہ سمجھ کر کہ ہم ہی زندہ رہنے کے حقدار ہیں دوسروں کو کوئی حق زندگی حاصل نہیں۔ اُن کو طرح طرح کی بد مزہ اور کڑوی اشیاء دے کر اپنے سے برگشتہ کر دیتے ہیں۔ میں نے کشف المحجوب میں ایک مشہور واقعہ پڑھا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو برسرِ اقدار فرقہ معتزلہ نے کلام اللہ کو مخلوق کہنے پر مجبور کیا اور اُن کے انحراف سے سزا کے طور پر ایک ہزار کوڑے لگانے کا حکم بادشاہ وقت کی طرف سے صادر ہوا۔ اثنائے سزا میں اُن کا آزار بند ڈھیل پڑ گیا اور غیبی ہاتھ کے نمودار ہونے سے پھر بندھا گیا۔ یہ حضرت اس دروسے چند دن بعد وفات پا گئے جب صاحبِ فراش تھے تو اُن کے ساتھیوں نے دریافت کیا کہ یومِ حساب اگر ان سزا دینے والوں کا معاملہ آپ کے سپرد کیا گیا۔ تو آپ ان سے کیا برتاؤ کرو گے۔ فرمایا کہ میں ان کو معاف کر دوں گا۔ اور کچھ مواخذہ نہ لوں گا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے زعم میں اپنے آپ کو حق پر جانا۔ اور مجھے باطل پر۔ اگر یہی اُسوہ زمانہ حال کے علماء میں آجائے تو یہ اختلاف رائے رحمت ہو جائے۔

عمل اور حقیقتِ عمل

عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ کہ لوگ اپنے اعمال کو اپنے مراتب کی علت سمجھتے ہیں اور مشہور بھی یہی ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ تجربہ کی بنا پر بھی یہی راست آتا ہے کہ نیک اعمال کرنے والے۔ متقی۔ پرہیزگار۔ صوفی وغیرہ کے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں اور بُرے اعمال کر نیوالے۔ فاجر۔ فاسق۔ بد معاش وغیرہ ہوتے ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا عمل درجہ بنانا ہے یا درجہ عمل۔ کتاب الہی میں سب سے پہلے متقی کا ذکر یوں آتا

ہے۔ کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں اور یہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔
گو یہ صاف ظاہر ہے کہ تقویٰ اس کتاب کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے سے
ہی ہوگا۔ جیسا کہ روزوں کی آیات مبارکہ میں ہے کہ اے ایمان والو تم پر روزے
فرض کئے گئے ہیں تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔ جب تک قرآن پڑھا ہی نہیں روزہ رکھا
ہی نہیں تو تقویٰ کیسے آجائے گا۔ اور ہدایت کیسے پائے گا۔ لیکن اس کتاب
میں جیسے کہ معلوم ہوا کہ درجہ اتقا پہلے ہے اور مطالعہ کتاب بعد۔ زیادہ آسان
کرنے کے لئے میں اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ لکھ دیتا ہوں۔ فرمایا
کرتے تھے کہ لوگ ریلوے اسٹیشن لاہور پر حاجی صاحبان کو گاڑی پر سوار
کرنے جاتے ہیں بوہی وہ گھر سے عزم حج کے لئے قدم باہر رکھتا ہے۔ اللہ
عزوجل اُسے حاجی کا لقب دے دیتا ہے ابھی حج کا فریضہ ادا کرنے میں بے
شمار مراحل پیش نظر ہیں جن سے اُس نے گذر کر قوف عرفات کرنا ہے۔ ایسے
ہی دولہا کی مثال بیان فرمایا کرتے تھے کہ دولہا گھر سے نکلتا ہی یہ لقب حاصل
کر لیتا ہے حالانکہ یہ درجہ اُسے نکاح کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ میں نے بازار میں
ایک دکان پر لکھا پایا۔ اٹا پیسنے کی مشین۔ استفسار پر جواب ملا کہ اس میں
چکی ہے جو دانے پیستی ہے اور اٹا نکلتا ہے اٹا پیسا نہیں جاتا۔ دانے پیسنے
جاتے ہیں۔ لیکن بولنے میں اٹا پیسنے کی مشین ہی آئے گی۔ مخلوقات میں سے
بعد از انبیاء علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ واقع ہے کہ
آپ کو مرتبہ صدیقیت شیب معراج ختم ہونے پر طلوع آفتاب کے ساتھ ہی
مکہ مکرمہ میں مل گیا تھا۔ گوا بھی اعمال کی دنیا اور ان کے زہد و تقویٰ کے کارناموں
کے لئے عرصہ دراز باقی تھا۔ یہ مرتبہ روحانی مراتب کا سردار ہے اور عقل کا
تقاضا ہے کہ اس کے لئے یہ نسبت اور مراتب کے زیادہ ریاضات و مجاہدات
کی ضرورت ہونی چاہیے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ان چند مثالوں سے یہ ثابت ہوتا
ہے کہ درجات ازلی ہیں اور ان کے ساتھ ان کے مطابق اعمال بھی۔ مراتب

افعال پر مبنی نہیں ہیں بلکہ مرتبہ کے موافق افعال سرزد ہوتے ہیں۔ اگر
 درجہ اعلیٰ ہو۔ تو یہی کلام الہی نفع بخش ہے اور اگر بخت بد ہو تو یہی کلام
 الہی خسارہ ہے خود اس کلام پاک کا اعلان ہے کہ "يَضِلُّ بِهِ كَثِيرًا
 وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا" تنفع المؤمنین اور ما یزید
 الظالمین الا خساراً" لیکن ان سطور سے یہ نتیجہ نکالنا کہ
 عمل کی حقیقت کچھ نہیں یہ بھی غلطی ہے کلام پاک اور حدیث شریف کے بغور
 مطالعہ سے مراد ثبوت و اعمال کے دو پہلو یکساں اور آپس میں ملے ہوئے
 نظر آئیں گے۔ ایک طرف تو آپ کہیں گے کہ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
 یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

تو دوسری طرف حدیث شریف سامنے آئیں گی۔ کہ ایک انسان جنتیوں
 کے سے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اُس میں اور جنت میں ایک بالشت بھر کا
 فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کے سبقت کرنے سے وہ دوزخی ہو کر مرنے لگتا ہے
 اور ایک شخص دوزخیوں کے سے کام کرتا ہے حتیٰ کہ اُس میں اور دوزخ میں
 بالشت بھر کا فاصلہ رہتا ہے آخر تقدیر سبقت کرتی ہے اور جنتی ہو کر مرنے لگتا ہے۔
 اس حدیث شریف کی ضد حدیث قدسی ہے کہ کثرت نوافل سے جو ایک
 شخص رات کو ادا کرتا ہے۔ اللہ عزوجل کا مقبول ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اُس کے
 ہاتھ۔ پاؤں۔ کان۔ آنکھ۔ زبان وغیرہ اللہ عزوجل سے نسبت رکھنے لگتے
 ہیں اور اُس کا قول و فعل اللہ عزوجل کا قول و فعل ہوتا ہے یہاں تقدیر کا
 ذکر نہیں فرمایا۔

اس حدیث پاک۔ انما الاعمال بالنیات کے تحت عمل کا ایک
 اور پہلو یہ بھی ہے جس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ ایک شخص مسجد کے
 دروازے کے باہر ایک کوٹھی اس ٹیٹ سے گاڑ دیتا ہے کہ کوئی مسافر باہر

سے آنے والے اپنی سواری کو اس کو ٹٹھی کے ساتھ باندھ کر مسجد میں اطمینان کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ لیکن کچھ دیر بعد ایک نمازی مسجد کے اندر سے باہر نکلتا ہے اور اس گاڑھی ہوئی کو ٹٹھی کو اکھیڑ دیتا ہے۔ اس نیت سے کہ یہ کسی نمازی کے لئے ٹٹھو کر کا باعث نہ بنے۔ یہاں تک عمل کا تعلق ہے ایک کا دوسرے کے برعکس ہے لیکن یہاں تک ثواب کا تعلق ہے دونوں اپنی اپنی نیت کا ثواب حاصل کرتے ہیں اور دونوں اس میں مساوی ہیں۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی سے معلوم ہوا کہ حدیث نمبر ۱ میں تقدیر

مقدم ہے حدیث نمبر ۲ میں عمل مقدم ہے اور حدیث نمبر ۳ میں نیت مقدم ہے یہ چند مثالیں کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تفرہیم

محض اس لئے پیش کی گئی ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ عقل ان دونوں کے پانے سے قاصر اور کوئی معیار قائم نہیں کر سکتی۔ مفسرین اکرام اور محدثین عظام نے

بحر تطبیق میں غوطہ لگا کر اس تضاد کو مٹانے کی کوشش کی ہے اور اس کی جامع بحث طحاوی شریف کی جلدوں میں بھی موجود ہے امام طحاوی چونکہ مسلک

اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے *School of thought*

کے بلند پایہ ہستیوں میں سے ہیں۔ لیکن دوسرے مسلک کے گروہوں کے

لئے اعتراض کی گنجائش پھر بھی باقی رہتی ہے۔ بہر کیف ان ہر دو کلاموں کو

قیامت تک کے لئے کار فرما مانتے ہوئے ہمیں کوئی حق حاصل نہیں کہ کسی کلام کو

تو اس کے شان نزول تک ہی چھوڑ دیں کسی کو منسوخ تصور کر لیں۔ کسی کو کسی

خاص انسان یا قوم تک ہی محدود رکھیں۔ ایمان تو یہ ہے کہ ان دونوں بیانیوں

کو اپنی اپنی جگہ قائم رہنے دیں اور اس خدائے عزوجل سے توفیق موافقت

مانگیں۔ **و بِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ**

کسی کلام کا معیار دو طرح پر موقوف ہوتا ہے ایک تو کلام کرنے والے

کی اپنی حیثیت پر۔ دوسرے مخاطب کی معیار عقل پر۔ یعنی **تکلم الناس**

علی قدر عقولہ کے تحت۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کلام اللہ
 اور کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کردہ دونوں معیاروں میں سے کس
 معیار پر ہیں۔ کیا یہ کلام متکلم کی شان سے وابستہ ہیں یا مخلوق کی عقلوں سے
 اگر بالعرض اسے ایک درجہ دیا جائے تو دوسرے درجے کا تناقص لازمی
 طور پر واقع ہوگا۔ اور کسی شخص کا مقدور نہیں کہ ان کلاموں کو ایک معیار پر
 رکھے۔ اگر کہیں کہ یہ کلام متکلم کی شان کے مطابق ہیں تو متکلم کی شان کا پابند عقل
 عالم سے ورتا ہے اور کلام اللہ و حدیث پاک کی کہنہ مسلم اور واضح۔ دوسری
 جانب اگر صرف یہی مان لیں کہ کلام ہمارے عقلوں کے مطابق ہے اور متکلم
 کی حیثیت کا اس میں دخل نہیں تو یہ بے ادبی اور گمراہی ہوگی۔ کیونکہ ہماری
 عقلیں متکلم کے سامنے بمنزلہ صفر ہیں۔ بہر صورت ہمیں ان دونوں معیاروں
 کو جمع کرنا پڑے گا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جیسے اس کلام الہی کی حفاظت کا
 ذمہ خود صاحب کلام نے اپنے پر رکھا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ قیامت
 تک اس کے اصلی متن میں کوئی فرق نہیں آسکتا اس کی تفہیم پھر بھی قیامت
 تک کے انسانوں کے لئے جداگانہ ہے اور جداگانہ رہے گی۔ اس خوبی کی
 وجہ سے اس کلام پاک کے معیار کا قائم کرنا محال ہے۔ فرد ہو یا جماعت اور
 اپنے میں دینی مقاصد رکھتے ہوں یا دنیوی اپنی اپنی استطاعت کے
 مطابق جھولیاں بھگے جاتے ہیں۔ بعینہ حدیث پاک اپنی اپنی گونا گوں اور
 بوقلموں رنگنیوں کی وجہ سے ہر ایک کے لئے اس کے مرتبے کے مطابق پورا پورا
 خزانہ رکھتی ہے۔

اجتماع تضاد اور اختلاف و عوج

اس آیت کریمہ کے ماتحت کہ لو کان من عند خیر اللہ
 لوجود فیہ اختلافاً کثیراً ایہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ کلام پاک میں اختلاف
 و تعارض یا کسی ٹیٹریے پن (عوج) کا دخل نہیں۔ اختلاف کو اجتماع تضاد
 سے ملانا سرسری غلطی ہے۔ اختلاف کے معنی یوں سمجھ لیجئے کہ یہ کلام از منہ و
 احوال کے اثر سے نہیں بدلا اور اس لئے کسی اعراب تک کافرق قبول نہیں کیا۔
 مختلف دوروں میں یہ اختلاف سے مبرا رہا اسی طرح اس کی عبارات میں کسی
 جگہ عوج نہیں پایا جاتا۔ برعکس اس کے یہ کلام الہی اور اس کی تفسیر حدیث
 پاک اپنے میں اجتماع تضاد کے حامل ہیں جن کی مثالیں اپنی اپنی جگہ تفصیل
 سے بیان کی جائیں گی۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ یہی اجتماع تضاد عقل و فکر
 کو چکڑے میں ڈالتا ہے اور ان کلاموں کی کہہ کر پانے سے عاجز کر دیتا ہے چنانچہ
 کسی ایک آیت پاک کو یا کسی ایک حدیث پاک کو سند کے طور پر کسی ایک
 خاص نتیجہ کے لئے لازم پکڑنا انصافی ہوگی۔ کیونکہ اجتماع تضاد کے طور پر
 کئی ایک آیات مبارکہ یا احادیث شریفہ بھی مطالعہ سے مل سکیں گی۔ طرہ
 یہ ہے کہ یہ اجتماع تضاد بیک وقت کار فرما ہے۔ اگر اللہ عزوجل حدیث
 اعلیٰ میں ہے تو یہی کلام پاک اُسے غنی عن العالمین
 کہتا ہے۔ ایک طرف تربیت ہے تو دوسری طرف بے پروائی۔ اسی طرح
 حدیث پاک میں اگر ایک جگہ من عرف ربہ کل لسانہ
 تو دوسری جگہ من عرف ربہ طال لسانہ ہے
 کلام پاک الحکم شریف سے لے کر والناس تک پڑھ جائیے ہر آیت میں
 اجتماع تضاد کی لہریں دوڑتی ہوئی نظر آئیں گی۔ گویا ایسا معلوم ہوگا کہ یہ کتاب

مد و جزر کا ایک بے پایاں سمندر ہے جس میں ہدایت و گمراہی کی لہریں
 انسانیت کے ساتھ کھیل رہی ہیں اور ہر ایک کے مقدرات کے مطابق اسے
 اپنی اپنی آغوش میں لے رہی ہیں۔ اسی اجتماع کی وجہ سے یہ کلام نہایت
 دقیق و باریک ہیں اور عقل عام انہیں عبور نہیں کر سکتی۔ ہاں عقل بشری
 جسے پہلے ایمان کے لفظ سے بھی لکھا گیا ہے اسے تمیز کے میدان میں رکھ
 سکتی ہے اور صاحب کلام کی توفیق سے ارتقائی منازل طے کر سکتی ہے۔
 اس اجتماع تضاد کا ایک اور پہلو بھی کلام پاک میں پایا جاتا ہے۔ یہ کلام انہی
 ہے اور ہمارے کلاموں کی طرح کسی آلہ کا محتاج نہیں جس سے یہ نکلے جس
 طرح کہ انسانی کلام زبان کا محتاج ہے اس طرح یہ کلام پاک کوئی اختتام
 نہیں رکھتا بلکہ ابدی ہے۔ برخلاف انسانی کلام کے جس کا ختم ہونا لازمی ہے
 اس کا کلام ہونے کی حیثیت سے یہ آکان کساکان والی حیثیت
 کا متحمل ہے۔ جیسے صاحب کلام ہے ویسے ہی اس کا کلام۔ نزول کلام
 پاک کو اصل کلام پاک سے کوئی تعلق نہیں۔ اگرچہ اس کے نازل ہونے
 میں بھی اعجاز پوشیدہ ہیں۔ کبھی یہ کلام بیک وقت ایک رات میں نازل
 ہوتا ہے۔ کبھی ہر سال بھی کلام رمضان المبارک کے مہینہ میں جبرائیل علیہ السلام
 کی معرفت دوہرایا جاتا ہے اور کبھی ٹکڑے ٹکڑے تیس سال میں انسانی
 کالوں تک پہنچتا ہے پس ثابت ہوا۔ کہ کلام پاک کا ایک پہلو جو ازلی ابدی
 ہے۔ کسی زمان و مکان کا محتاج نہیں۔ نہ زبان کو انتظار گفتن میں رکھتا
 ہے اور نہ گوش کو حسرت شنیدن دیتا ہے۔ سننے والے اس کے وعدوں
 کو اور اس کی وعیدوں کو اب بھی ویسے ہی سن رہے ہیں۔ جیسے بتاق
 میں سنا تھا۔ اس کے واقع کو اب بھی چشم دل سے ویسے ہی دیکھ رہے ہیں
 جب کہ واقع ظہور پذیر ہوتے تھے۔ دوہرا پہلو جو عوام کے سامنے ہے
 اور ہر ایک کے لئے مختلف مراتب رکھتا ہے الفاظ و اوراق کی صورت میں

ملبوس ہے۔ یہ اپنے اندر ابتدا و انتہا دونوں رکھتا ہے۔ کسی کیفیت کے پیدا کرنے سے پہلے یہ آلات کا محتاج ہے اور اول الذکر پہلو کی ضد ہے غرضیکہ اس کلام پاک کو ہم کسی ایک معیار پر جگہ دینے کے لئے عاجز ہیں۔ انسانی عقولیں جو جو معنی اس کلام سے اخذ کرتی ہیں۔ وہ اصل میں ان کا اپنا مرتبہ ہے نہ کہ اصل کلام۔ مطالعہ احادیث و تفاسیر اس کا شاید ہے قولہ تعالیٰ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ جس تفسیر میں بھی دیکھا یہی پایا کہ عورتیں تمہاری پردہ پوش ہیں اور تم عورتوں کے پردہ پوش ہو۔ لیکن کتاب کشف المحجوب میں دانا صاحب علی ہجویری اس آیت مبارکہ کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں کہ عورتیں راہ معرفت میں تمہارے لئے حجاب ہیں اور تم راہ معرفت میں ان کے لئے حجاب ہو۔ گویا کہ نظریہ ہی بدل دیا۔ اس طرح قولہ تعالیٰ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ کے تحت ایک گروہ تو مارے خوف کے لرزاں ہے کہ اللہ عزوجل اپنی گرفت سے بچائے کس کو تاب ہے کہ اس ہستی کے عذاب سے کسی طرح بچ سکے۔ لیکن دوسرا گروہ اس آیت مبارکہ کو پڑھ کر خوشی میں وجد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وہ گرفت فرمائے تو اور کیا چاہیے وہ اپنی پکڑ میں لے لے تو باقی تمام گرفت سے نجات ہو جائے۔ نہ شیطان کی گرفت میں آئیں اور نہ خواہشات کی گرفت ہمیں پاسکے۔ یعنی ایک گرفت سے باقی ساری پکڑیں فنا ہو جائیں۔

میں انشاء اللہ تعالیٰ اجتماع ضدین کو جو یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اپنی جگہ ایک مستقل باب کی صورت میں پیش کروں گا جو کہ مدعی کے لئے اس کے دعوئے کو باطل کرنے کے لئے حجت ہوگی اور اسے اپنے دعوئے سے باز رہ کر بے بسی و عاجزی کی وادیوں میں سرگرداں ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اس راہ میں کمال بے کمالی ہے۔

اللہ اور اس کی تعریف

کائنات کی کوئی شے نہیں جس کی تعریف نہ ہو سکے۔ ہر شے جس کو الفاظ کا جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔ تعریف کے دائرہ میں آسکتی ہے۔ سوائے لفظ اللہ کے۔ تعریف کے لئے علم اصول کے ماتحت کسی شے کا اصل (Genus) معلوم ہونا ضروری ہے۔ جس کو قسم اور جنس بھی کہا جاتا ہے۔ پھر اس اصل سے اس شے کی فصل کی تمیز اس کی تعریف ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ”نخیر“ لے لو۔ اس کی تعریف کے لئے اس کی اصل یعنی لوہا کو تصور میں لاتا پڑے گا پھر اس کی فصل یعنی یہ لوہا حلقہ دار کڑیوں کا سلسلہ ہے اس کی تعریف ہوگی۔ انسان کی تعریف میں اسے حیوان ناطق کہا جاتا ہے۔ یعنی اس کی اصل حیوان ہے۔ جو کہ ہر جاندار چیز پر بولا جا سکتا ہے جس میں کہ زندگی ہو۔ لیکن یہ حیوان باقی حیوانات سے یوں میسر ہے کہ یہ قوت گویائی رکھتا ہے جو کسی اور حیوان میں نہیں پائی جاتی۔ اس فصل گویائی نے اسے اور حیوانات سے علیحدہ کر کے اس کی تعریف میں اسے حیوان ناطق کا خطاب دیا۔ و علیٰ ہذا بقیاس۔

اللہ عزوجل کی تعریف اس لئے محال ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں جس سے یہ نکلا ہو۔ یہ خود اصل ہے باقی ساریہ حقیقتاً موجود اور ہر صفت کمال کے ساتھ موصوف ہے۔ اس کی ازلیت بلا سبب اور ابدیت بلا علت۔ اسے اگر لفظ اللہ بھی نہ دیا جائے۔ تو پھر بھی اس ہستی میں کوئی نقصان نہیں پیدا ہوتا۔ جب یہ لفظ سے بھی پاک ہو تو اس کی تعریف محال ٹھہری۔ یہاں ایک مغالطہ کا ازالہ کرنے کے لئے یہ بیان کر دیتا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ کسی شے کو قابل تعریف گردانا اور اسے اور اس کو تعریف کے دائرہ میں احاطہ کرنا اور

اللہ عزوجل کی تعریف نہیں ہو سکتی گو سب تعریفیں اس کے لئے ہیں۔ اس لئے
لفظ الحمد لله فرمایا۔ کسی متکلم کے ساتھ اس کی تعریف والسنۃ نہیں کی
گئی۔ کیونکہ یہ طاقت سے باہر ہے کہ کوئی اس کی تعریف کر سکے۔ سب تعریفیں
واسطے اللہ کے ہیں یہ الفاظ ہرگز ہرگز ثابت نہیں کرتے کہ کوئی کائنات میں اس کی
تعریف کر سکتا ہے۔ تعریفیں گو سب اسی کا حصہ ہے لیکن مقدور کسی کو بھی
نہیں کہ اس کی تعریف کر سکے۔ پس جب ہماری حمد کرنی اس کمال کے شایاں
نہ ہو سکی تو ہماری بے بسی ظاہر اور ہماری عاجزی عیاں ہمیں اعتراف کرنا پڑے
گا۔ کہ وہ ہستی عبارات و استعارات اور تعریفات سے منزہ ہے اور ہمارا اس
ذات میں تفکر و تدبیر بے سود۔ اور بقول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس
ذات کو وہم میں لانا بھی کفر ہے۔ عجب تو یہ ہے کہ ہم اس کی تعریف جو تعریفات
سے پاک ہے اور اس کی تسبیح جو تسبیحات کی حاجت نہیں رکھتا کتے جاتیں۔ لیکن
اسے کوئی نام بھی نہ دے سکیں۔ میں نے ایک منتہی فقیر کا کلام پڑھا جس میں لکھا
پایا کہ برائے تسبیحی دل اللہ نام دادہ اند۔ جس کا مطلب بھی یہی نکلا۔ کہ وہ ناموں
سے پاک ہے پھر عجب تدریہ کہ عقل و قیاس کے برخلاف صفت کو موصوف سے
علیحدہ کرنا پڑا۔ اور تدبیر و غور بھی صفات ہی کے لئے معمور ہوئے۔ یہ اس لئے
کہ کہنہ ذات جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا محال تھی۔ محال ہے اور محال رہے گی۔
یہیں صفات جو لامحدود اور بے انتہا ہیں۔ اور جن میں غور و فکر کی اجازت ہے
اس تخریر میں میرا مقصد صفات کو ایک ایک کر کے بیان کرنا نہیں ہے اور
نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی کسی ایک صفت کو بھی کہا حقاً
بیان کیا جاسکے۔ کیونکہ موصوف کی مانند صفت بھی بے پایاں اور بیکیراں ہے
گو اسے ذات کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اسے غیر ذات بھی نہیں کہا
جاسکتا۔ ہر صفت اپنے میں بے شمار طرحیں رکھتی ہے اور ایک صفت کی
کار فرمائی ہیں دوسری صفات بھی بیک وقت کار فرما ہیں۔ کوئی صفت

ایسی نہیں جو مستور ہو اللہ عزوجل کی تمام صفات کو دو عنوانوں کے ماتحت لایا جاسکتا ہے۔ ایک تو صفات جمالی دوسری صفات جلالی۔ کسی صفت کو لے لو۔ یا وہ جمالی ہوگی یا جلالی۔ اور یہ جمال و جلال بیک وقت ساری موجودات میں کار فرما ہیں۔ عقل کسی شے کو ثابت کرنے کے دلائل پیش کرتی ہے لیکن دلائل سے باری تعالیٰ کا ثابت کرنا غلط طریقہ ہے۔ اہل حق کے نزدیک ثابت کرنا وغیرہ جملہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ پس یہ معنی ہو گئے۔ کہ خدا تعالیٰ کو خدا تعالیٰ کے فضل سے موجود کرنا کیونکہ بالاتفاق ثبوت اور وجود کے ایک ہی معنی ہیں۔ حالانکہ یہ محض غلط اور کفر ہے اور جس شخص کو کہ اللہ تعالیٰ نے ذرا برابر بھی نور دیا ہے وہ خوب جانتا ہے۔ کہ عالم کا ثابت کرنے والا موجود کرنے والا۔ ظاہر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے کوئی چیز ایسی ممکن نہیں جو اللہ تعالیٰ کو ثابت کر لے پس حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور ثبوت بذات خود کل مخلوق سے زیادہ ظاہر ہے۔ بلکہ کہاں ظہور اسی کے واسطے ہے اور آنکھوں کا تحمل نہ ہونا اور عقل کا اندھا پن اس مخلوق کے لئے ہے۔ لہذا فرمایا ہوا الاوّل و الآخر و الظاہر و الباطن عارفین نے کہا کہ میں نے اسے اسی سے پایا۔ قرآن پاک میں وجود کے دلائل نہیں ہیں اور ثابت بھی ہی کرتا ہے کہ یہ محال اور غیر ممکن ہے بعینہ صفات چونکہ بیک وقت مجتمع ہیں اور عقل کسی ایک کو ثابت کرنے کی کوشش کرتی کرتی اس کی ضد کو بھی پالیتی ہے تو ناکام واپس لوٹ آتی ہے۔ ایک شخص دلائل سے ثابت کر رہا ہے۔ کہ فلاں جگہ پر آگ جل رہی ہے لیکن اگر اُس کے وہاں جانے پر اور مشاہدہ کرنے پر معلوم ہو کہ وہ پانی ہے۔ تو اُس کے دلائل ناکام رہ جاتے ہیں کیونکہ اُس نے دلائل کے ثبوت کے خلاف اُس کی ضد پائی۔ اسی طرح اگر عقل کسی ایک صفت الہیہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ تو اُس کی ضد کو بھی پا کر کہہ اٹھتی ہے کہ نہ وہ یہ ہے اور نہ وہ۔ اور ایسے بھی ہو سکتا ہے۔ کہ یہ

کہہ دے کہ وہ یہ بھی ہے اور یہ بھی۔ بہر حال جیسے اُس کا انکار محال ہے ویسے ہی اُس کا ثبوت محال۔ ثبوت کے محال ہونے کی وجہ پیچھے درج ہو چکی۔ اب انکار کا محال ہونا یوں ہے کہ انکار کسی شے کا ہوتا ہے جب کوئی شے ہی نہیں تو انکار کس کا ہوا۔ لہذا اس مستی کا انکار بھی اس کے ثبوت کا دال ہے اور اس سے انکار کرنا اس کے اقرار سے کم نہیں۔

اللہ عزوجل کی صفات جن کو نہ عین ذات کہا جاسکتا ہے۔ یہ غیر ذات کچھ اس طرح مذکور ہیں کہ ان کے چکر کے ساتھ انسانی عقل بھی چکر کھاتی ہے۔ ایک گول پلیٹ پر نقطہ سے محیط کی طرف اگر مختلف رنگوں کی مخروطی شکلیں بنائی جائیں اور اُسے کسی آلہ کے ذریعہ تیزی سے گھومایا جائے تو گھومتی ہوئی پلیٹ پر کوئی رنگ نظر نہیں آسکتا۔ بلکہ بجائے خود پلیٹ سفید نظر آئے گی۔ جیسے کسی رنگ کا نام نہیں دیا جاسکتا اسی طرح صفات الہیہ عالم موجودات میں کچھ اس طرح گھوم رہی ہیں کہ اپنے موصوف کی طرح وہ بھی کسی نام کی محتاج نہیں۔ عالم موجودات میں یہ جو اشیا کے نام رکھے گئے ہیں یہ مختلف صفات کی بنا پر رکھے گئے ہیں جس صفت کا جس شے میں ظہور ہوا۔ ویسا ہی مناسب نام رکھا گیا۔ ایک شے میں تمام صفات کا ظہور نہ رکھنا کہ برقرار ہی رہے اور ہم میں آسکے۔ جس شے کو اپنی تمام صفات کا منظر بنایا وہ ہم کے دائرہ سے باہر نکل گئی۔ اس مضمون کا باب النشار اللہ تعالیٰ منظر ذات و صفات کے تحت علیحدہ باندھ جائے گا۔ و باللہ التوفیق

صفت ہر آن موصوف کے ساتھ ہوتی ہے چاہے اُس کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ محل ظہور میں اتنا فرق ضرور پڑتا ہے کہ اس صفت کی نسبت مجازی طور پر ایک سے زیادہ کی ظہور ہو سکتی ہے۔ برعکس اس صفت کے ظاہر ہونے سے پہلے جو کہ صرف موصوف کے ساتھ ہی وابستہ ہوتی ہے۔ اللہ عزوجل کی صفات کا بھی ظہور ہوا۔ تو انسانی عقل نے ان کی نسبت

ان صفات کی مجازنی اشکال سے وابستہ کرنی شروع کریں۔ رحم کو رحم کرنے والے پر رکھا۔ اور ظلم و قہر کو ظلم کرنے والے پر۔ حقیقت سے جب بعد ہوا تو گمراہی نتیجہ نکلا۔ یہ نہ جانا کہ اشکال و لباس ان صفات کے سبب ہیں غلط نہیں ہیں۔ صفات کی وابستگی اب بھی موصوف کے ساتھ ویسے ہی ہے۔ جیسے کہ پہلے تھی۔ میں و تو کی تمیز نے دراصل اسے ایک علیحدہ رنگ دے رکھا ہے۔ اگر یہ تمیز اٹھ جائے تو کوئی جھگڑا نہیں رہتا۔ لوہا آگ میں رکھنے سے اگر گرم ہو جائے اور اپنی صفت تبدیل کر لے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صفت ممکن التبدل ہے غلطی ہے لوہا بذات خود ایک لباس ہے جس میں ہزار ہا صفات پوشیدہ ہیں جو الان کہاں کہاں ہیں لوہا گواہ گرم ہوا لیکن یہ جو ہر اس میں پہلے سے ہی موجود تھے۔ اس معاملہ نے بھی انسانی عقول کو صفات باری تعالیٰ کے سمجھنے میں کافی حد تک قاصر رکھا ہے۔ لباسوں کا اختلاف اور ان میں بے شمار صفات کا اجتماع ایک ایسا کھیل ہے کہ جس کسی نے اسے دیکھنا چاہا خود تماشا بن گیا۔ اور خود کی گفتیاں سلجھاتا سلجھاتا حیرت زدوں کی صفت میں اکھڑا ہوا۔

مندرجہ بالا کلام سے صفات باری تعالیٰ میں غور و تامل کرنے کی غایت بھی معلوم ہوئی کہ معرفت راہ خدا میں اس تفکر کی آخری منزل تسلیم و توکل کی وادی کے کنارے سے ٹکرائی ہے۔

صفات باری تعالیٰ کا ظہور

ذات باری تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ تخلیق سے پہلے ایک خزانہ تھا جو معرفت سے مخفی تھا۔ تخلیق کا باعث محبت اور معرفت کا باعث تخلیق ہوا۔ صفت موصوف کے ساتھ قدیم رہی اور تخلیق حادث نہی۔

احديث پاک جو کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کی سب سے پہلی تخلیق حضور علیہ السلام کا نور تھا۔ جو مدتوں صفات باری تعالیٰ میں دورہ کرتا رہا۔ یہ خلق (نور) حادث ہوا اور اپنا دورہ صفات قدیم میں رکھا۔ ہر صفت کا منظر بنا۔ دورہ کی نوعیت صفات کی طرح بیک وقت رہی جو زمان و مکان سے پاک تھی۔ عالم کائنات کا حادث اسی نور سے ہوا۔ اور صفات باری تعالیٰ جلوہ گر ہوئیں۔ جو پہلے خلوت میں تھیں اب جلوت میں آئیں۔ ہر ایک نے اپنا اپنا لباس زیب تن کیا۔ اور ہر ایک کو عالم موجودات میں آنے سے پہلے اللہ عزوجل نے جہاں چاہا اور جیسے چاہا رکھا۔ چونکہ صفات کا اجتماع اجتماع ضدین تھا عالم مثال اور عالم موجودات بھی ویسے ہی ضدین کا مرکب بنا۔ عالم موجودات عالم مثال کا پیراہن بنا۔ دراصل اسی پیراہن کو عالم موجودات کا نام دیا گیا۔ یہی پیراہن جو دیکھنے میں بودا اور کاغذی محکوم ہوتا ہے۔ اور جس کو لفظ فنا سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے معرفت الہی کے لیے پہنچا گیا۔ اگر اس لباس کو بھی اللہ عزوجل کی صفت کہا جائے اور اسے صفت کا نام دے بغیر چارہ ہی نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اور صفات کی طرح یہ صفت ازلی ابدی ہے۔ فانی نہیں۔ عارضی فرقت کو دائمی جان کر یہ نظریہ گڑبگڑ لیا کہ من حی العظام وھی سر میم، سر اسر بغاوت و عناد ہے۔ اجتماع ضدین کے پیش نظریہ فنا و بقا بیک وقت موجزن ہیں۔ دیکھنے والوں کو ہر فنا میں بقا اور ہر بقا میں فنا نظر آتی ہے۔ ہم جب کسی شکل کو فنا ہوتے دیکھتے ہیں تو مغالطہ کھا جاتے ہیں کہ یہ صفت جو فنا ہونے سے پہلے اس شکل میں موجود تھی فنا ہو گئی۔ دراصل یہ نہیں سمجھتے کہ فنا بذات خود ایک علیحدہ صفت ہے۔ جو اس شکل پر اب کار فرما ہے۔

صفات و اشکال

معلوم ہونا چاہیے۔ کہ صفت اپنے میں کوئی شکل نہیں رکھتی۔ یہ ہمیشہ موصوف کے ساتھ وابستہ ہے۔ رنگریزی کسی شخص کی صفت ہے۔ ہاں۔ اس صفت کا ظہور کسی کپڑے کے سرخ و سیاہ ہونے سے ہوتا ہے۔ اب چار اشیا سامنے ہیں۔ ایک رنگریز۔ دوسرا رنگریزی۔ جو صفت اس میں موجود ہے۔ تیسرا کپڑا۔ اور چوتھا رنگ۔ آخر الذکر دونو اشیا کی حیثیت اول الذکر دونو سے جداگانہ ہے اور آپس میں کوئی ذاتی تعلق نہیں رکھتے ذات باری تعالیٰ اپنے میں صفت رحمانیت رکھتی ہے جس کے ظہور کے لئے مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ ایک شخص لوگوں کو کھانا کھلا رہا ہے اس کی سخاوت کا ظہور غریبوں کے کھانا کھانے سے ہو رہا ہے۔ اب یہاں برخلاف رنگریز والی مثال کے اول الذکر دونو کے سوا۔ (یعنی ذات و صفات کے) چونکہ تیسری شے کا وجود ہی نہیں اور ہونا بھی محال ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ آخر الذکر دونو ایک علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں یہاں جو کھلاتا ہے وہ بھی ایک صفت ہے اور جن کو کھلایا جا رہا ہے وہ بھی ایک صفت ہے اور جو کھلایا جا رہا ہے وہ ایک علیحدہ صفت ہے۔ یہاں اشکال بھی صفات ہیں اور صفات بھی صفات۔ جو اہر و اعراض کا پلا انہی تیزی سے ہو رہا ہے۔ کہ مشاہدہ کرنے والا متحیر ہے۔ اس تضاد کا اجتماع سرسری نظر میں محال معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بغور مطالعہ سے اگر ہر شکل و وجود۔ صفات و عقول۔ جو اہر و اعراض اعیان یا یوں کہیے۔ کہ عالم موجودات میں مرعی و غیر مرعی ہر شے جس پر لفظ بیان کا اطلاق ہو سکتا ہے کو اکٹھا کیا جائے۔ تو یقیناً یہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہ سب کچھ ثبوت و عدم ثبوت (نفی و اثبات) کا مرکب ہے۔ اگر ذرہ (ایٹم) ایک طرف اپنی کم بساطی ظاہر

کہتا ہے تو دوسری طرف یہی ذرہ (ایٹم) اپنے میں وہ طاقت رکھتا ہے کہ ساری دنیا و مافیہا کو ایک آن میں نیست و نابود کر سکتا ہے (ایٹم بوم) اسی طرح بڑی بڑی جسمات والی اشیاء ظاہری طور پر پریشکوہ نظر آتی ہیں۔ اہل نظر کے سامنے حقیر اور رانی کے دلنے برابر بھی حقیقت نہیں رکھتیں۔ بلاد اللہ کو مجموعی حیثیت دینے کے بعد معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہر شے کی ضد ہر آن اس کے مقابل موجود ہے ہاں انفرادی طور پر یہ ضد موجود تو ہے جیسا کہ اوپر ایٹم والی مثال سے ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی تفہیم اتنی آسان نہیں جتنی مجموعی حیثیت سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ اگر یونیورس کو اجتماع ضدین کا نام دیں اور اس سے نفس مضمون کی طرف رجوع کریں۔ پھر اس سے اس کے باعث اور پھر حقیقت باعث کی طرف آئیں۔ تو شاید اس محال کو صورت ممکن دی جاسکے، واللہ التوفیق۔

کائنات

کائنات (عالم مصنوعی) عالم موجودات۔ عالم ماکان و مایکون۔ عالم تخلیق۔ عالم امر۔ عرش و عالم تحت العرش یا یوں کہتے کہ عالم ماسوائے اللہ۔ یہ سب آپس میں لغوی لحاظ سے ہم معنی ہیں آسانی کے پیش نظر اس عالم کائنات کو مندرجہ ذیل دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور اس ترتیب سے انشاء اللہ ہر حصہ میں اجتماع ضدین ثابت کیا جائے گا۔ فوق العرش کی بحث اس میں نہ ہوگی۔

نمبر ا قدرتی یا فطری اور مصنوعی۔ جو شے کہ جو اس خمسہ کے ذریعہ ہم تک پہنچتی ہے۔ یا تو وہ دست قدرت کی بنائی ہوئی ہے یا صفت خلاق ہوئی ہے۔ جس میں بیشتر حصہ حضرت انسان کا ہے۔

اختصار کے پیش نظر یہ مناسب نہیں سمجھا گیا۔ کہ علیحدہ علیحدہ ہر شے میں صفات کا ظہور ثابت کیا جائے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کیونکہ ان تعداد نعمت اللہ لا تحصوها کے ماتحت عقل انسانی اس سے عاجز ہے یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ عالم موجودات میں ہر وہ شے جس کا وجود ہے اپنے اندر صفات قدرت کی ہر صفت کو جگہ دیے ہوئے ہے خواہ اس صفت کا ظہور اس ظاہری حواس میں آئے یا نہ آئے یہاں کہیں بھی لفظ وجود کا اطلاق ہوا۔ اس میں ان سب صفات کی کار فرمائی مانتی پڑھی۔ کوئی شے وجود میں آئی نہیں سکتی اور نہ ہی اسے کوئی نام دیا جاسکتا ہے جب تک کہ یہ شے تمام صفات کی حامل نہ ہو۔ مسئلہ گو بہت دقیق سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سمجھانے کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہوگا۔ کہ جب صفات ذات سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں۔ گو یہ عین ذات نہیں تو ان کا آپس میں علیحدہ ہونا محال ٹھہرا۔ پس جب یہ مجتمع ہوتے ہیں۔ تو ضدین کا اجتماع بھی قرار پایا۔ ذرہ ذرہ پتہ پتہ اپنے اندر دفتر معرفت کر دگا رہتے ہوئے ہے۔ پھر لطفت کی بات یہ ہے کہ ہر ان صفات کی موجودگی میں اپنی ذات کے وجود کی نفی فرماتا ہے۔ کیا یہ عجب نہیں کہ موجود تو ہو لیکن وجود نہ رکھتا ہو۔ اسی وجود کی نفی سے ایمان کی تکمیل ہے ورنہ کئی فرقے انہیں صفات میں وجود کو مانتے ہوئے ایسی وادی میں سرگرداں ہیں جو گمراہی کے قریب ہے اور اسی طرح کئی ایک فرقے اشیا میں صرف ظہور صفات کو ہی دیکھتے ہوئے ذات کی موجودگی کا انکار کئے ہوئے ہیں۔ حقیقت میں نہ اول الذکر کسی ساحل پر ہیں نہ آخر الذکر کسی ٹھکانے لگے ہیں۔ ایک پتے کو دیکھ کر کہہ اٹھنا۔ کہ یہ وہی ہے اور اسی طرح اسے دیکھ کر کہہ دینا کہ یہاں وہ نہیں ہے دو نو نظریے باطل ہیں۔

بلے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آئینہ کار

اس پہ یہ پردہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

اللہ تجھے سمجھ عطا فرمائے اور کسی ایک نظریہ کو کوئی نام دینے سے آزاد
 کر دے۔ یاد رکھ کہ نظریات کا قائم کرنا تجھے وقتی طور پر تیری دنیاوی زندگی
 میں شاید کچھ تیرے کام آئے۔ اگر منازل معرفت میں کسی نظریہ پر ٹھہر گیا۔ تو ہر
 قدم پر چھبکتا رہتا رہے گا۔ عالم موجودات کو اس کی تمام صفات کا پیر تو
 جان۔ ساتھ ہی ہر شے میں اس کا ہونا بغیر وجود کے مان۔ یہی تیری عقل اور
 یہی تیرا ایمان ہے۔ کسی چیز کا موجود ہونا بغیر وجود کے اصل اجتماع ضدین
 ہے۔ یہی ایک راز ہے جس کو آج تک کوئی وا نہ کر سکا اور نہ ہی الفاظ کا
 جامہ پہنا سکا جس پر وارد ہو وہی اس کی کیفیت سے واقف ہے جو اس
 آلات کی رسائی سے یہ بہت بلند ہے۔ عالم موجودات کی مندرجہ بالا دو اشیاء
 افضل ترین موجودات میں سے حضرت انسان ہیں جس کے لئے یہ سب
 کچھ بدیع ہوا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ نوع انسانی جس کے قواعد کو اللہ عزوجل
 نے احسن فرمایا ہے۔ کن کن پہلوؤں سے اپنے اندر یہ اجتماع ضدین لئے
 ہوئے ہے۔

حضرت انسان

ہر کوئی جانتا ہے کہ خمیر آدم چار عناصر سے مرکب ہے۔ آگ مٹی پانی
 اور ہوا۔ چونکہ ہر عنصر ایک دوسرے کا ضد ہے اور ان کا اکٹھا ہونا بظاہر
 محال۔ تو یہ مرکب ہی ثابت کرتا ہے کہ قدرت نے مرکب ضدین سے
 اس مہتی کو پیدا فرمایا۔ ایک عنصر کا دوسرے پر غلبہ۔ ایک کا وجود دوسرے
 کا عدم۔ ایک کا ثبوت دوسرے کی نفی۔ بادی النظر میں عیاں ہے۔ لیکن
 کمال قدرت تو یہی ہے۔ کہ ضدین کو جمع فرما کر عقل کو متحرک کر دیا۔ فرع ہمیشہ
 اصل کے تحت ہوتی ہے اور ظہور وجود کے تابع۔ جب اصل ضدوں کی

جمع ٹھہری۔ تو اس اصل سے جو سرزد ہو وہ بھی لازمی طور پر ضدین کا ہی
مجموعہ ہوتا چاہیے۔ ہم جو اس کے برخلاف دیکھتے ہیں اس کی وجوہات مع
تفصیل انشاء اللہ ابھی اپنی جگہ آئے گی یہاں صرف یہ واضح کر دینا ہے کہ اصل
منشائے ایندھی انسان کو اپنی صفات میں رنگے ہوئے دیکھتا ہے۔ اور انسان
کو بھی اُن صفات کا آئینہ بنتا ہے۔ جب یہ حاصل ہوا۔ تو اللہ عزوجل کی
مرضی پوری ہوئی۔ اور انسان مقامِ رضا سے نوازا گیا۔ اور جو جو انعامات
بندۂ رضا کے لئے موعود میں سب سے سرفراز کیا گیا۔

خاصہ و عامۃ الناس

نوع انسان کو اگر مجموعی طور پر مطالعہ کیا جائے۔ تو اس اجتماعِ ضدین کا
پانا کوئی مشکل معلوم نہ ہوگا۔ کسی صفت کو کسی نہ کسی انسان میں اوجا کر معلوم
ہوگی۔ یہاں ایک نکتہ واضح کر دینا نہایت ضروری سمجھا گیا ہے اور وہ یہ ہے
کہ عام طور پر لفظ صفت سے عقل عوام دھوکا کھاتے ہوئے ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ
صفت کا اطلاق بُرے اور مکروہ معنوں میں بھی ہو سکتا ہے جو کہ ایک سخت مغالطہ
ہے صفت ہمیشہ اچھے معنوں میں ہی ہوتی ہے۔ یہ صفات آخر میں کیا اور کہاں
سے پیدا ہوتی ہیں۔ ذرا سے غور کرنے پر معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب صفات
باری تعالیٰ کا ہی پرتو ہیں۔ اور انہیں کا عکس کچھ نہ تھا۔ لیکن یہ صفات ذات
کے ساتھ وابستہ اور کسی قسم کے نقصان و عیب سے پاک و منترانہ ہیں و لکن
الاسماء الحسنی۔ ان صفات کی خیر و شر میں تقسیم ان کے انسانی
استعمالات مع مراتب پر رکھی گئی۔ زید ایک فعل کرتا ہے جو اسے کرنا نہیں
چاہیے تھا یعنی اس کے مرتبہ کے لائق نہ تھا وہ ظالم ٹھہرایا جاتا ہے۔ بکر اسی
فعل کو کرتا ہے۔ اور اسے اپنے مرتبہ کے موافق پاتا ہے۔ وہ عادل ٹھہرایا جاتا ہے۔

پس صفت بڑھی نہ ہوئی بلکہ مرتبہ اور استعمال نے اسے خیر یا شر کا نام دیا۔
 اس نکتہ کو ذہن نشین کرنے کے بعد نفس مضمون کی طرف توجہ فرمائیں۔ کہ نوع
 انسانی مرکب ضدین ہے۔ مگر ہر بنی نوع انسان میں یہ اجزاء روشن نہیں
 جیسے کہ تمام عالم موجودات میں بغیر کسی روک کے کہا جاسکتا ہے کہ اجتماع ضدین
 کار فرما ہے لیکن اس عالم کی کسی ایک شے میں اسے ثابت کرنا مشکل معلوم
 ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ جاوہی ہونے کے لئے عالم کائنات کو جو سارا ایک
 کلمہ (کن) کا ظہور ہے کلمے کے ہی تین اجزاء میں تقسیم کر دینے سے یہ مسئلہ واضح
 تر ہو جائے گا۔

کلمہ اپنے اندر اسم۔ فعل۔ اور حرف رکھتا ہے۔ صرف و نحو کے پیش
 نظر۔ اسم۔ فعل۔ حرف جو جو تعریف اپنے میں رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر
 ہو جائے گا۔ کہ کائنات کی ہر شے منجملہ عام انسانوں کے سب کی سب
 حرف ہے۔ انبیاء علیہ السلام کی جماعت اور گروہ مومنین سب فعل ہیں
 اور اسم کا لفظ فقط سید انبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی درست آتا
 ہے۔ جہاں سارا عالم امر ہے۔ جس میں مومنین اولے اکابر ہیں۔ حضور پر نور
 علیہ السلام صورت امر ہیں اور اللہ عزوجل حقیقت امر ہے اس ترتیب
 سے انشاء اللہ اس کتابچہ کو زینب دیا جائے گا۔ واللہ التوفیق۔

عام انسان

عالم موجودات میں اشرف الموجودات حضرت انسان ہے۔ اس
 کو اللہ عزوجل نے اپنا بھید فرمایا ہے۔ اس کی تقویم احسن اور اس کی تخلیق
 اپنے دست قدرت سے فرمائی۔ اسے اپنی امانت کا اٹھانے والا بنایا۔
 سب کچھ اس کے لئے پیدا فرمایا اور اسے اپنے لئے بنایا۔ ارتقائی نام جو بھی

دئے جائیں۔ سب اس کے لئے موزوں ٹھہرے۔ برعکس اس کے اس انسان کو اسفل السافلین ط کے درجہ پر رکھ کر اسے اتنا معزول فرمایا کہ اُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّ هُمْ أَضَلُّ ط تک پہنچایا۔ کتور۔ مختال۔ فخور۔ خوان۔ عجول۔ طرح طرح کے ناموں سے موسوم کیا۔ منافق۔ کافر۔ فاجر۔ فاسق۔ ظالم۔ جاہل۔ ضال۔ مغضوب۔ سرکش۔ سفلی۔ ذلیل۔ خلافت۔ مکذب۔ ہماز۔ نمام۔ مناع۔ معتد۔ ایشم۔ عمثل۔ زینم۔ بھی اس انسان کو نام دیے۔ پھر ان دونوں طبقات کو کچھ اس طرح مخلوط کیا۔ کہ عقل کی دھجیاں اڑ گئیں۔ کوئی ایک نظریہ نہ قائم ہو سکا۔ کسی کو طاقت نہیں کہ وثوق سے کہہ سکے۔ کہ فلاں کافر۔ فاجر کو ایمان و تقویٰ نصیب نہیں ہو سکتا یا یہ کہے۔ کہ فلاں متقی فاجر فاسق نہیں بن سکتا۔ قسام ازلی نے یہ تقسیم کچھ ایسی پوشیدہ رکھی جو کسی نسب العین کی محتاج نہ ٹھہری۔ یہ سب اس لئے کہ انسان کو تمام کمالات و صفات سے مزین کیا۔ اور اس کی ذات میں ان کا دورہ ایسا رکھا کہ کسی ایک حال یا ایک صفت پر قرار نہ دیا۔ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث باب تفسیر الناس کے تحت جس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔ اس نظریہ پر دلالت کرتی ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ نہیں ہے آدمی سچ اختلاف حالات اپنے کے اور تغیر صفات اپنے کے مگر مانند سواونٹوں کے۔ نہیں قریب ہے کہ پاوئے تو اے مخاطب ان میں سے ایک قابل سواری کے۔ ماہرین علم النفسیات (Psychology) بھی اس اجتماع ضدین کو کسی اور رنگ میں پیش کر لے ہیں۔ ان کے مطابق یہ انسان اپنے میں دو متضاد فطرتیں (Natures) رکھتا ہے راجح بالباطن (Dominant) راجح بالظاہر (Exterior) عموماً دیکھو گے کہ صاحب عمل انسان اپنے کلام کو ایک سردی کیفیت کی طرف لیتے جا رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ گویا اس کا کلام پڑھنے والے کو نیند کے ٹیکے لگا رہا ہے۔ لیکن عمل اس کا
 عین برعکس پاوگے۔ برخلاف اس کے جس کا کلام عمل کی دعوت دیتا ہو۔
 اور اس کے مطالعہ سے یا سننے سے جوشِ عمل پیدا ہو۔ اس کی اپنی ذات
 میں فقدانِ عمل ہوگا۔ کالج میں میرے فلسفہ کے استاد اس مضمون پر
 لیکچر دیتے وقت رابندرہ ناتھ۔ ٹیگور۔ اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کی مثال
 دیا کرتے تھے۔ یہ دونوں صاحبِ ہمعصر تھے۔ لیکن خود عمل و کلام میں ایک
 دوسرے کی ضد۔ اور ان کا اپنا کلام اپنے عمل کی ضد۔ اور عمل کلام کی ضد یہاں
 اس سے بحث نہیں کہ ایسا ہونا چاہیے یا نہیں عامۃً الناس میں یہ ضد موجود
 ہے۔ اور اس کا اظہار بھی۔ لہذا تقولون ما لا تفعلون ط کے
 تحت یہ سب آتے ہیں انہیں ضدین کی موجودگی سے سب قیاحتیں ظہور
 میں آتی ہیں۔ اللہ عزوجل کی صفات سب کی سب بغیر کسی نقص و عیب
 کے ہیں۔ لہذا اسماء الحسنیٰ، صفات اسماء کا مظہر ہیں باطل
 اپنے باطل ہونے میں بھی حق ہے گو یہ نکتہ عقل کی پہنچ سے بالا ہے۔ عقل کا
 کام کسی چیز کو ثابت کرنا ہے اور اس اجتماع میں ثبوت محال ہے۔ دودھ
 کا شربت اور لیمو کا شربت اپنی جگہ اور اپنی حیثیت اور اپنے اپنے استعمال
 میں فائدہ مند اور بے ضرر ہیں لیکن دونوں کی ملاوٹ لازماً خطرہ سے خالی نہیں
 اور نہ ہی ان کا بے وجہ بے ضرورت اور بے محل استعمال سود مند ہوگا۔
 بس تمام سیات کو اس مثال پر رکھنے سے یہ واضح ہو گیا کہ ما اصابك
 من سیدۃ فمن نفسك، لیکن پھر ضدین نے اپنا رنگ دکھانا
 تھا۔ خیال پیدا ہوا۔ کہ اگرچہ یہاں ان صفات کی بے ترتیب ملاوٹ ہی
 ظہور میں آتی۔ لیکن یہ اختلاط اور ظاہر کرنا وغیرہ کس طاقت سے سرزد
 ہوئے کلام پاک نے اس کی بھی وضاحت کر دی اور اپنے محبوب صلی اللہ
 علیہ وسلم کی معرفت اس نکتہ کو بھی حل فرما دیا۔ جب کفار کو کوئی بھلائی

پہنچتی تو کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے اور جب برائی پہنچتی تو کہتے کہ یہ تیری۔
 (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 ان سے فرما دیجئے کہ کل من عند اللہ، یہ سب کچھ اللہ عزوجل
 کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ مسئلہ تفہیم میں لائے معلوم
 نہیں ہوتے۔ و مال هؤلاء القوم لا یکادون یفقہون حد
 یہاں ایک طرف برائی کو من نفسک، فرمایا تو دوسری طرف من
 اللہ نہیں فرمایا بلکہ من عند اللہ، فرما کر ایک ایسی سچیدگی
 میں ڈال دیا کہ عامۃ الناس تو کیا۔ صاحب امر حضرات بھی متحیر رہ گئے۔
 اور اسی حیرت کو اپنا نجات کار از جانا۔ واللہ بکل شیء محیط،
 کو سامنے رکھتے ہوئے۔ اور اس طرح فی انفسکم افلا تبصرون،
 کے پیش نظر اللہ عزوجل کا اپنی صفات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہونا معلوم
 ہوا۔ عام انسان ہوں یا خاص الخاص سب میں اس کی جلوہ فرمائی ہے۔
 بلکہ کوئی جگہ اس سے خالی نہیں۔ اس طرح جہاں وہ جلوہ فرما ہے وہاں
 اس کی صفات بھی موجود ہیں کیونکہ صفات کا یا کسی ایک صفت کا بھی
 علیحدہ ہونا اس کی ذات سے غیر ممکن ہے۔ چنانچہ ذرہ میں بھی انہیں صفات
 سے موجود ہے۔ جن صفات کے ساتھ انسان میں ہے۔ اور اس پر ہر
 شے کو قیاس فرمائیں۔ لیکن اب الجھن یہ پڑ گئی کہ باوجود مندرجہ بالا ہونے
 کے اشیاء میں تفاوت کی کیا وجہ ہے۔ جب ایک درخت میں بھی انہیں
 صفات سے جلوہ گر ہے اور ایک انسان میں بھی ویسے ہی کار فرما ہے تو
 پھر درخت اور انسان دو علیحدہ علیحدہ کیوں۔ توفیق باری تعالیٰ سے
 اس مسئلہ کا حل یوں ہوا۔ کہ ذات اپنی صفات کو متشکل اور متخلق اور
 ان میں اعمال و افعال کو متزیّن کرنے کے لئے اپنے ارادہ کو کام میں لاتی
 ہے۔ میں نے کبھی کسی تفسیر میں پڑھا تھا کہ سارے قرآن پر ایک آیت

فعال لہا یرید ، حاوی ہے یہاں تک کہ ارادہ الہی امر الہی پر بھی غالب ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کرو اور ارادہ یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے حکم ہوتا ہے۔ دانہ نہ کھاؤ۔ ارادہ یہ ہے کہ کھالے۔ حکم ہوتا ہے میرے راہ میں بیٹا قربان کرو۔ ارادہ یہ ہے کہ چھری ایک بال تک بھی نہ کاٹے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ارادہ ہر شے پر غالب ہے کوئی شے ارادہ پر غالب نہیں زیادہ آسان کرنے کے لئے ایک نقاش کی مثال لیں۔ نقاش اپنی صفت نقاشی کو اپنے ارادہ کے ماتحت جو چاہے شکل دے سکتا ہے۔ اگر ارادہ کرے تو کاغذ پر درخت کی تصویر بنا دے۔ اگر چاہے تو کسی جانور کی شکل کھینچ دے یا کوئی منظر پیش کر دے۔ اس کی صفت نقاشی بدستور قائم ہے۔ صرف اس کے ارادے نے اسے مختلف قسم کا لباس پہنا دیا۔ نقاش ازل نے بھی اپنی جامع صفات کو کہیں ایک ذرہ میں چھپا لیا اور کہیں ایک انسان کی شکل دے کر اس میں خیال۔ اعمال اور افعال کا ظہور فرما کر اسے اشرف کر دیا۔ وگرنہ۔ لہ ما فی السموات وما فی الارض وما بینہما وما تحت الثری، کے تحت سب میں صفات کا ہونا برابر۔ اس لفظ ارادہ کا محل صفات سے اوپر ہوا۔ اور ذات کے تحت۔ عالم مثال بھی اسی ارادہ کے ماتحت ٹھہرا۔ اب اس تفاوت کو فہم نشین کرنے کے بعد نفس مضمون کے سمجھنے میں قدرے آسانی ہوگی وباللہ التوفیق۔

جب ارادہ الہی کی زد میں تخلیق کائنات آئی تو اس اجتماع ضدین نے کسی ایک شے کو طاسری شکل میں بھی کسی دوسری شے سے نہ ملنے دیا۔ بلکہ یفعل ما یشاء، یخلق ما یشاء، یصور کم فی الاحرام کیفیت یشاء، نے بتا دیا کہ یشاء (ارادہ) کی کار فرمائی نے ہم جنس کو بھی مختلف پیراہن بخشا اور عقل کو محروم راز رکھا اختصار کے پیش نظر

چونکہ اس کتابچہ میں صرف نوع انسان کی ہی بحث مد نظر رکھی گئی ہے۔
 ہر انسان احسن التقولم کا پیکر ہے۔ اپنے اندر جو بہر اصلی رکھنے کے
 باوجود اس جوہر سے غافل ہے یہ سادہ و پیرکار۔ بے خود و ہیشیار۔ اختیار
 و جبر کا پتلا ایک ایسے بے بس میدان میں چھوڑا گیا ہے۔ جہاں اُسے جا بجا
 خود مختاری کے سنگ میل اور مرحلے نظر آتے ہیں۔ جن کے بل بوتے پر یہ
 کائنات کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی زندگی کا سانس لیتا ہے۔ اسے خود
 اس کے بھید سے محروم رکھا گیا اور باقی سب کچھ دیا گیا۔ درخت کی قدر
 اس کے پتلوں۔ پھلوں۔ پھولوں سے ہوا کرتی ہے۔ جو درخت ان سے
 خالی ہو۔ اُسے کاٹ دیا جاتا ہے۔ اس طرح اس ارض کی زینت بھی
 حضرت انسان سے رکھی گئی ہے اس پر باقی تخلیق کو اس ہستی کے لئے
 وقف کیا گیا ہے۔ خلقکم مافی الارض جمیعاً

وضاحت کے لئے تھوڑے سے غور کی ضرورت ہے۔ دنیا میں
 ہر شے کی کمی یا عدم وجود انسان محسوس کرتا ہے لیکن اس انسان کی کمی
 یا اس کا عدم دنیا کی کسی شے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ پانی نہ ہو انسان
 کے لئے مصیبت ہے۔ اگر انسان نہ ہو تو پانی کی روانی میں کچھ فرق نہیں
 آتا۔ آگ نہ ہو آدمی کے ہزاروں کاروبار رک جاتیں۔ لیکن آدمی نہ ہو
 آگ کی تیش میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وعلیٰ ہذا القیاس یہی ایک نکتہ ثابت
 کر دیتا ہے کہ انسان ان اشیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ کسی اور
 کے لئے بھیجا گیا ہے۔ عام انسان۔ مومنین۔ اور انبیاء علیہ السلام اس
 زمین کے بالترتیب۔ پتے۔ پھول اور پھل ہیں۔ عامتہ الناس سوائے
 جوہر عقل (شرعی) کے باقی تمام صفات سے نوازے گئے ہیں۔ زمین
 کی نہ تک ان کو رسائی دی گئی ہے آسمان کی فضا میں ان کو قابو بخشنا گیا
 یہ گروہ انسان سب کا بنا لیکن اپنا زمین سکا۔ اخباری و فاتر کے ایک

کمرے میں بیٹھا رمضان المبارک کے دنوں میں سگریٹ منہ میں لئے ہوئے
 اور چائے کی پیالی سامنے رکھے ہوئے روزہ کے فلسفہ پر قہقہہ اڑا رہے
 یہ ایک مسجد کے منبر پر کھڑا ہزاروں کی تعداد کو سامنے رکھے ہوئے اپنے
 مواعظِ حسنہ سے انہیں سرشار کر رہا ہے۔ لیکن اپنے میں اپنی بات کا عشر
 عشر بھی نہیں رکھتا یہ عامتہ الناس کا لیڈر بن کر انہیں توپوں تک سے
 لڑنے پر ابھارتا ہے۔ لیکن خود ایک معمولی سی آہٹ کی تاب نہ لا کر اپنی
 ہی نشست گاہ کے نیچے دبنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ درویشانہ لباس
 زیب تن کئے ہوئے درویشی کی بو تک بھی نہ سونگھ سکا۔ اس گروہ کا ظاہر
 اس کے باطن کے خلاف اور ان کا باطن ان کے ظاہر کے برعکس پایا۔ یہ گروہ
 ما تقولون ما لا تفعلون، کا مصداق بنایا۔

ایک ادنیٰ گداگر سے لیکر ایک بادشاہ تک اس گروہ میں ہزاروں
 درجات آتے ہیں۔ اپنے ظاہری منصب کے ہوتے ہوئے باطنی طور پر
 منصبِ ضد کا بھی دعویدار ہے اور اپنے میں یہ اجتماع ہر آن جاری و
 ساری رکھتا ہے۔ فقیر بادشاہ ہونے کا دعوے اپنے اندر نہیں کئے
 ہوئے ہے اور بادشاہ قوم کا خادم ہونا اپنے لئے فخر سمجھتا ہے۔ یہ
 عام انسان صرف اوجاگر صفات کی بنا پر منسوب و موصوف کئے جاتے
 ہیں اور ان کا یہ منصب محض دنیوی اور سفلی تعلقات پر قرار رکھنے
 کیلئے ہوتا ہے۔ نہ کہ شرعی اور حقیقی لحاظ سے ان کی ہر ظاہر خصلت دنیا
 میں اپنے اندر اجر کی مستحق ہے اور بدلہ لینے کا ہی تقاضہ کرتی ہے اور اجر
 لے کر ہی رہتی ہے۔ لیکن یہی خصلت اس انسان کے مالِ بخیر ہونے یا نہ
 ہونے کا فتویٰ نہیں دے سکتی۔ بہر حال دنیوی نظام میں عامتہ الناس
 کی حیثیت بڑی نمایاں ہے۔ دنیا کے کارخانے کا ہر شعبہ اس گروہ کا ممنون
 ہے۔ دنیا کا وجود اسی گروہ سے ہے۔ یہی اس کو برقرار رکھنے والے ہیں۔

اور انہی کی وجہ سے تو دنیا ادنیٰ کا مونت، ٹھہری ہے۔ اور اللہ عزوجل نے ایک نظر بھر کر بھی اس کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ یہ گروہ اپنے اندر مجموعی طور پر بھی اور فرداً فرداً بھی اجتماعِ ضدین کا حامل ہے۔ اپنے اندر اچھائی۔ بُرائی دونوں رکھتا ہے۔ یہ ضدین خفی و جلی طور پر پھلک مارتی رہتی ہیں اور ان کی ایک دوسرے پر کار فرمائی سے ہی مختلف شعبوں کی تعبیر ہوتی ہے۔

عام انسانوں کی دنیا قباحتوں۔ کمزوریوں اور برائیوں کی دنیا ہے۔ جو صفات کے ناموزوں اختلاط کا نتیجہ ہے۔ اصولی طور پر جو صفات ایک ذرہ میں ہیں وہی ایک فرد میں اور جو ایک فرد میں ہیں وہی گروہ یا اجتماع میں کیونکہ ذرہ اور فرد میں اُن کا تجزیہ قدرے محال معلوم ہوتا ہے اس لئے عام فہم کرنے کے لئے گروہ اور اجتماع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

انسانی گروہ بے شمار اقسام کے ہیں گھر کی چار دیواری سے لے کر اطراف کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جو مختلف ناموں سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ کنبہ۔ محلہ۔ قریہ۔ شہر۔ اور ملک ان گروہوں کے نمایاں عنوان ہیں اور باقی تمام تنظیمیں انہیں کے ماتحت ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں صرف ایک تنظیم نو۔ جس کو دفتر (Office) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس ادارہ کے افراد جو کسی ایک محکمہ یا اس کی شاخ کی تنظیم کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اس دفتر کا سٹاف کہلاتے ہیں۔ کارپرواز۔ دفتری منشی۔ بابو۔ کلرک۔ اسسٹنٹ ان کے مختلف نام ہیں۔ یہ صاحب دیکھنے میں خوش پوش صفائی پسند اور باوقار معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن درون پردہ پر لے درجے کے ذلیل اور اپنی ذہنیت کو افسروں کے ہاتھوں بیچے ہوئے ہیں۔ ان کا لباس ان کی رفتار ان کی گفتار۔ حتیٰ کہ ان کا اخلاق ایک دوسرے کی ضد اور کسی معیار پر قائم نہیں رہتا۔ ایسے بھی ہیں جو رات والا سوٹ

(پاجامہ - کرتہ) کا ہی زیب تن کئے ہوئے دفتر میں حاضر ہو جاتے ہیں
 اور ایسے بھی ہیں جو دوپہر کو سکوٹر پر گھر کھانا کھانے جاتے ہیں اور واپسی
 پر ایک دوسرا سوٹ پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی گفتار - سجان اللہ
 جیسے لباس کا کوئی معیار نہیں۔ ایسے ہی گفتار کا کوئی شعار نہیں پنجابی
 اردو - انگریزی تینوں کو ایسا ملاتے ہیں کہ ان کی زبان سے ہی ان کی
 پہچان ہو جاتی ہے۔ خاص کر اردو اور انگریزی کا تو ایسا قوام کرتے ہیں
 کہ دونوں زبانوں کے الفاظوں کی گنتی فیصدی کے حساب سے برابر نکلتی
 ہے۔ ان کی بحثیں دفتر لگنے سے شروع ہو جاتی ہیں۔ موضوعات دفتری
 لائن سے بالکل الگ۔ ملکی انتظام پر بحث چھڑ گئی تو یہ مشیر قانون ہیں۔
 دفاع کا ذکر آیا تو یہ فیلڈ مارشل ہیں کوئی مذہبی مسائل پیش آئے تو امام و مجتہد
 سے کم نظر نہیں آتے۔ اس گروہ سے ہر طرح کی معلومات حاصل ہو سکتی
 ہے۔ ان کا اخلاق اور طرز عمل بھی کچھ ایسا بلا جلا ہے کہ جس نظریہ سے دیکھا
 جائے وہی پایا جاتا ہے۔ مذاق و شغل کے طور پر ہر نازیبا حرکت اور ہر
 بدکلامی کو اپنا معمول سمجھتے ہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ بعض انہی گروہ
 سے مست مئے پندارہ بھی ہیں اور اپنے آپ کو زیادہ تر نیکی اور شائستگی کے
 دائرہ میں ہی رکھتے ہیں برائی والے نیکی سے خالی نہیں اور نیکی کو کار برائی سے
 مبرا نہیں۔ بالادست سے کوئی بھاڑ پٹے تو زیر دست پر غصہ
 نکال لیتے ہیں آپس میں دوستی کا دم بھرتے ہیں لیکن ایک دوسرے کے
 خلاف مکروہ سازشیں اور کمینہ حرکات سے بھی باز نہیں رہتے جب
 بھی موقع ملے اپنا داؤ چلانے سے نہیں رکتے اور غرور و درگزر سے دور رہتے
 ہیں۔ اپنے ساتھی کلرک کو نیچا دکھانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ باوی
 انظر میں کسی قسم کی الائنس سے پاک معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے سامنے
 اگر سگرت - چائے یا تھوڑی سی مٹھائی پیش کی جائے تو بلا تامل سنبھال

کمر لیتے ہیں۔ اور ان چیزوں کو رشوت یا یافت کا درجہ نہیں دیتے۔ ہر شعبہ کے انتظام کے دعویدار ہیں لیکن بے بسی کا یہ عالم کہ کسی دعوے کے فیصلے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ یہ ان شیروں کی طرح ہیں جو کسی تخت کو اٹھاتے ہوئے تصویروں میں دکھائے جاتے ہیں صرف دفتر کے اوقات میں ہی ان کے معمولات کو اگر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو دامن اختصار ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ یہ صاحب کیا ہیں اور کیا نہیں۔ اسی ایک نظر یہ کے ماتحت اجتماع ضدین کے مصداق ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس کائنات کے باقی تمام شعبے۔ دفتر کا ادارہ اس لئے مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے تاکہ قارئین خود کو اپنے ماحول میں رکھ کر بخوبی اندازہ لگا سکیں عامتہ الناس میں یہ ناموزوں اور نامناسب اختلاط صفات چونکہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس گروہ کو ادا نے درجہ دیا گیا ہے۔

اس عام انسانوں والے گروہ کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل نے ایک ایسے گروہ کو بھی شامل رکھا ہے جو مومنین۔ کاملین کا تو درجہ نہیں رکھتے لیکن ان کی طرف راجح ہونے کے سبب عامتہ الناس سے فائز ہیں عامتہ الناس سے ان کی تمیز ان کے اخلاق و عادات سے ہو جاتی ہے۔ یہ صفات کے نامناسب اختلاط اور استعمال سے بچے ہوئے ہیں اور ان میں مناسبت کا ظہور نمایاں ہوتا ہے۔ یہ جماعت اچھی صفات سے موسوم کی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ نیک کہلاتے ہیں لیکن برائی سے خالی نہیں ہوتے۔ عامتہ الناس کی طرح یہ بھی دنیا کے ہر شعبہ میں پائے جاتے ہیں لیکن جس کسی ماحول میں بھی ہیں اپنے آپ کو اس سے علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں یہ گروہ کوشاں ہے کہ ان میں صفات کا توازن اور تناسب قائم رہے اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہیں۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ ان میں برائی کا ظہور ہو تو یہ پہلے گروہ سے کہیں زیادہ بدنام اور سزا

ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی برائی عامتہ الناس کو دامن تیزویر میں بہ نسبت ان
 کے اپنے گروہ کے جلد ہی پھنسا لیتی ہے۔ اگر ایک بار لیش منتشر انسان
 دو پولیس افسروں کے درمیان ہتھکڑی پہننے ایک بازار سے گزارا جائے
 تو تقریباً تمام اہل بازار کی آنکھیں اس ملزم پر جمے گئیں۔ برخلاف اس
 کے اگر چند در چند لیش صفا مندرجہ بالا سلوک سے گذر رہے ہوں۔ تو
 اتنے جاذب نگاہ نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اول الذکر
 لباس تقویٰ سے مزین تھا اور ظہور صفت کا دعویٰ در جب کہ آخر الذکر
 پہلے ہی سے آمیزش و ملاوٹ صفت سے ملوث تھے۔ اور عامتہ الناس
 کے گروہ میں ہونے کی وجہ اس پاداش کے سزاوار تھے جو ان کو دی گئی۔
 بعض نام نہاد مولوی۔ مجتہد۔ فقیہ۔ بزرگ۔ درویش۔ پیر۔ علم صوفی
 اس گروہ کی پیداوار ہیں۔ یہ گروہ انسان ایک طرف جتنی تیزی سے بعضوں
 کو صفات کی مناسبت کا درس دیتا ہے۔ اس گروہ کی اس بے اعتدالی
 صفات بہتوں کو اسفل السافلین، تک پنا دیتی ہے۔ اور اسی
 وجہ سے عامتہ الناس ان سے عقیدت کی بجائے نفرت اختیار کرتے
 ہیں۔ راقم الحروف کا روئے سخن مندرجہ بالا گروہوں کی تشریح سے کسی
 ایک پیر نہ کوئی الزام لگانا ہے اور نہ ہی ان کی کوئی تعریف مقصود ہے۔
 بتانا صرف یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی لاتعداد و لامحدود صفات جو کہ ہر پہلو
 اور ہر لحاظ سے ستودہ ہیں اور اپنی اپنی جگہ بغیر کسی نقص و عیب کے
 اکاں کہا کات، کی مصداق ہیں۔ کیسے اختلاط اور بے محل استعمال
 کے باعث ایسے نتائج پیدا کرتی ہیں۔ کہ فہم و ادراک کی کسوٹی ان کو کسی
 خاص اصول کے ماتحت مقید نہیں کر سکتی بڑے بڑے حکمانے خیر و شر۔
 نیکی و بدی کے نظریات باندھے۔ لیکن بہت کچھ کہہ چکے اور لکھ دینے کے
 بعد ماہچنین در اول صفت تو مانڈ ایم۔ کا سہارا ہی کلم آیا۔ وجہ یہی کہ عقل نارسا

صفات کی تیزیوں سے مقابلہ نہ کر سکی۔ عقل نے جسے منزل سمجھا۔ وہ رہگذر نکلا۔ اور جسے راستہ جانا وہ ابتدا بھی نہ تھی۔

مُؤْمِنِينَ كَامِلِينَ

یہ گروہ انسان (اللہ ان کی پاک زندگیوں کے طفیل ہمیں بھی نجات بختے آئین) صفات الہیہ کے مجلا شیشے اور اجتناب ضدین کی پوری پوری تصاویر ہیں۔ یہ جماعت بھی کئی ایک ناموں سے موسوم ہوتی ہے۔ انبیاء علیہ السلام رسل عظام۔ اولیاء کرام۔ صاحب امر۔ اولی الامر سب اس جماعت سے وابستہ ہیں ان کا وجود خال خال ہوتا ہے۔ اور ان کی پہچان نہایت دقیق ہوتی ہے۔ فانی صفات ہونے کی وجہ سے ان کا طرز عمل کسی فتوے کا محتاج نہیں رہتا۔ ان کا اپنا اختیار سلب ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ رضا کی وادھی کے مکین ہوتے ہیں۔ اور نامناسب اور غیر موزوں صفاتی آئینہ نشوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ظاہری اور باطنی طور پر یہ ہستیاں مرتبہ۔ ہدیٰ پر متمکن ہوتی ہیں۔ لیکن عامتہ الناس کو اپنے سر نہیں آنے دیتیں۔ جمالی اور جلالی صفات الہیہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لباس پہنا کر کائنات کے سامنے کچھ اس انداز سے پیش کرتے ہیں۔ کہ ماسوائے ان کے تصرف میں ہوتا ہے۔ ان کی بقایاں فنا اور فنا میں بقا پوشیدہ ہے حیات و ممات ان کے لئے یکساں ہے۔ ان کا وجود نہ نیکی کا دعویٰ ہوتا ہے اور نہ برائی کا مدعی۔ یہ ایک ایسی جامع کتاب ہوتے ہیں کہ ہر مطالعہ کنیوالا اپنی ہی نمایاں صفات کا عکس ان میں پاتا ہے۔ عامتہ الناس خیال کرتے ہیں۔ کہ یہ ہم جیسے ہیں اور خاصتہ الناس انہیں اپنا حادی خیال کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ دونوں گروہ ان کی ذات میں اپنا آپ دیکھتے ہیں۔ کسی

چیز کا امر کرنا اور کسی چیز سے منع کرنا ہی ان میں صفات الہیہ کا تضاد ثابت
 کرتا ہے۔ منظر عوین الہی ہونے کے سبب سے اپنی ہستی کو کوئی نمایاں نام
 نہیں دیتے۔ جہالی صفات کو رحم کا لبادہ اوڑھا کر مستحقین کو پہناتے ہیں۔ اور
 جلالی صفات کو غضب کی چادر سے ڈھانپ کر ملوث گروہ کو نیست و نابود
 کرتے ہیں۔ رحما بینہم اشداء علی الکفار بیک وقت ہیں۔ عدم
 و وجود اور قرب و بعد ان کے لئے مساوی ہوتا ہے۔ یہ بیک وقت کئی جگہ
 ہو سکتے ہیں۔ اور اگر چاہیں تو سامنے بیٹھے بھی نظر نہ آئیں۔ اور حجاب بن
 کر رہ جاتیں۔ یہ سوتے میں جاگتے ہیں اور جاگتے میں سوتے ہیں نیکوں کی نیکی
 ان کی برائی اور ان کی لغزشیں عامتہ الناس کی نیکیاں بن جاتی ہیں۔ جیسے
 ظاہری حیات طیبہ میں اپنے مخالف و موافق گروہ رکھتے ہیں ویسے ہی
 بعد ممات بھی اپنے موافقوں اور مخالفوں سے وابستہ ہیں۔ کیونکہ موت
 ان کی فقط آئی ہوتی ہے۔ جو ان کی زندگی جاودان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اور
 ان کی زندگی اوقات روز و شب کے شمار سے بالاتر ہوتی ہے۔ ان روشن
 میناروں کی روشنی کبھی ایک جماعت کے لئے کبھی ایک شہر کے لئے اور کبھی
 ایک ملک کے لئے آئی۔ روشنی میں آنے والے بعض انسانوں نے اس روشنی
 میں اپنے آپ کو دیکھا۔ یشار الہی کی برکت سے احساس پیدا ہوا۔ صفات
 میسر ہو گئیں۔ اور تخلیق کا منشا پا گئے۔ نہیں میناروں نے جب اپنے ماحول
 کو روشن کیا تو بعض انسان جو ذہب اللہ بنو ہم کے زمرہ
 میں سے تھے۔ باوجود اس روشنی کے اپنے آپ کو ظلمت میں ہی پانے لگے۔
 اور اس اندھریوں میں ہی چھوڑے گئے۔ جو قسام ازل نے ان کے حصہ
 میں مقدر کی تھیں۔ یہ رضا کے بندے کسی شے کے وجود سے خوش نہیں
 ہوتے اور نہ ہی کسی شے کے عدم وجود سے ناخوشی کا اظہار کرتے ہیں بڑھلا
 نیکو کاروں کے جو مقامات ہیں۔ مفید اور کھوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور

جن کا ذکر و شکر کسی مقام کی قید کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن یہ گروہ کا ملین
 قُلْ لِلّٰهِ قَدْرُهُمْ طے کے بے پایاں سمندر میں تیرتے ہیں۔ چونکہ خود میں
 صفات نامہ رکھتے ہیں۔ اور صفات کا تقاضا ہے۔ کہ اپنی ضد کی ماہیت
 اور حقیقت کو آشکار کر دے جیسے آئینہ کی لطافت کا تقاضا ہے کہ سامنے
 والی کثافت کو اپنے میں عکس کر کے پیش کرے۔ اسی باعث جو جو جوہر
 کسی انسان میں موجود ہوتے ہیں۔ ان کا ملین کی ہستیاں ان کو ان کے
 سامنے عکس کر دیتی ہیں۔ اور وہ ان سے بہرہ مند ہونے شروع ہو
 جاتے ہیں۔ بادی النظر میں عام انسان اس تبدیلی کے پیش نظر ان
 کا ملین کو رہنما و مرشد یا اس جیسے اور نام دے دیتے ہیں۔ یہ انسان کامل
 میں صفات الہیہ کے ظہور کا ہی کرشمہ تھا۔ کہ چوری و قطبیت۔ بظاہر
 ضدین تھیں اور ایک کا دوسرے میں منتقل ہونا بھی بظاہر محال نظر آتا تھا۔
 لیکن دونوں کا جوہر اصلی ایک ہونے کی وجہ سے صفات کے پرتونے اس
 جوہر کو چور پر عیاں کر دیا اور وہ قطبیت کے درجے پر فائز ہو گیا۔ اس
 واقعہ نے اس بات کی بھی تصدیق کر دی کہ انسان کامل کسی مقام یا مرتبے
 کا مقید نہیں۔ وہ ولانت و قطبیت سے کہیں بالا ہوتے ہیں بلکہ بالا و
 اعلا وغیرہ نام بھی ان کو نہیں دے جاتے۔

ان صفات الہیہ کا پرتو کچھ اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے اور یہ
 حقیقت کچھ ایسے بھی مشاہدہ ہو سکتی ہے۔ کہ ایک عامی انسان جب کسی
 انسان کامل کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ تو شروع شروع میں جب وہ
 اپنی ہی ملوث صفات کو مومنین کامل کے آئینہ میں دیکھتا ہے تو مغالطہ
 کی بنا پر اسے بھی ان ملوث صفات کا حامل سمجھتا ہے۔ جو اصل میں اس
 کی اپنی ہوتی ہیں لیکن صحبت کا اثر اور بے پناہ صفات کے ناوک جب ان
 ملوث صفات کو چھیدتے ہیں اور ان کا تجزیہ کرتے ہیں تو خود اس عام

انسان کو اپنے میں أَحْسَبَ تَقْوِيمَ ط کے جوہر نمودار ہونے لگتے ہیں۔ صفاتِ حقہ کا ملوث صفات پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ اہل لوٹ کی جگہ سنبھال لیتا ہے۔ طوافِ بتاں۔ طوافِ کعبہ میں اطمینان پاتا ہے۔ اور غیض و غضب اور فساد فی الارض جہاد کے نشے میں سرشار ہوتا ہے۔ پورٹی غنائم میں بدل دی جاتی ہے اور ضد و ہٹ دھرمی عقیدت کا رنگ پکڑتی ہے تکبر و ادنیٰ خودی میں پناہ گزیر ہوتا ہے۔

انسانِ کامل علیٰ جویری رحمۃ اللہ علیہ المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں چند متقدمین اور اپنے ہمصر مومنین کا ذکر کرنے وقت پہلے ان کو چند اوصاف سے موصوف کرتے ہیں۔ اس کتاب میں چونکہ صفات کی بھی بحث ہے اس لئے مجموعی طور پر ان تمام صفات کو جو داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ان کاملین میں پائی ہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ جس حد تک ہو سکے ان کی ذہنی نشینی بھی بیاں میں مدد ہو۔ اور کتاب مطالعہ کرنے والوں کے لئے زیادہ دشوار نہ بنے۔

- ۱۔ مبدار ارباب مشاہدہ ۲۔ حجت ارباب مجاہدہ ۳۔ مخزن حیا ۴۔ اعبداہل صفا ۵۔ متعلق درگاہِ رضا ۶۔ متجلی امربطریق مصطفیٰ ۷۔ نمبر معرفت ۸۔ مزین صفوت ۹۔ منور خصلت ۱۰۔ آفتاب امت ۱۱۔ شمع دین و ملت ۱۲۔ رئیس العلماء ۱۳۔ فقہ الفقہار ۱۴۔ ہر دل عزیز ۱۵۔ خوب سیرت ۱۶۔ شجاع طریقت ۱۷۔ متمکن در شریعت ۱۸۔ نقیب اہل حجرت ۱۹۔ زینب جن دانس ۲۰۔ فقیر کبیر ۲۱۔ سب دلیوں کے امیر ۲۲۔ پیر صالح ۲۳۔ داعی اہل مجاہدہ ۲۴۔ قائم اندر مشاہدہ ۲۵۔ غز علیا ۲۶۔ واصلیں حق کے سردار ۲۷۔ مقربین بارگاہ کے بادشاہ ۲۸۔ سفینہ تخلیق و کرامت ۲۹۔ حمصام شرف اندر ولایت

- ۳۰۔ امیر الامرا۔ ۳۱۔ سالک طریق نقا۔ ۳۲۔ سرپر آرائے معرفت
 ۳۳۔ تاج اہل معاہلت۔ ۳۴۔ معرفت و محبت کے آسمان
 ۳۵۔ امام فنون۔ ۳۶۔ جاسوس طنون۔ ۳۷۔ لوگوں سے کنارہ کش
 ۳۸۔ حصول جاہ و مرتبت سے مستغنی۔ ۳۹۔ منقطع از جملہ سلاطین
 ۴۰۔ سرفہرست اہل و بلا و بلوی۔ ۴۱۔ مایہ زید و تقویٰ۔ ۴۲۔ راہ حق
 میں یگانہ۔ ۴۳۔ زین عباد۔ ۴۴۔ جمال اوتاد۔ ۴۵۔ جوالمرد و پارسا
 ۴۶۔ شیخ سنت۔ ۴۷۔ قاہر بدعت۔ ۴۸۔ سراج وقت
 ۴۹۔ متحمل آفات۔ ۵۰۔ امام متوکلان۔ ۵۱۔ برگزیدہ اہل زمان
 ۵۲۔ ساکن وطن غیب۔ ۵۳۔ زمان محبت و وفا۔ ۵۴۔ امید حق پر
 ثابت قدم۔ ۵۵۔ زمین و زمان کے نادر۔ ۵۶۔ گرفتار بلا میں سلامت
 ۵۷۔ ملائیکوں کے سرخیل۔ ۵۸۔ شیخ باوقار۔ ۵۹۔ شرف خواطر و بہار
 ۶۰۔ ممدوح اولیاء۔ ۶۱۔ قدوہ اہل رضا۔ ۶۲۔ شیخ المشائخ۔ ۶۳۔ امام
 الائمہ۔ ۶۴۔ بادشاہ اہل تصوف۔ ۶۵۔ بری از آفت تکلف
 ۶۶۔ پیشوائے سلف۔ ۶۷۔ یادگار صالحا۔ ۶۸۔ سہیل بیابان معرفت
 ۶۹۔ قطب محبت۔ ۷۰۔ وحید عصر۔ ۷۱۔ امام دہر۔ ۷۲۔ نادر زمانہ
 ۷۳۔ رفیع المنزلت۔ ۷۴۔ قدوہ اہل معاہلت۔ ۷۵۔ تغیرات زمانہ
 سے محفوظ۔ ۷۶۔ باطن کے نور۔ ۷۷۔ دلوں کے سرور۔ ۷۸۔ مالک
 القلوب۔ ۷۹۔ حاجی العیوب۔ ۸۰۔ مشائخ کرام کے قرآۃ العین
 ۸۱۔ شیخ باخطر۔ ۸۲۔ فانی از صفات بشر۔ ۸۳۔ شرف زیادامت
 ۸۴۔ مرگی اہل فقر و صفوت۔ ۸۵۔ سفینہ توکل و رضا۔ ۸۶۔ سالک
 طریق فنا۔ ۸۷۔ شاہ محققان۔ ۸۸۔ دل مریدان۔ ۸۹۔ شیخ اہل تسلیم
 ۹۰۔ در طریق محبت مستقیم۔ ۹۱۔ داعی مریداں۔ ۹۲۔ شیخ زمانہ
 ۹۳۔ وقت کے یگانہ۔ ۹۴۔ باسط علوم۔ ۹۵۔ واضح رسوم۔ ۹۶۔ شیخ ظرف

- ۹۷ - قدوہ اہل صفا ۹۸ - سرہنگ منوکلان ۹۹ - سرار مقبلان
 ۱۰۰ - محرم سرپرودہ تمکین ۱۰۱ - اساس اہل یقین ۱۰۲ - عالی حال
 ۱۰۳ - لطیف کلام ۱۰۴ - نرمی گفتار سے حکایت کنندہ اولیا
 ۱۰۵ - شیخ محمود ۱۰۶ - معدن جود ۱۰۷ - زمانہ کے مالک ۱۰۸ - خالی از
 تکلف و تصرف ۱۰۹ - سیف سیادت ۱۱۰ - آفات نجابت
 ۱۱۱ - معبر احوال عارفان ۱۱۲ - سالکان طریق حق ۱۱۳ - اسرار کے اسرار
 ۱۱۴ - طراز طریق ولایت ۱۱۵ - جمال جمیع اہل ہدایت ۱۱۶ - بیابان سرمدیاں
 ۱۱۷ - برہان محققان ۱۱۸ - شرف اہل زمانہ ۱۱۹ - در زمانہ خود یگانہ
 ۱۲۰ - عبادت و بیان میں منفرد ۱۲۱ - ملک الملوک صوفیاں ۱۲۲ - زین
 اوتاد ۱۲۳ - شیخ عباد ۱۲۴ - امام وزین اسلام ۱۲۵ - شیخ و امام اوحد
 ۱۲۶ - در طریق خود منفرد ۱۲۷ - قطب زمانہ ۱۲۸ - در وقت یگانہ
 ۱۲۹ - انیس اولیا ۱۳۰ - تاریخ اصفیا ۱۳۱ - مرد نیک سیرت ۱۳۲ - ستودہ
 طریقت ۱۳۳ - شیخ عارف ۱۳۴ - ممد و روح زمانہ ۱۳۵ - خواجہ امام
 ۱۳۶ - مقبول خاص و عام ۱۳۷ - جانشین حرمت و وقار ۱۳۸ - قدوہ
 منزلت میں رفیع -

مندرجہ بالا صفات کو بار بار پڑھنے اور بغور مطالعہ کرنے سے واضح
 ہوتا ہے کہ یہ کاملین مقامات شریعت و طریقت - صفوت - رضا - تسلیم
 کرامت - تصوف - ولایت - معاملات - معرفت - محبت - زید تقویٰ
 بلا و بلوی - ہدایت و شرف - غیر صہا جو اوپر درج ہوئے ہیں - ان میں
 سے کسی ایک پر متمکن نہیں بلکہ یہ مومنین کاملین ان مقامات کے بادشاہ
 امام - نادر - قدوہ - شیخ - مزکی - سفینہ - مایہ - سراج - قرۃ العین
 سردار - وغیر صہا جیسے کہ اوپر سے ظاہر ہے ہوتے ہیں - یہ منصب گر
 ہوئے ہیں اور ان کا اپنا منصب کوئی نہیں ہوتا - منصب ان پر نازاں

ہوتا ہے۔ اور یہ منصب سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ چونکہ صفات الہیہ اپنے میں کوئی نام و مقام نہیں رکھتیں۔ اسی طرح یہ کاملین منظر صفات کے سبب اپنے میں کوئی نام و مقام نہیں رکھتے۔ ان میں صفات کی تبادری عقل و خرد اور قلب و نظر کو کچھ اس طرح سے شکار گھر لیتی ہے۔ جس کا بیان میں احاطہ کرنا محال ہے۔ یہ کاملین کبھی کبھی اپنی گفتار سے اور کبھی کبھی اپنے اعمال سے عامتہ الناس پر اس کیفیت کا انکشاف بھی کر دیتے ہیں۔ دانا گنج بخش صاحب اس کتاب کشف المحجوب میں ایک کامل کا ذکر کرتے فرماتے ہیں کہ وہ اپنے ایک مرید کے ساتھ بازار سے گزر رہا تھا کہ اہل بازار میں سے چند لوگوں نے اُن کو دیکھ کر انہیں گالیاں نکالنی شروع کر دیں۔ یہ کامل بزرگ خاموش و تحمل سے گالیاں سنتے رہے لیکن عقیدت مند مرید جو ساتھ تھا غصہ میں بھر آیا۔ اور اُن اہل بازار سے انتقام پر ٹل گیا۔ پیر کامل نے اسے منع فرمایا اور اپنے حجرہ میں لے گئے۔ اور ایک ضد و قبح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کھولنے کے لئے کہا۔ اس ضد و قبح میں مختلف اطراف و جوانب سے اس بزرگ کے نام مراسلات پڑے پائے جو کہ بڑے بڑے القابات سے شروع ہوتے تھے۔ مرید کی توجہ ان القابات کی طرف کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ دیکھ نہ تو میں یہ ہوں جو تم ان تخریروں میں پائے ہو اور نہ ہی میں وہ ہوں جو تم نے اہل بازار کی زبان سے سنا۔ ہم تکلف و تصرف سے خالی ہوتے ہیں اور نام و مقام کی الجھنوں سے زاد رہے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے حال میں ایک مشہور روایت ہے کہ ایک دفعہ ان کا جہاز مال سے لدا ہوا سمندر کے کنارے تک پہنچنے سے پہلے غرق ہو گیا کسی نے آکر یہ خبر اُن کو سنائی جو اب میں فرمایا انجید اللہ۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا شخص اس جہاز کے سلامت کنارے لگنے کی خبر لے کر آیا اور کہا کہ حضرت جہاز سمندر کی لہر کی مدد سے ڈوبا ہوا سلامت

کنارے لگ گیا ہے اور باداموں کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ آپ نے اس کے جواب میں بھی فرمایا۔ الحمد للہ۔ واقعات دو نو ایک دوسرے کی ضد تھے لیکن جواب مساوی سے لازماً سننے والوں کو استفسار کرنا پڑا کہ قبلہ دو نو کا جواب ایک ہی کیسے ہوا تو فرمایا کہ عرق کی خبر سے جو دل پر نگاہ کی تو اسے مطمئن اور رجوع علی اللہ پایا۔ تو الحمد للہ کہا۔ اور حسب سلاستی کی خبر سنی تو پھر دل کی طرف نگاہ کی کہ کہیں خوشی میں یا د سے غافل تو نہیں ہو گیا۔ لیکن جب اسے اپنی پہلی حالت پر ہی رجوع دیکھا تو کہا الحمد للہ۔ چونکہ خود حامل ضدیں ہوتے ہیں اس لئے وقوع ضدین ان پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ خارق عادت افعال یا جس کو عام طور پر کرامت کے لفظ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان مومنین کا ملین کی زندگیوں کا نمایاں پہلو ہوتا ہے۔ ان کی نشئت و برخواست۔ ان کے افعال و کردار۔ انکی گفتار ان کا سوتا جاگنا سب کرامات ہوتی ہیں۔ باوجود اسکے یہ ہستیاں ان کرامات کے ظہور سے گریز کرتی ہیں تاکہ نظام کائنات میں خلل نہ آئے۔ اجتماع ضدین ہونے کے سبب جب ان سے کوئی فعل سرزد ہوتا ہے تو عقل عام جس کے تحت یہ اجتماع محال ہے اس فعل کی تفہیم سے عاجز و قاصر رہ جاتی ہے اور اسے ناچار کرامت یا اعجاز کا نام دے کر اپنی تسلی کر لیتی ہے۔ تیر حستہ کو نشان تک پہنچنے سے بیشتر ہی لوٹا دینا۔ غضب والی صفت کو بروئے کار لاتے ہوئے پانی میں آگ لگا کر اسے خشک کر دینا اور صفات رحیمہ کو خوشی میں لا کر حرارت کو برودت میں تبدیل کر دینا۔ پانی پر چلنا۔ ہوا میں اڑنا تحت الشری میں مدفون خزانوں کا پتہ کر لینا۔ نفس نفیس کو زہریر سے گذر کر عجائبات شمس و قمر کا مشاہدہ کرنا۔ علی ہذا القیاس جس شے کو بھی کرامت کا نام دیا جاسکے یہ سب ان میں صفات کے ظہور کا ہی کرشمہ ہے۔ اور انہیں صفات

کے طفیل ان کو ہر ممکن پر قدرت ہوتی ہے۔ باوجودیکہ ان کو صفات کے اثرات سے آگاہی ہوتی ہے اور ہر ایک صفت کے لاتعداد نتائج سے واقف ہوتے ہیں جہاں تک کہ بارش کے قطرات گتے پر بھی قادر ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ان کو بروئے کار نہیں لاتے اور جاننے کے باوجود ان کا اعلان نہیں کرتے۔ چونکہ ان کے سامنے مقصد حیات محض معرفت الہی ہوتا ہے اور کرامات وغیرہ صرف چراغِ راہ ہیں اور منزل کی نشانی کرنے میں کسی حد تک ساتھ بھی دیتی ہیں اس لئے ان کا اعلان ان کے اپنے لئے معرفت میں متعلق نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات ان کے لئے سخت مضر ثابت ہوتا ہے۔

ان کا ملین کا اپنا اختیار جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مسلوب ہوتا ہے۔ اسی لئے کشف و کرامات کو اختیار کے ماتحت لانا درست نہیں۔ زیادہ وضاحت کے پیش نظریوں سمجھ لینا چاہیے کہ کسی کرامت کا ظہور کسی علت کے بغیر نہیں ہوتا اور علت شے سے ہی متعلق ہوتی ہے۔ اور ہر شے میں صفات الہی نہیں ہیں۔ ذرہ سے لے کر بڑی سے بڑی جسمات والی سے صفات کے لحاظ سے مساوی ہوتی ہیں۔ اس کی دلیل کو پھر ذہن نشین کر لیں۔ کوئی شے یا جگہ ذات سے خالی نہیں، ذات اپنی صفات سے علیحدہ نہیں اس لئے ایک صفت دوسری سے جدا نہیں جہاں ایک صفت نظر آتی ہے وہاں تمام صفات پوشیدہ ہیں جو ذات سے علیحدہ نہیں اور نہ عین ذات ہیں۔ پس اس نظریہ کے ماتحت مٹی کی ڈلیا کا سونے کی ڈلیا میں منتقل ہونا اثر صفات الہی کے سامنے کچھ مشکل نہ ہوا۔ اصل۔ جنس۔ مواد۔ وجود۔ شکل۔ مشابہت میں سے کسی ذرہ بھر حصہ کا ہونا لازمی ہے۔ اس کی ماہیت کا بدلنا صفات کا کمال ہے۔ عدم وجود سے کسی کرامت کا وجود کو ذاتی طور پر ممکن ہو لیکن

صفاتی طور پر محال ہے۔ غیر مرعی صفات غیر مرعی صفات میں ہی تبدیل ہو سکتی ہیں جیسے رنج و غم کا خوشی میں۔ وغیرہ۔ یہ ذات تک ہی محدود ہے کہ جب کچھ نہ تھا اور وہ تھا تو عدم کو وجود بخشا۔ صفات میں یہ شے نہیں پائی جاتی کہ عدم سے وجود پیدا کرے۔ پہاڑ سے اونٹنی کا نکلنا۔ عصا کا اثر وہاں جانا ایک ابریک (لوٹے) میں قلیل مقدار پانی سے نہریں جاری کر دینا یہ سب معجزات علت کے مقتضی ہیں و علی ہذا القیاس۔ صفات کی موجودگی لازمی طور پر ضدیں کی موجودگی ہوتی۔ ایک کا پنہاں ہونا دوسرے کا آشکار ہونا ہے۔ اور دوسرے کا آشکار ہونا اس کی ضد کا پنہاں ہونا ہے۔ تقابل کی صفات نے جو رنگ پکڑا ہوا ہے۔ لازماً مقابل شے وہی رنگ اختیار کر لے گی چاہے وہ مٹی سے سونا ہو یا سونے سے مٹی۔ مومنین کا ملین ان چیزوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے وہ صفات کے ہر رنگ میں دورہ کرتے رہتے ہیں اور بیک وقت۔ انہیں صفات کے نمایاں طور پر ان کو کبھی کبھی ان کے ہم پلہ کا ملین ذات کا لفظ بھی دے دیتے ہیں

اولیا اللہ و اللہ اولیا

بینچ فرقے درمیان نبود روا

جس سے عامۃ الناس اپنی تفہیم نارسا کے پیش نظر مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں اور اٹلے پلٹے فتوے لگانے شروع کر دیتے ہیں۔

امام ابن جوزی کے زمانہ میں فضیلت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بحث نے پورا زور پکڑا مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو افضل کہتا تھا۔ دوسرا گروہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افضلیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ بظاہر ان متضاد نظریات کا منطبق ہونا محال معلوم ہوتا تھا اور نوبت بھی یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ دونوں گروہ اس کا فیصلہ تلوار سے ہی کریں۔ چنانچہ خلیفہ وقت نے ایک مجمع عام

جو دو گروہوں پر مشتمل تھا۔ طلب فرمایا۔ اور مناظرانہ رنگ دے کر اس گٹھی
 کو سلجھانا چاہا۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو اس زمانہ میں کالمین میں سے تھے
 اور خود ضدی صفات کے حامل تھے اس جلسہ میں کھڑے ہو کر ایک فقرہ میں
 گروہ ضدیوں کو ایک دوسرے کے گلے ملا دیا اور اس بے معنی بحث کو اپنے وقت
 میں ہمیشہ کے لئے منقطع کر گئے۔ فرمانے لگے صحابہ کرام میں سے افضل وہ ہے۔
 ”الذی بنتہ من بیتہ۔ جس کی بیٹی جس کے گھر میں“ دونوں
 گروہوں نے ان الفاظ کے معنی اپنی اپنی صفات کے مطابق پائے۔ ضدیوں کا
 علاج ضد سے ہو گیا۔ مشاہدہ اس کا بھی گواہ ہے کہ یہ خارق عادت۔ ارحاص
 اعجاز۔ کرامت کے نام لیتی ہوئی جب کسی غیر مومن سے سرزد ہوتی ہے تو
 صرف اپنا نام ہی تبدیل کرتی ہے۔ حقیقت اور اصلیت میں کوئی فرق نہیں
 آتا استدراج نام پانے کی وجہ سے گو اس کے استعمال اور عمل پر مختلف قسم کے
 فتوے لگ سکتے ہیں لیکن اس کے واقع ہونے میں کسی قسم کی شک کا گنجائش
 نہیں۔ پانی کا دو دو صوبن جانا یا شراب کا شہد میں بدل دینا اگر ایک مومن
 کامل سے وقوع پذیر ہو سکتا ہے تو یہی افعال ایک غیر مومن سے بھی ظہور پذیر
 ہوتے مطالعہ میں آچکے ہیں۔ انہیں مومنین کالمین نے آخر الذکر کو استعمال کے
 لئے ناجائز اور حرام ٹھہرایا ہے لیکن اس کے باعث میں شاید سکوت برتا ہے۔
 اور اس کو ”ممکن“ کے درجہ سے آگے نہیں رکھا۔ اللہ آپ کو توفیق عطا فرمائے
 اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ خوارق عادت (جو چاہیں ان کا
 نام رکھ لیں) کسی طرح سے بھی ایمان اور شرعی عقل کا معیار نہیں ہو سکتیں۔
 اور نہ ہی کسی انسان کی شخصیت کو ان پر عبور سے معرفت الہیہ میں کوئی درجہ
 دیا جا سکتا ہے۔ جب بات یہ ٹھہری تو بلا تامل ان غیر مومنین کی جماعت
 کے استدراجی افعال کو بھی صفات کے پر تو کا ہی کرشمہ ماننا پڑے گا۔ صفات
 ہر آن ہر مقام پر جلوہ گر ہیں۔ اور کسی شے میں کسی ایک صفت کا جلوہ متقابل

صفت کو جو ابھی شے میں مضمر ہے آشکارا کر سکتا ہے جیسے کہ پہلے آئینہ والی
مثال میں بیان ہو چکا ہے۔

علم السحر یا جادو بھی آخر انہیں صفات کے اختلاط سے ہی موثر ہوتا ہے۔
کلمات بھی اپنے اندر علیحدہ صفات رکھتے ہیں ان کی ادائیگی ایک
جداگانہ صفات کی حامل ہے اوقات ادائیگی بھی ایک علیحدہ صفات روپنا
کرتے ہیں۔ اسی طرح کلمات کا ایک شے یا ایک سے زائد اشیا پر جو خود اپنے
میں گوناگون صفات رکھتی ہیں مختص طریقہ سے پڑھنا بھی ظہور صفات سے خالی
نہیں۔ صفات کے آپس میں چکرانے اور ٹکرانے سے خارق سنت افعال کو
ہی۔ سحر۔ جادو۔ استدراج۔ کرامت۔ اعجاز۔ ارحاص وغیرہ کے نام دئے
جاتے ہیں۔ امتیاز کے طور پر فقط اس قدر کہنے پر قناعت کرتے ہیں کہ
ساحر اپنے سیکھے ہوئے طرق کو بروئے کار لائے غیر مومنین نے کسی ایک یا
چند مختص صفات کو اپنے اپنے مجاہدہ اور ریاضت سے جلا دی۔ اور
مومنین کا ملین میں یہ خارق عادت افعال غیر شعوری طور پر ثبات
استقامت کی برکت سے یا یوں کہتے کہ اتباع سنت سید الا نام علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے طفیل روشن ضمیری کی معرفت سرزد ہوئے۔ فقط ان کی ارواح
قدسیہ صفات سے منور ہوتی ہیں اور لوح محفوظ کے نقوش ان میں منعکس ہو
جاتے ہیں جس سے مغیبات پر اطلاع اور عالم سفلی میں تصرف ان کا ادا
کمال ہوتا ہے۔ اسلام۔ سنت یا استقامت سے ان افعال کا واسطہ
الگ ہو گیا اس لئے کہ ان کا صدور اوروں میں بھی پایا گیا۔ اور مومنین
کا ملین کا معیار بجائے کرامت کے استقامت ٹھہرا۔ جس کے ثبوت کے
لئے توفیق ایزدی سے ذیل میں درج سطور ملاحظہ فرمائیں و ما توفیق الا للہ
اولی الامر حضرات اور اکابر صوفیہ کا کلام بلا خلاف متفق ہے کہ کمال
ایقان ایمانی کے ساتھ شرع و سنت پر استقامت اصل میں معیار ہے اور

کشف و کرامات یہاں کوئی پھیر نہیں۔ سابقین و لاحقین حق کو شیخ عارف
حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی لکھا ہے کہ ”کشوف راجحوی نمی خزند“
صحابہ رضی اللہ عنہم اس مرتبہ پر تھے وہاں کچھ کشف و کرامات کی تلاش نہ تھی
بلکہ زرق حلال کی تلاش کے ساتھ اتباع سنت اُن کا شعار تھا۔ اسی کے
بیش نظر اقم الحروف استقامت کو لیتا ہے و باللہ التوفیق

استقامت

استقامت یہ ہے کہ صفاتِ ادا و صفاتِ تو اہی پر مستقیم رہے راہِ حق
سے نہ پھرے۔ جب تک منزل و صل کو نہ پہنچے۔ جبر جانی نے کہا طالب کرامت
نہ ہو طالب استقامت ہو۔ استقامت فوق کرامت ہے۔ یہ مقام انہیں
مومنین کا ملین کو حاصل ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے امام
ہیں۔ یہ فضلِ حق ہے جس کو چاہے اس زورق پر بٹھا کر اسے پار کر دے۔ تمام
سچ و مجاہدہ بے فائدہ اور بے سود اگر حق تعالیٰ نے اسے یہ مقام نہیں دیا۔
ابو علی و قاق نے کہا ہے کہ استقامت وہ ہے کہ سیر اپنے کو ماسوائے اللہ
سے محفوظ رکھے۔ نہ خطرہ ماسوا دل میں سمائے اور نہ خیال غیر سیر میں آئے جس کی
صفات ہیں بس اس کا ہی دھیان ہو یہی استقامت ہے افعال اقوال اور
اخلاق سب صفات الہیہ کے طفیلی ہیں ان کا راہ متوسط پر رہنا اور افراط و
تفریط۔ غلو اور تقصیر کی آمیزشوں سے علیحدہ رہنا ہی استقامت ہے۔ انہیں
مومنین کا ملین نے دین اسلام کو استقامت کا نام دیا اور سنت سید الانام
علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ثابت قدمی کو بھی استقامت ہی کہا ہے حضرت
امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ”ثبتنا علی الصراط المستقیم“
ثابت رکھو ہمیں راہِ راست پر۔ یعنی جو صفات عرفان کی ہیں عبادت کی ہیں

احسان کی ہیں اور طاعت کی ہیں اللہ عزوجل کی توفیق سے ان مومنین کا ملین میں پائی جاتی ہیں اور یہ دنیا میں نزع میں اور آخرت میں بھی انہیں صفات کے طفیل برگزیدہ اور راہِ راست پر رہتے ہیں۔

اقسامِ صفات

۱۔ صفات الہامیہ - ۲۔ صفات احساسیہ - ۳۔ صفات عقلیہ - ۴۔ صفات نظریہ - ۵۔ صفات شہویہ - ۶۔ صفات غضبیہ - ۷۔ صفات رحمیہ کرمیہ اور حکمیہ -

صفت ہر آل موصوف سے وابستہ ہے۔ قرب و بعد کا اعتبار نہیں جنت کی خوشبو فقرِ امر کی نسبت پچاس برس کی مسافت سے پیشتر سونگھے گے۔ خوشبو کا تعلق ہر حال جنت سے وابستہ ہے۔ اس طرح صفات باری تعالیٰ اس ورا الورا کی نشاندہی ضرور کراتی ہیں۔ اگرچہ یہ ورا الورا بھی اس کی ایک صفت ہے۔ اور وہ اس سے بھی آگے۔ نشان کا بتانا۔ یا نشان پر چلانا یہ صفت کی خوبی ہے۔ اس چلانے اور بتانے کو ہی لفظ ہدایت سے لپکا جا جاتا ہے۔ یہی ہدایت اس مطلب و مقصدِ اعلیٰ کی نشاندہی کراتی ہے۔ رسائی مقصد کے کئی ایک طریقے ہیں۔ سب سے افضل طریقہ صفات الہامیہ سے ہے۔ جو ان کا ملین میں موجود ہے۔ اس کی مثال بچہ میں اپنی ماں کے پستانوں کو بے تامل اور بے تلمذ چوسنا ہے اور جو ان آدمی میں تلاش و احساس زوج اور کبرستی میں اعضا کا مضمحل ہونا ہے۔ بھوک کی شکایت کی جہت سے گریہ کا ہونا کسی دنیاوی مکتب کی کرامت نہیں بلکہ خروجِ شکم مادر سے ہی طفل یہ تعلیم پا کر آتا ہے۔ صفت احساس کا تعلق جو اس ظاہرہ و باطنہ دونوں سے ہے اس سے اچھی بُری چیزوں کی پہچان ہوتی ہے۔ اس

صفت کا ظہور حیاتیات (Sensations) سے ہی وابستہ ہے۔ اور جہاں اس صفت کی رسائی نہیں یا یوں سمجھئے جہاں احساس مفقود ہوئے۔ وہاں کے دریافت کرنے کو صفت عقل کار فرما ہوتی ہے جس کا ذکر اس کتاب کے پہلے اوراق میں گذر چکا ہے۔ اور جہاں عقل نہیں پہنچتی وہاں معلوم کرنے کو صفات نظریہ کام میں آتی ہیں تاکہ ان صفات سے نتیجہ برائے اور جن اشیا میں نظر عقل کی گنجائش نہیں اور جن کا حسن و قبح قوت عقلیہ سے مدد نہیں ہوتا یا اس کے سمجھنے میں وہم و خیال معارضہ کرتے ہیں ان کے دریافت کرنے کو حقیقت میں ان کا ملین کا وجود ہے۔ کہ ان اکابر کے واسطہ سے مقصد زندگی برائے اور جمیع صفات کو اپنے میں سمیٹے ہوئے راہ خیر و شر کی واضح کریں۔ اور ما جاء به الرسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تبیانی (شریعت) اور توفیقی (طریقیت و معرفت) طور پر عامتہ الناس تک پہنچائیں۔ کیونکہ انہیں کاملین پر خالق علیٰ ما ہی علیہ کا انکشاف ہوتا ہے جن کی مجلاتین طرحیں ہیں۔ ۱۔ من اللہ۔ مثال۔ قُلْ اِنَّ هَدٰى اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى۔ ۲۔ اِلٰى اللّٰهِ۔ مثال۔ اِنِّى ذٰهَبٌ اِلٰى رَبِّى سِیِّدِیْنَ۔ اور ۳۔ بِاللّٰهِ۔ مثال۔ لَوْ لَا هَدٰىنَا اللّٰهُ مَا اَهْدٰىنَا (حدیث) اور یہی آخری درجہ آیت اهدنا الصراط المستقیم میں مطلوب ہے۔ اور یہی بامدار کاملین عامتہ الناس پر واقع ہوتی ہے حالاً فحالاً و مقاماً بعد مقامہ۔ چونکہ ان کاملین نے صراط مستقیم اختیار کیا ہوتا ہے اور مستقیم اختیار توسط ہے درمیان افراط و تفریط کے اس لئے مناسب سمجھا کہ کچھ بیان افراط و تفریط کا بھی ہو جائے۔

افراط و تفریط

عبارت میں لفظ افراط اس معنی میں آتا ہے کہ جہاں صفات الہیہ سے کسی صفت کا ظہور دیکھے تو اُس کی بے اختیار پرستش کرنے لگے جیسے اہل منہود کا طریقہ ہے۔ اور تفریط یہ ہے کہ کسی وقت بھی مشاغل دنیا اور مطلب دنیا سے فارغ ہو کر عالم غیب کی طرف متوجہ نہ ہو جیسے انگریز اور ملاحدہ یہ بھی افراط ہے کہ ہر چیز کو وہم میں سبب (Cause) ٹھہرا کر اس سے درخواست کرنے لگے اور اپنی مطلوبہ حاجات میں اس کی طرف رجوع کرے۔ ستاروں کی تاثیریں دلوں کی سعادتیں اور نحوشتیں اور معدنیات۔ نباتات اور حیوانات کے خواص کو ملحوظ رکھ کر ان کی رعایت کرتا رہے۔ اپنی عورت۔ اپنی اولاد۔ اپنے ماتحتوں گھوڑوں۔ جوہلیوں۔ تلواروں اور ان کے سوا اور اشیاء میں شوم و یمن کا خیال رکھے اور زندگی کے اوقات اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگ کر لے اور سووائیوں کی طرح ہر چیز سے ڈرے اور ہر چیز سے توقع نفع اور انتفاع عظیم کی رکھے۔ اور اس نظریہ کے پیش نظر کہ آخر یہ صفات غیر ذات نہیں صفات تک ہی محدود رہے۔

تفریط یہ ہے کہ معتبر اسباب جیسے دوا و غذا اور پرہیز اور صحبت نیکوں کی اور بدوں کی اور دعا و التجا جناب باری کو سرے سے ہی ساقط الا اعتبار جانے اور اس نظریہ کے پیش نظر کہ آخر یہ صفات عین ذات تو نہیں صفات کو گنتی میں ہی نہ لائے۔ اور اپنے تئزیرہ کے واسطے ان کی مطلق نفی کرے الحاصل اثبات و نفی صفات دونوں خطرہ سے خالی نہیں۔ افعال الہی کو مانند افعال اپنے کے کسی عرض پر حمل کرنا۔ یا فعل کی نسبت کسی بندے کی طرف کرنا۔ یا بندے کو مثل جہاد بے دخل اعتقاد کرنا۔ انسان کا چارہ ان میں سے کسی ایک میں نہیں۔ افراط و تفریط یہ بھی ہے کہ ان کا ملین و ایمہ دین کو اپنی مثل اغراض دنیوی میں پھنسا

ہو جانے اور مغلوب حاجاتِ نفسانیہ سمجھے۔ یا ان کو لوازم الوہیت کے یا قدرت اوپر تمام مقدرات کے ہی ثابت کرے اور ان کو معبود بنائے اور رزق و فرزند۔ خدمت منصب ادا کرنے بلا استقلال چاہے اور علی الاطلاق مانے۔ اور ان کی شفاعت جناب الہی میں واجب القبول سمجھے۔

افراط و تفریط یہ بھی ہے۔ کہ ایمان کو اس درجہ ساقط الاعتبار کرے کہ پرگناہ کی تاثیر سے ایمان کا زوال لازم جانے۔ اور ایمان دار گہنگاروں کو کافروں کی مثل مخلد فی النار جانے یا اعمال نیک و بد کی تاثیر ذاتی آخرت میں ثابت کرے کہ ذات باری تعالیٰ بے اختیار تابع اعمال بندہ ہے عفو گناہ اور ناقبول طاعت اس سے ممکن نہیں۔

۴۔ افراط و تفریط صفات شہویہ صفات شہویہ کا مبداء و منبع منافع کا حاصل کرنا اور مرغوبات کی خواہش ہے۔ اس کی افراط فحور ہے اور اس کی تفریط بہر اس چیز سے سکون ہے جس کو عقل و شرع ترغیب دین مثل نکاح حلال اور طعام لذیذ بغیر شبہ کے۔ اور مرتبہ وسط اس کا عفت ہے یعنی شہوت کو حکم عقل اور شرح کے تابع کرنا۔ اور اس وسط سے اخلاق محمودہ جو متولد ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر درج ذیل ہیں۔ ۱۔ حیا۔ ۲۔ صبر۔ ۳۔ قناعت۔ ۴۔ تورع۔ ۵۔ جوانمردی۔ ۶۔ سخاوت۔ ۷۔ ایثار۔ ۸۔ کرم۔ ۹۔ عفو۔ ۱۰۔ سروت اور معاملات میں مساہلہ۔

۵۔ افراط و تفریط صفات غضبیہ۔

ہر خطر چیز کا اقدام کرنا اس کا مبداء و منبع ہے اور یہ صفت ہمیشہ تقاضہ کرتی ہے کہ تسلط و ترفع ہمارے ہے اور مضرت غیر اپنی ذات سے اور اپنے متعلقین سے ہمیشہ دفع رہے۔ اس کی افراط جرأت کرنی وہاں جہاں نہ چاہیے۔ اور تفریط اس کی ڈرنا جس سے نہ ڈرا چاہیے۔ اور توسط اسکی شجاعت ہے جس سے آگے بہت سے اخلاق محمودہ پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ مثل علوہمت - ۲۔ استقلال - ۳۔ علم - ۴۔ تحمل اور حمیت اور سوا اس کے -

۶۔ انسان حیوانِ ناطق ہے اور صفتِ لطیفہ سے بھی سرفراز کیا گیا ہے اس کی افراط کو وہرینہ (یا وہ گوئی) اور اس کی تفریط کو عبادت (کنڈ ذہنی) کہتے ہیں۔ اس قوت کے اوسط کو حکمت کہتے ہیں جس کے ماتحت - ۱۔ ذکا - ۲۔ سرعتِ فہم - ۳۔ صفائے ذہن - ۴۔ آسانی سے تعلیم کرنا - ۵۔ حسنِ تحفظ - ۶۔ تذکر اور - ۷۔ تعقل جیسی صفات ظہور پزیر ہوتی ہیں۔ مندرجہ بالا صفات جن کا خاکہ مختصراً درج کر دیا ہے اگر ان سب کا توسط ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے تو جو حاصل ہوگا اسے عدالت کہیں گے۔ جس کے - تابع - ۱۔ دوستی - ۲۔ الفت - ۳۔ وفا اور - ۴۔ شفقت اور - ۵۔ مکافاتِ احسان اور - ۶۔ پاسِ علمت - ۷۔ اور حسنِ صحبت - ۸۔ اور مشارکت - ۹۔ اور توکل اور - ۱۰۔ ایفائے حق معبودِ مطلق اور - ۱۱۔ حق ملائکہ اور - ۱۲۔ پیغمبران اور - ۱۳۔ اولوالامر اور انقیاد اور امر - ۱۴۔ و نواہی شرعی جیسی صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہاں ایک لطیف نکتہ ذہن نشین کر لیں کہ صفتِ لطیفہ ذاتی ہے جو کہ روح کو بدن کے تعلق سے پہلے ہی حاصل تھی بخلاف صفاتِ شہویہ اور غضبیہ کے کہ بواسطہ تعلق بدن حاصل ہوتی ہیں۔ پس کمال توسط صفتِ لطیفہ میں یہ ہے کہ اس کا یہاں تک بھی ہو سکے استعمال کرے کہ زیادہ اس سے ممکن نہیں۔ اور کمال توسط صفتِ شہویہ اور غضبیہ کا یہ ہے کہ اس کا بقدر ضرورت استعمال کرے بحدیکہ کہ اس سے ممکن نہیں۔ پس طریق توسط دریافت کرنا بغیر رفاقت ان کالمین کے دشوار ہے اور یہی گروہ صراطِ مستقیم پر ہے۔ یہ صفات کے مجموعے ذات کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور ماسواہی صفات سے اعراض کئے ہوتے ہیں۔ اور یہاں تک تابع فرمانِ الہی ہیں کہ اگر اشاء ہو کہ پس رذیح کر تو کر ڈالے۔ اگر فرمان ہو کہ جاں اپنی

نثار کر تو بشارتِ تمام سے قبول کرے اور اگر حکم ہو کہ اپنے آپ کو دریائے
ذخا میں ڈال تو ڈال دے۔ اور اگر بعد عطا سے مرتبہ اعلیٰ کے فرمان ہو کہ
شاگردوں کی طرح ایک مجہول الحال کے پاس جا کر بعض باتیں سیکھے تو تنگ
و عار نہ رکھے حکم بجالائے۔

ضیائے کلمتہ اللہ کے لئے اگر میدانِ کرب و بلا میں کو دنا پڑے اور خون
دے کر دینِ اسلام کے پودوں کی آبپاشی کرنی پڑے تو دریغ سے گذر جائے

صفتِ رحیمیہ

دراز و تابدار کیسو کی طرح اس حسنِ لم یزل کا یہ کیسو بھی بے شمار طرحیں اور
ادائیں رکھتا ہے حالانکہ حدیثِ پاک سے ظاہر ہے کہ اللہ عزوجل کے
پاس سورحمت ہیں جن میں سے صرف ایک تمام کائنات پر بھی گئی ہے۔
دیگر صفات کی طرح یہ صفت بھی اپنے اندر افراط و تفریط اور توسط کھتی
ہے۔ اس کی افراط نبوت و وحی اور ہدایت ہے اور تفریط بہائم کا اپنے
بچوں پر شفقت کرنا اور اس کا توسط قرار اشیا کے کائنات ہے۔ ہر سہ
ذاتی ہیں اور ناسوائی ان تینوں کے صفاتی رحمت ہے۔ یعنی بخشنا اس
چیز کا جو لائق ہر موجود کے ہے اور اس سے فضل اوروں پر حاصل ہو۔
مثال کے طور پر۔ خورشید کو روشنی تابیدن۔ اشجار کو سایہ و ثمر۔ اور یہ
صفاتی رحمت و قسم کی ہے عام اور خاص۔ عام جو اوپر والی مثال میں بیان
ہوئی۔ اور خاص میں طاعات و عبادات شامل ہیں اور ایسے علوم بھی
جن کا خاص افراد کو نفع پہنچے جیسے علم طب و علم نباتات وغیرہ یہ رحمتِ خاص
ان مومنین کا ملین کا نصیب ہے اور اس منظروف کا طرف جمیع عبادات
جن کو کائنات نہایت جنت بھی کہا جاتا ہے ہوتا ہے۔ حالانکہ اصل کلید

جنت ہی منظروف (رحمت) ہے۔ اور اعمال کی دخول جنت کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھی۔ وضاحت کے پیش نظر شربت و بوتل کی مثال ہی کے لیجئے۔ شربت نوش فرمانے کے بعد اگر ایک آدمی یہ کہہ دے کہ اس بوتل نے میری پیاس بجھائی تو چنداں مضائقہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اعمال کو حیثیت دی جاتی ہے کہ دخول جنت کا باعث و سبب کہلائیں گو علت رحمت ہی ہوگی۔ بارہا یہ رحمت کسی کی جملہ ریاضات اور عبادات کو ایک نظر بھی نہیں دیکھتی اور کبھی یہ رحمت کسی کی ایک معمولی سی ادا میں سما جاتی ہے۔ اور اس کی نجات کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اور صفات کی طرح یہ صفت بھی اعضاء میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگر ایک کیفیت بادی النظر میں غیر ضروری اور غیر نافع معلوم ہو تو تجربہ شاہد ہے کہ یہی غیر ضروری اور غیر نافع بعد میں اس کے لئے رحمت ثابت ہوتی ہے۔ امراض و بلا جو ظاہری طور پر رحمت کا لبادہ تیار رہے ہوئے نظر آتی ہیں۔ کسی ایک کے لئے گناہوں سے توبہ کا پیش خمیہ بن جاتی ہیں۔ اور کبھی بارش جس کو عام طور پر رحمت کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے بعضوں کے لئے تباہی و بربادی لاتی ہے۔ یہی رحمت ایک رنگ میں اس کے لئے رحمت ہے اور پھر یہی رحمت اول الذکر مثال کے پیش نظر پھر رحمت بن کر انسان کو کھڑا کر دیتی ہے۔ اہل قلم اس کو ”رحمت اضافی“ کے نام سے لکارتے ہیں۔ شے غیر نافع ہو یا غیر ضروری ہر حال میں رحمت کھڑی لیکن بنی نوع انسان کو اپنے چکر کے ساتھ ایک ایسا چکر دے گئی کہ ”الحمد للہ رب العالمین فی کل حال“ کے سوا کوئی چارہ نہ چھوڑا بعینہ اللہ عزوجل کی حکمت اور ان کا کرم اتنی وسیع صفات ہیں کہ کائنات کی ہر شے کو محیط کئے ہوئے ہیں۔ شے چاہے کسی لباس میں ہو۔ کوئی رنگ اختیار کئے ہو۔ نہ رحمت سے نہ حکمت اور نہ اس کے کرم سے خالی ہے۔ اور یہ

صفات کچھ اس انداز سے ان مومنین کا طین میں گھر کئے ہوئے ہیں کہ یہ مقدس
 جماعت ایک لمحہ کے لئے بھی شکایت کا زباں سے تو درکنار دماغ میں
 خیال تک بھی نہیں لاتے۔ اس نعمت کو کلام پاک نے خیر کثیر کا دوسرا لفظ دیا
 ہے۔ من یوت الحکمة فقد اوتی خیراً
 کثیراً۔ پس جب فقہان شکوہ ہو تو لا محالہ موافقت نے جگہ پکڑی
 اور جب موافقت اور سازگاری آگئی تو تمام حجابات ایک ہی ساز
 کے پردے ہو گئے۔ اور وصل و فصل کی تمیز بھی اٹھ گئی۔ این و آن
 کے پردے اپنا مقام لے گئے۔ صفاتی ظہور نے کہاں سے کہاں تک نہ
 پہنچایا۔ لیکن ضد کا تازیانہ ہر آن ہر صفت کے ساتھ وابستہ رہا ان کاملین
 نے بلند یوں میں اپنے آپ کو نیچا پایا۔ از خود رفتہ مقامات پر بھی عبور
 کا دم بھرا۔ انتہائے فنا میں بھی ان کاملین کی صفت انانیت کو جدا نہ پایا
 اور ضمیر منظم کو اپنے اقوال میں قائم رکھا۔ اپنی نسبت نیک گماں رکھنے
 والوں کے لئے بدگمانی ظاہر کی اور سارا نیک گماں بیک وقت دھوکہ رکھ
 دیا۔ اور ایسے ہی اس کے برعکس۔ اہل جہاں کی موافقت و مخالفت
 متوازی رکھی۔ لاچارگی اور بے بسی کی حالت میں بھی تصرف و اختیار
 اتنا پایا کہ دنیا والے اب تک اور خبر نہیں کب تک ان کاملین کی نسبت
 نیک نامی و بدگمانی کے فتوے صادر کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے جیسا
 کسی نے گمان باندھا ان حضرات کو ویسا پایا۔ یہ رضا کے بندے۔ صفات کے مجموعے
 بناوٹوں اور لگاؤٹوں سے علیحدہ رکھنے والی صفت کے بھی حامل ہوتے ہیں۔
 وہ ہیں کیا مگر وہ ہیں کیا نہیں، کے مصداق ٹھہرے۔ اہل قلم و علم کتاب و دل کی تفسیریں لکھ
 سکتے ہیں۔ خواب جوانی کی تفسیریں بنا سکتے ہیں۔ خوشحال لوگوں کی جاودانی مسرت اور
 مظلوموں کی فریاد رسی کے نکتے پہنچ سکتے ہیں۔ باغ و بہار۔ گل و بلبل۔ صنم کدے
 ویر و حرم۔ علوم و فنون۔ امور سلطنت و بادشاہی یا جو کچھ کہ بیان کے دائرہ میں

آجہائے بیان ہو سکتا ہے لیکن ان کا ملین کی شناخت سوائے انہی کا ملین کے کوئی دوسری
 ہستی کرنے یا کرانے سے عاجز ہے۔ عامۃ الناس کو ان کے متعلق جو وصول ہوا تضاد
 سے خالی نہیں۔ اور تضاد ہی صفات کا خاصہ ہے بلکہ ایک صفت ہی اپنے اندر
 ہزاروں ضدیں پنہاں کئے ہوئے ہے۔ اور ہر صفت میں معنی اذاجاؤز
 شئ حادۃ العکس ضدلاً ظہور میں آتے
 ہیں۔ جس صفت نے بھی صیغہ معالغہ اختیار کیا البتہ ضد سے بدل گئی۔ سیاہی چمک
 مارنے لگی اور روشنی بنیاتی ایک لے گئی حضرت قاسم الوارث زیر تفسیر انہ کان
 ظلوماً جہولاً فرماتے ہیں کہ ظلم اور جہل ضد عدل اور علم ہے۔ اور کلام پاک میں صرف
 و نحو کے اعتبار سے ظلم اور جہول دونو صیغے مبالغہ کے استعمال ہوئے ہیں اس لئے
 اپنے اندر عدل اور علم کے معنی رکھتے ہیں انسان جہول ہے یعنی عالم کیونکہ نہایت علم
 باشد اقرار کرنا ساتھ جہل کے ہے۔ اسلوب کلام نے ان الفاظ میں ایسی نازکی باندھی
 کہ مدح کو مذمت کا چکر دے کر پیش کیا۔ اور اس کا کل کو کچھ ایسا الجھایا کہ اس کا سلجھانا
 قیامت تک کے لئے ناراوارکھا۔ ایسی ادائیں کلام اللہ عزوجل میں کثیر التعداد ہیں
 جن کا اپنے محل میں ذکر کیا جائے گا انشاء اللہ۔ صفت کو ابتدا سے نہایت یا غایت
 یا تجاوز عن الحد تک کے سفر میں گوناگوں اور بوقلموں اثرات پھوڑنے ہوتے ہیں
 اور اس دائرہ یا چکر کی تیزی نظر و خیال کی تیزی کی طرح ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی
 زائد روشن۔ صدور فتوے کا بحر بھی اسی سبب سے ہے۔ نہ کہیں صفت متدار
 پکڑے اور نہ کسی فتویٰ کی منت کش ہو۔ عام مشہور ہے کہ آج کل فتوے فروخت
 ہوتے ہیں۔ ان کی اصل بھی یہی گھٹی ہے۔

ایک صفت شیریں۔ (عذب۔ مٹھاس۔) کو ہی لے لیجئے۔ اللہ جانے
 اس کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے اور یہ کس لٹ کا بال ہے۔ بادی النظر میں ہمارے
 سامنے نیشکر (گٹا) جب آتا ہے۔ تو مٹھاس کا تصور بھی ساتھ لاتا ہے جو اس
 میں پوشیدہ ہے۔ اس کے چوسنے سے بیکر اس کے انتہائی مکمل تک جب کہ یہ بیک

مصری کے کوزے کی صورت پکڑتا ہے درمیان میں کئی طرح کی شیرنیاں لاتا ہے۔
 رس - قند - راب - گڑ - شکر - چینی باوجود ایک اصل (شیرین) کے مختلف اثرات
 پیدا کرتی ہیں۔ اس کے چوسنے سے جو طبیعت پر اثر ہوتا ہے۔ اس کی رس (ویسے
 پینے سے) علیحدہ اثر رکھتی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ جو نہی صفت نے لباس
 اتارا تو معاً کسی دیگر صفت کے ساتھ ملی۔ یہ دونوں صفت ضرب کھاتی بیک وقت
 ہزاروں صفت سے ایسی گھل مل جاتی ہیں کہ عقل ان کے تجزیہ سے ناکام رہ جاتی ہے
 صفات کی آمیزش صفتِ اصلہ کے مزاج کی تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔ اور جو ہر
 عقل کو سوں پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔

مومنین کا ملین کے بیان میں لفظ استقامت سے اگر ایک گونہ کامیابی
 ہوئی اور یہ نظریہ قائم کیا کہ روشِ طریقت میں کوئی درجہ عالی تر استقامت سے
 نہیں اور بقول محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کہ ہونے اس کے سے سب نیکیاں نیک
 ہوں اور نہ ہونے اس کے سے بدیاں سب ہوں استقامت ہے۔ باوجود
 اس امر کے بھی کہ استقامت کو افراط و تفریط کا وسط بھی ثابت کیا لیکن پھر بھی
 کسی ایک ٹھوس دائرہ میں پناہ نہ ملی۔ اوسط - وسط - توسط - مستقیم استقامت
 یا ان کے ہم معنی جو الفاظ بھی ہیں سب کے سب جب صفت کی لپیٹ میں
 آئے تو اس کی تیزی نے استقامت کے ایک سے زائد معانی نکالے۔ اور ہر
 مرد کامل کے لئے یہ استقامت اس کے اپنے مرتبہ کے مطابق رہنا ہوئی۔
 نمونہ کے طور پر اہم الحروف متقدمین میں سے چوٹی کی پانچ شخصیتوں کا نظریات
 آپ کے سامنے رکھتا ہے۔ اسی سے باقی کا ملین کے نظریات کا اندازہ کر لیں۔
 جوں جوں درد کی دوا ملتی رہے گی درد اور لا دوا ہوتا جائے گا۔

۱۔ حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں استقامت یہ
 ہے کہ "شُرک نہ کرے" چونکہ آپ ارباب مشاہدہ کے بادشاہ ہیں اور محبت
 میں ایسے گم ہیں کہ سولے صورت امر "کچھ دیکھتے ہی نہیں اس لئے آپ کا

وسط نفی شرک ٹھہرا۔

۱۲۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ امر ونہی پر قائم رہے اور رو بہ بازی نہ کرے۔ چونکہ آپ ارباب مجاہدہ کی حجت ہیں۔ آپ کا وسط مجاہدہ ٹھہرا۔

۱۳۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ استقامت خالص اور پاکیزہ عمل میں ہے۔ چونکہ آپ مخزن الحیا ہیں اس لئے پارسائی اور طہارت کو وسط ٹھہرایا۔

۱۴۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ فرائض ادا کرے چونکہ طریقت میں آپ کی شان اعلیٰ اور درجہ رفیع ہے اس لئے فرائض اور اصول کو وسط ٹھہرایا۔

۱۵۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ بندہ طاعت گزار رہے اور گناہ سے بچے۔ چونکہ آپ امام عصر ہیں۔ اور علم سلوک میں آپ کے لطیف ارشادات ہیں۔ اور زہد و تقویٰ میں کمال حاصل ہے۔ اس لئے بندگی مولا اور تقویٰ کو وسط ٹھہرایا۔

عرضیکہ لفظ استقامت کو بھی استقامت نہ ملی۔ اللہ عزوجل کی راہ میں ایک کم از کم اوقات دینے والا بھی اسی قدر زہد کو استقامت سمجھنا ہے۔ یہ گروہ مومنین کا ملین آپس میں بھی چند مخصوص صفات کی بنا پر ایک دوسرے سے افضلیت اور شرف رکھتے ہیں۔ مقتدین حضرات نے ان کو چار جماعتوں میں تقسیم کیا ہے جو یہ ہیں۔

۱۔ اہل معاملات۔ یہ صاحب امر اپنے میں کراہات اور نشانیوں جیسے مٹی سے سونا کرنا یا ایک آن واحد میں دور و دراز کا سفر طے کرنا و عاقبول کرنا وغیرہ امور رکھتے ہیں۔

۲۔ اہل درجات۔ پہلے گروہ کی نسبت اشرف ہیں ان میں زہد و بندگی

یعنی سوائے اللہ عزوجل سے سب سے تقویٰ کرنا۔ صبر۔ شکر۔ توکل۔ صفا
تسلیم۔ تفویض۔ تقویم۔ صدق۔ اخلاص۔ احسان۔ استقامت۔ طمانیت
وغیرہ امور پائے جاتے ہیں۔

۳۔ اہل حالات۔ یہ پہلے دو لوگوں سے افضل شمار ہوتے ہیں۔
ان کے امور حسب ذیل ہیں۔ وجد۔ نجوی۔ مراقبہ۔ حیا۔ خوف۔ رجا۔ محبت
شوق۔ عشق۔ سکر۔ محو۔

۴۔ اہل معائنہ۔ یہ گروہ اولی الامر فوق پر ہیں ان میں کشف۔ مشاہدہ
معرفت توحید۔ تفرید۔ فنا۔ بقا وغیرہ امور پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی
فراست سے تمام دلوں کے مالک ہوتے ہیں اور ہر شخص کے دل کو اس کی صلاحیت
کی قدر و اندازہ پر جان لیتے ہیں۔

راقم الحروف کی نظر سے ایک چھوٹا سا رسالہ بنام "آب حیات" ایک صاحب
امیر حضرت پیر عمر بخش نوشاہی کا لکھا ہوا گذرا اس کے آخری صفحہ پر سلیس فارسی
زبان میں چند سطور انہیں اولی الامر حضرات کی تعریف میں لکھے پائے۔ چونکہ
ان کا نفس مضمون سے تعلق پایا۔ بعینہ درج ذیل کر دئے۔ "تا غیب کہ دل
سالک از غیر پاک نہ شود ہر نماز و روزہ خواندن برائے کسب دینا کار
باد فروشاں است۔ و خانقاہاں و مسجداں و فرخانہ کار بازاریاں است
و چاہ کندیدہ آب دادن کار باغبان است۔ و نفی و اثبات کردن کار آہنگراں
است۔ و از عورات ماندن کار منجھتاں و خواجہ سراہاں است۔ و ظہور
کرامت کار ساحراں است۔ و روئے و پائے برائے وضو شستن کار لولیاں
است۔ و حکایت پوشیدہ باز کردن کار دیوانہ و غمازان بہ است۔ و کسے
بتنیہ کردن و زون کار جلا دان است۔ و بدعائے نیک نفع رسانیدن کار
سود خواراں است۔ و در علم مشہور بودن کار شیطاناں است و خلق را
رجوع کردن کار بتاں است و قطب گویا نیدن کار ستارگان است۔"

و غوث شدن کار سپاسیماں است۔ و پیغمبری کردن کار حاجباں است۔
و خدا شدن کار خود پرستان و خود نمایاں است۔

نتیجہ

از خود رفتن و بے خود شدن کار شاہ مردان و کامگاراں است۔
این ہمہ کار ہا کہ مذکور شدہ اند تمام کار شیخی است و مشائخان است۔
چرا کہ شیخ تواند کہ از ایماں بے ایمان شود۔ از خدا تعالیٰ بیزار گردد و از
رسول خدا صلوات اللہ تعالیٰ علیہ انکار کند۔ از دین بے دین باشد۔
اما از چاہ شیخی بر آمدن نتواند۔ و چاہ شیخی بے پست و عمیق است۔ کہ ہزاراں
ہزار سالک در آن غرق شدہ اند۔ اسے برادر نہایت کار سالک آن است
کہ از کار بے کار و از مراد بے مراد و از امید نامید و از خود بے خود۔ ہمہ طالبی
و سالکی دریں است کہ۔ توکل و تسلیم

صورت امر

اللہ عزوجل کی عنایت کردہ توفیق سے عامتہ الناس اور صاحب امر
(اولی الامر) جماعتوں کا ذکر صفات باری تعالیٰ کی روشنی میں ہو چکا۔ اور
صفات کے سامنے عقل انسانی نے ہر قدم پر شکست کھائی۔ تفکر و فی صفا
ولا تفکر و فی دانتہ،، والی حدیث کے پہلے حصہ نے تشنہ کامی ظاہر کی اور
شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس سے اس اجتماع ضدید کا ذخیرہ
تلاش کرنے کے لئے راہ دکھائی + سیاق والی تحریر انہیں کے کرم سے تھی اور
مابقی جو آئے گا تیرے ہی کرم سے ہوگا۔

کائنات ساری معترف ہے اور آپ کی توصیف میں عاجزہ آپ کے
 خصائص بے پایاں اور فضائل بے کراں بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں آپ
 کے لئے جو جو الفاظ صلہ و سلام کے ساتھ آج تک قرطاس میں آچکے ہیں۔ اگر
 سب کو جمع کیا جائے تو ان کا حمل بھاری سے بھاری طاقت یا جماعت پر بھی
 بھاری ہوگا آپ کا نام نامی اور اسم گرامی ہی جو ازلی احمد قیامت تک محمد صلعم
 اور ابد الابد میں محمود ہے بتا رہا ہے۔ کہ صفات کا کوئی پہلو نہیں جو آپ سے
 وابستگی کا دم نہ بھرتا ہو۔ مندرجہ بالا تینوں الفاظ لفظ حمد سے مشتق ہیں اور
 حمد کا ترجمہ (تعریف) جو متقدمین سے وصول ہوا احمد کی کما حقہ ترجمانی نہ
 کر سکا۔ یہاں پہلے حمد اور تعریف کے فرق کو ذرا ذہن نشین کر لیں تاکہ نفس
 مضمون سہل ہو جائے۔

اور تعریف ہر اس خوبی کا تقاضہ کرتی ہے جو کسی شے یا وجود سے وابستہ ہو
 حمد ہر اس کمال کی مقتفی ہے جو وجود سے مستغنی ہو اور اس کی مثل کوئی شے
 نہ ہو۔ اور لفظ تعریف خوبی کے ایک درجہ پر صادر ہو سکتا ہے۔ لیکن حمد
 کمال سے نیچے کچھ نہیں چاہتا۔ صفت میں یہاں نقص پڑا احمد کا لفظ اس کے لئے
 راست نہ آیا۔

۳: اور تعریف مجاز چاہتی ہے اور حمد حقیقت + اسی واسطے حقیقت
 محمدی حقیقتہ الحائق ہے۔ حدیث پاک اول ما خلق اللہ نوری
 وخلق الخلق من نوری، والے نور سے بھی مراد
 جناب رسالت مآب ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وجہ اس نام کی یہ ہے
 کہ پہلے سب سے حق تعالیٰ نور آپ کا پر وہ عدم سے باہر لایا پھر تمام عالم
 اس نور سے ظاہر فرمایا انہیں سے زمین و زمان بلکہ نہ آسمان روشن ہوئے
 سے نہ ہوتے وہ تو یاں نہ ہوتا کوئی + نہ ہنتا کوئی اور نہ روتا کوئی + یہ وجود
 و نمود جو عدم سے ظہور پذیر ہوا اسی نور سے ہے + یہی نور امیر نہیں اور سرور

مرسلین بنا۔ یہی نور بادشاہِ آخرین و مفتحِ اولین ہوا ہے جناب محمد علیہ السلام
 رسولِ محمد شفیع انامِ امامِ جہاں۔ مقتدرائے رسل۔ قیامِ زمانِ رہنمائے سبل
 لفظِ اُمّی بھی نور کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے بحر الحقائق میں ہے کہ عرب
 اصل اور منشا کو ام کہتے ہیں۔ جیسے کہ مکہ کو ام القریٰ کہتے ہیں کہ سب شہروں
 کا مبداء و منشا ہے اور لوح محفوظ کو ام الكتاب کہتے ہیں۔ ایسے ہی حضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم بھی اُمّی ہیں یعنی اصل موجودات ہیں اور آپ کے نور سے سب کا
 ظہور ہے۔ مویّد اس معنی کا اولاد لما اظہرت الربوبیۃ اور
 شاہد اس دعویٰ کا "لولاک لما خلقت الافلاک" ہے یہاں یہ بیان
 کر دینا بھی ضروری ہے کہ نور کسی ایک صفت کا نام نہیں۔ نور ہمیشہ صفات کا
 مجموعہ ہوتا ہے۔ روزمرہ کی زبان میں جب کہا جاتا ہے کہ یہ سب آپ کا ہی نور
 ظہور ہے تو اس سے آپ کی سب صفات کا ترشح ہونا پایا جائے گا۔ "آنغوش
 دہن" سے جب لفظ کن نکلا تو اسی نور نے ہی حمد کے ذریعے راز بستہ کو افشا
 کیا اور یہاں تک کہ اپنا نام احمد رکھوایا یہ صورت کن یا صورت امر اپنے
 پیدا کرنے والی حقیقت امر کی طرح جسم و جسمانیّت کی محتاج نہ تھی بلکہ اپنا
 دورہ صفاتِ باری تعالیٰ میں ہی رکھا اور تاحد بشریت اسم فاعل ہی رہے
 گوناگوں مصلحتوں کے پیش نظر لباسِ بشری زیب تن کیا اور قیامت تک
 کے لئے اسم مفعول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا صلہ پایا۔ اس لباس نے عوام
 کو دھوکا دیا اور عقل کل کو اپنی جزوی عقول کے ماتحت تا پنا شروع کر دیا۔ بسراپا
 حمد کو اپنے جیسا جانا اور اپنے سے کچھ اوپر درجہ پر مانا۔ ان کی ظاہری حیات
 طیبہ کو اپنی حیات کی طرح تصور کیا اور ان کے چشم سر سے پھپھپ جانے کو موت
 تک کا لفظ دے دیا۔ کاش ان کے گوش اُس مومین کامل کے ان حقیقت بھر
 الفاظ سے شناسا ہوتے جب انہوں نے محل انتقال پر فرمایا کہ جو کوئی محمد
 (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پوجتا تھا اُس کے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مرگئے اور جو

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا کو پوجتا تھا ان کے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب بھی اس طرح زندہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کلام اللہ عزوجل بھی حقیقت عظمیٰ کا داعی ہے۔ جو سیاہی الفاظ و اوراق اور شد و مد میں ملبوس نظر آتا ہے۔ اسکی تزیل من رب العالمین کسی لباس و شکل کی محتاج نہ تھی۔ عرش اعظم سے آسمان دنیا پر یک بارگی جو نازل ہوا اس کی کیفیت نازل کرنے والا جانے۔ ہاں اس کا نزول جو قلب اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ نزلناہ علی قلبك آية صاف صاف بتا رہا ہے کہ قلب پر جو شے وارد ہوتی ہے وہ ہمیشہ کیفیت ہوتی ہے الفاظ نہیں ہوتے۔ قلب کی دھڑکنیں انسانی لباس پہن کر مخاطب کے لئے فہم و استنباط کا درجہ پاتی ہیں اور قارئین اور سامعین پر ان الفاظ کی معرفت سے پھر وہی کیفیت اور وجد پیدا ہوتا ہے جو الفاظ کے ظہور سے پہلے محل نزول پر پایا گیا۔ مثال کے طور پر محکمہ ڈاک میں تارسانی کا عمل ملاحظہ فرمائیں۔ تار وصول کرنے والا ایک آلہ کے سلسلے میں بیٹھا گر۔ گٹ۔ گرگٹ کی آوازیں سنتا ہے اور انہیں دھڑکنوں سے ان آوازوں کو الفاظ کا جامہ پہنائے جاتا ہے جس سے ایک مسبوط عبارت پیدا ہو جاتی ہے۔ ادھر تار ارسال کرنے والا بھی انہیں دھڑکنوں کو ہی بروئے کار لاتا ہے۔ اور اوراق و الفاظ کی شکل جو جو ایک کتاب میں نظر آتی ہے۔ خود قرآن نے اسے "قول رسول کریم کہا ہے۔ اور اس کی حقیقت کو لوانزلناہذاالقرآنعلی جیل راتئہ۔ الخ والی آیہ مبارکہ میں کھول دیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ قرآن کوئی اوراق کا مجموعہ نہیں اگر ایسا ہوتا تو پہاڑ تو درکنار ایک معمولی سا مینزاس کا متحمل ہو سکتا لیکن برعکس اس کے اس کا دباؤ اس قدر فرمایا کہ پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دینا اس کی حقیقت اعلیٰ کے سامنے دشوار نہ ہوا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) و کلام اللہ عزوجل کی حقیقتوں کے

ثبوت کے بعد تیسری حقیقت جو سامنے آتی ہے وہ حقیقت امر یعنی ذات باری تعالیٰ ہے۔ جو پہلے سے ہی کسی لباس و غیرہ کی منت کش نہیں اور نہ ہی اس حقیقت کے ثبوت کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت ہے بلکہ دلائل کی ثبوت تک رسائی ہی نہیں، یہ ذات حقیقت ہی حقیقت ہے اور مندرجہ بالا دونو حقیقتوں میں کچھ ایسے کم ہے۔ کہ ایک کا پانا تینوں کا پانا ہو جاتا ہے۔

حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ السلام قرآن کی چلتی پھرتی تصویر ہیں اور کلام اللہ حضور علیہ السلام کی تفسیر۔ روایت حقیقت محمدی روایت باری تعالیٰ ہے ایسے ہی تینوں حقیقتیں اپنے اندر جن صفات سے متصرف ہیں ان میں سے کسی ایک حقیقت کی صفات باقی دونو حقیقتوں کی صفات سے علیحدہ نہیں، اجتماع ضدین چونکہ ایک دشوار ترین معنی ہے۔ اور ضدوں سے کھیلنا ہے اس لئے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے التماس ہے۔ کہ پہلے صفات کا ذخیرہ جو ابھی تک بواسطہ متقدمین حضرات بیان کے دائرہ میں آچکا ہے اس کو محفوظ کریں اور اپنے دل و دماغ میں ان کو جگہ دیں۔ کلام اللہ کے مطالعہ سے صفات باری تعالیٰ جو ذخیرہ آیہ ولدا الاسما الحسنہ کی تفسیر کے تحت حدیث پاک کی روشنی میں متقدمین کرام کی وساطت و تصدیق سے ہم تک پہنچا وہ بھی اور جو اسمائے صفات ایک ہی آیہ مبارکہ میں ایک دوسرے کی ضد میں پائے گئے ان کو بھی راقم الحروف نے اکٹھا کیا ہے۔ تاکہ صفات کے ذخیرہ میں اضافہ ہو جائے۔ جتنا ذخیرہ صفات زیادہ ہوگا۔ اتنا ہی مسئلہ اجتماع ضدین آسان ہوتا جائے گا۔ وباللہ التوفیق

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْا بِهَا۔ (اعراف) اور واسطے اللہ کے ہیں نام اچھے پس پکارو ان کو ساتھ ان کے مراد ان سے نودونہ نام ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ من احصا لا دخل الجنة جس نے

گھیر ان کو یعنی یاد کیا ان ناموں کو داخل ہوا جنت میں۔ وہ یہ ہیں۔

- ۱۔ هو الله الذي لا اله الا هو۔ ۲۔ الرحمن۔ ۳۔ الرحيم
- ۴۔ الملك۔ ۵۔ القدوس۔ ۶۔ السلم۔ ۷۔ المؤمن
- ۸۔ المهيم۔ ۹۔ العزيز۔ ۱۰۔ الجبار۔ ۱۱۔ المتكبر
- ۱۲۔ الخالق۔ ۱۳۔ الباري۔ ۱۴۔ المصور۔ ۱۵۔ الغفار
- ۱۶۔ القهار۔ ۱۷۔ الوهاب۔ ۱۸۔ الرزاق۔ ۱۹۔ الفتاح
- ۲۰۔ العليم۔ ۲۱۔ القايض۔ ۲۲۔ الباسط۔ ۲۳۔ الخافض
- ۲۴۔ الرافع۔ ۲۵۔ المعز۔ ۲۶۔ المذل۔ ۲۷۔ السميع
- ۲۸۔ البصير۔ ۲۹۔ الحكيم۔ ۳۰۔ العدل۔ ۳۱۔ اللطيف
- ۳۲۔ الخبير۔ ۳۳۔ الحليم۔ ۳۴۔ العظيم۔ ۳۵۔ الغفور
- ۳۶۔ الشكور۔ ۳۷۔ العلي۔ ۳۸۔ الكبير۔ ۳۹۔ الحفيظ
- ۴۰۔ المقيت۔ ۴۱۔ الحسيب۔ ۴۲۔ الخليل۔ ۴۳۔ الكريم
- ۴۴۔ الرقيب۔ ۴۵۔ الجيب۔ ۴۶۔ الواسع۔ ۴۷۔ الحكيم
- ۴۸۔ الودود۔ ۴۹۔ المجيد۔ ۵۰۔ الباعث۔ ۵۱۔ الشهيد
- ۵۲۔ الحق۔ ۵۳۔ الوكيل۔ ۵۴۔ القوي۔ ۵۵۔ المتين
- ۵۶۔ الولي۔ ۵۷۔ الحميد۔ ۵۸۔ المحصي۔ ۵۹۔ المبدئي
- ۶۰۔ المعيد۔ ۶۱۔ المحي۔ ۶۲۔ المميت۔ ۶۳۔ الحي
- ۶۴۔ القيوم۔ ۶۵۔ الواجد۔ ۶۶۔ الماجد۔ ۶۷۔ الواحد
- ۶۸۔ الفرد۔ ۶۹۔ الصمد۔ ۷۰۔ القادر۔ ۷۱۔ المقتدر
- ۷۲۔ المقدم۔ ۷۳۔ المونخر۔ ۷۴۔ الاول۔ ۷۵۔ الاخر
- ۷۶۔ الظاهر۔ ۷۷۔ الباطن۔ ۷۸۔ الوالي۔ ۷۹۔ المتعالي
- ۸۰۔ البر۔ ۸۱۔ التواب۔ ۸۲۔ المنعم۔ ۸۳۔ المنتقم
- ۸۴۔ الغفور۔ ۸۵۔ الرؤف۔ ۸۶۔ مالك الملك

۸۷- ذوالجلال والاکرام- ۸۸- المقسط الجامع
 ۸۹- الغنی المغنی- ۹۰- المانع المعطی- ۹۱- الضار
 ۹۲- النافع- ۹۳- النور- ۹۴- الہادی- ۹۵- البدیع
 ۹۶- الباقی- ۹۷- الوارث- ۹۸- الرشید- ۹۹- الصبور
 لا تمت کلمۃ اللہ

اسمائے صفات (سوائے اللہ کے جو اسم ذات ہے) اپنے اندر ترجمے
 معانی- تشریحات سب کچھ رکھتے ہیں۔ یہ صفات کس سے مانو اور کس سے مشتق
 ہیں۔ یہاں اس کی بحث نہیں۔ یہ صفات جلالی ہیں یا جہالی اور ان کا علیحدہ علیحدہ
 وظیفہ کون کون سے اثرات مرتب کرتا ہے اس کتاب میں اس کا بھی تعلق نہیں
 کتب صوفیائے کرام میں ان کا عمل درج ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اگر چاہیں۔
 اسمائے صفات جو صورت امر یا حقیقت محمدیہ صلعم سے متقدمین رحمۃ اللہ
 نے وابستہ کئے ہیں کم و بیش وہی ہیں جو حقیقت امر (باری تعالیٰ) کے لئے
 پیچھے لکھے جا چکے ہیں مندرجہ ذیل مزید صفات خصوصی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کے اسم گرامی کے ساتھ کلام اللہ کی روشنی میں پائی جاتی ہیں۔

اسماء الحسنیٰ

حضور پر نور علی الصلوٰۃ والسلام

- ۱- محمد- ۲- احمد- ۳- حامد- ۴- محمود- ۵- قاسم
- ۶- عاقب- ۷- فاتح- ۸- خاتم- ۹- حاشر- ۱۰- ماج
- ۱۱- داع- ۱۲- سراج- ۱۳- رشید- ۱۴- منیر- ۱۵- بشیر
- ۱۶- نذیر- ۱۷- ہاد- ۱۸- مہد- ۱۹- نبی- ۲۰- رسول- ۲۱- ظہ
- ۲۲- یس- ۲۳- مزمل- ۲۴- مدثر- ۲۵- شفیع- ۲۶- خلیل
- ۲۷- کلیم- ۲۸- حبیب- ۲۹- مصطفیٰ- ۳۰- مرتضیٰ- ۳۱- مجتبیٰ

- ۳۲۔ مختار۔ ۳۳۔ ناصر۔ ۳۴۔ منصور۔ ۳۵۔ قائم۔ ۳۶۔ حافظ
 ۳۷۔ شہید۔ ۳۸۔ عادل۔ ۳۹۔ حکیم۔ ۴۰۔ نور۔ ۴۱۔ حجت
 ۴۲۔ برهان۔ ۴۳۔ ابطحی۔ ۴۴۔ مومن۔ ۴۵۔ مطیع۔ ۴۶
 مذکر۔ ۴۷۔ واعظ۔ ۴۸۔ آمین۔ ۴۹۔ صادق۔ ۵۰
 مصدق۔ ۵۱۔ ناطق۔ ۵۲۔ صاحب۔ ۵۳۔ مکی۔ ۵۴۔ مدنی
 ۵۵۔ عربی۔ ۵۶۔ ہاشمی۔ ۵۷۔ تھانی۔ ۵۸۔ حجازی۔ ۵۹
 نزاری۔ ۶۰۔ قریشی۔ ۶۱۔ مضمی۔ ۶۲۔ اعی۔ ۶۳۔ عزیز۔
 ۶۴۔ حریص۔ ۶۵۔ روف۔ ۶۶۔ رحیم۔ ۶۷۔ یتیم
 ۶۸۔ غنی۔ ۶۹۔ جواد۔ ۷۰۔ فتاح۔ ۷۱۔ عالم۔ ۷۲۔ طیب
 ۷۳۔ طاہر۔ ۷۴۔ مطہر۔ ۷۵۔ خطیب۔ ۷۶۔ فصیح
 ۷۷۔ سید۔ ۷۸۔ متقی۔ ۷۹۔ امام۔ ۸۰۔ باز۔ ۸۱۔ شاف
 ۸۲۔ متوسط۔ ۸۳۔ سابق۔ ۸۴۔ مقتصد۔ ۸۵۔ مہدی
 ۸۶۔ حق۔ ۸۷۔ مبین۔ ۸۸۔ اول۔ ۸۹۔ آخر۔ ۹۰۔ طاہر
 ۹۱۔ باطن۔ ۹۲۔ رحمت۔ ۹۳۔ محل۔ ۹۴۔ محرم۔ ۹۵۔ آخر
 ۹۶۔ ناہ۔ ۹۷۔ شکور۔ ۹۸۔ قریب۔ ۹۹۔ منیب۔ ۱۰۰۔ مبلغ
 ۱۰۱۔ طس۔ ۱۰۲۔ حم۔ ۱۰۳۔ حبیب۔ ۱۰۴۔ اولی۔ ۱۰۵۔

رحمت الالعیالین :

وصلی اللہ تعالیٰ علیہ بعدد کل ذرۃ میناتہ الف
 الف مرۃ وبارک وسلم +

اسمائے لکھے جو کلام الہی میں کلام پاک سے متعلق ہیں وہ سوائے لفظ
 قرآن ایک اوپر چالیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ فرقان۔ ۲۔ ذکر۔ ۳۔ تنزل۔ ۴۔ احس الحدیث
 ۵۔ موعظ۔ ۶۔ حکیم۔ ۷۔ تذکرہ۔ ۸۔ ذکر

- ۹- حکم - ۱۰- حکمت - ۱۱- محکم - ۱۲- یس - ۱۳- شفا
 ۱۴- رحمت - ۱۵- ہدی - ۱۶- ہادی - ۱۷- صراط
 ۱۸- مستقیم - ۱۹- جبل اللہ - ۲۰- نعمت
 ۲۱- قص الحق - ۲۲- بتیاں - ۲۳- مبین - ۲۴- بصائر
 ۲۵- فصل - ۲۶- نجوم - ۲۷- مثانی - ۲۸- منشاہ
 ۲۹- برہان - ۳۰- بشیر - ۳۱- نذیر - ۳۲- قیوم
 ۳۳- مہین - ۳۴- نور - ۳۵- حق - ۳۶- حوت
 الیقین - ۳۷- عزیز - ۳۸- کریم - ۳۹- عظیم
 ۴۰- مبارک - ۴۱- روح +

اسمائے صفات جو ایک ہی آیت میں ایک دوسرے کی ضد میں آئے
 اور جن کا نزول مختلف جگہوں میں متعدد بار ہوا۔

- | | |
|---------------------|-------------------|
| ۱ :- انعام - غضب | ۲ :- ایمان - کفر |
| ۳ :- صلح - فساد | ۴ :- سفہ - عالم |
| ۵ :- ضلالت - ہدایت | ۶ :- ضیا - ظلمت |
| ۷ :- قطع - وصل | ۸ :- موت - حیات |
| ۹ :- تبدون - تکتمون | ۱۰ :- حق - باطل |
| ۱۱ :- امر - نسیاں | ۱۲ :- ادنیٰ - خیر |
| ۱۳ :- فضل - خسارہ | ۱۴ :- مسلم - شیت |
| ۱۵ :- سر - اعلان | ۱۶ :- امام - ظالم |
| ۱۷ :- شکر - کفر | ۱۸ :- یسر - عسر |
| ۱۹ :- ابيض - اسود | ۲۰ :- دنيا - آخرت |
| ۲۱ :- اثم - نفع | ۲۲ :- عزیز - حلیم |
| ۲۳ :- اساک - سرج | ۲۴ :- ظلمت - نور |

- ۲۵:- فقد - غنا - ۲۶:- صغیر - کبیر -
 ۲۷:- رشد - عنی - ۲۸:- آتا - تنزع -
 ۲۹:- لیل - نہار - ۳۰:- حنیف - مشرک -
 ۳۱:- طوعاً - کرہاً - ۳۲:- معروف - منکر -
 ۳۳:- ودّ - بغض - ۳۴:- حسنة - سیئة -
 ۳۵:- حمتی - ربو - ۳۶:- عنم - امن -
 ۳۷:- اشفا - تبدون - ۳۸:- بشارت - حزن -
 ۳۹:- نجیث - طیب - ۴۰:- قلیل - کثیر -
 ۴۱:- کراہت - خیر - ۴۲:- وسمع - غیر سمع -
 ۴۳:- یطع - تولی - ۴۴:- امن - خوف -
 ۴۵:- قاعد - مجاہد - ۴۶:- لو - اعراض -
 ۴۷:- بشیر - تذیر - ۴۸:- عزت - ذلت -
 ۴۹:- غل - مبسوط - ۵۰:- قبض - بسط -
 ۵۱:- حلال - حرام - ۵۲:- تولو - بلاغ -
 ۵۳:- شدید العقاب - غفور الرحیم - ۵۴:- عذاب - مغفرت -
 ۵۵:- سر - جہر - ۵۶:- کشف - نیان -
 ۵۷:- بر - بحر - ۵۸:- نفع - ضرر -
 ۵۹:- مستقر - مستودع - ۶۰:- ظاہر - باطن -
 ۶۱:- اول - اخذ - ۶۲:- یدہب - یتخلف -
 ۶۳:- ثقیل - تخفیف - ۶۴:- ضراً - نضیباً -
 ۶۵:- صعباً - آفاق - ۶۶:- تحمل - تترک -
 ۶۷:- خیر - سود - ۶۸:- وجہہ - دبر -
 ۶۹:- نفق - کنز - ۷۰:- نکث - عہد -

۷۱: غیب	-	شہادت - ۷۲: صلحا	-	سیا
۷۳: تاخر	-	تقدم - ۷۴: اعمی	-	بصیر
۷۵: عالی	-	سافل - ۷۶: شفقی	-	سعید
۷۷: سمان	-	عجاف - ۷۸: رطب	-	یابس
۷۹: اصل	-	فرع - ۸۰: فاصدع	-	اعرض
۸۱: ذکر	-	انتث - ۸۲: سموات	-	تحت الثری
۸۳: طلوع	-	غروب - ۸۴: رغب	-	ربیب
۸۵: تحت	-	فوق - ۸۶: حصیا	-	عظیم
۸۷: یسرفو	-	یغتر - ۸۸: علو	-	اسلم
۸۹: نجات	-	غبر - ۹۰: شیعہ	-	عدو
۹۱: لا	-	الا - ۹۲: لیسط	-	قدر
۹۳: عذاب	-	حسم - ۹۴: کذب	-	حق
۹۵: خوف	-	طبع - ۹۶: قوت	-	
۹۷: فوق	-	سفل - ۹۸: معتموقین	-	قائلین
۹۹: رحس	-	طهر - ۱۰۰: نکاح	-	طلاق
۱۰۱: یح	-	یخرج - ۱۰۲: ید	-	خلفت
۱۰۳: بین	-	شمال - ۱۰۴: ممسک	-	مرسل
۱۰۵: عذب	-	ملح - ۱۰۶: ظل	-	مسرور
۱۰۷: بین	-	خلف - ۱۰۸: محسن	-	ظالم
۱۰۹: متقی	-	فاجر - ۱۱۰: کذب	-	صدق
۱۱۱: ضال	-	هاد - ۱۱۲: غد	-	عنا
۱۱۳: مرض	-	شفا - ۱۱۴: آخرت	-	اولی
۱۱۵: ضحک	-	بکا - ۱۱۶: فنا	-	بفت

- ۱۱۷: بہتر - قاسق - ۱۱۸: بر - انم -
 ۱۱۹: تقوسے - عدوان - ۱۲۰: فخذو - قانتہو -
 ۱۲۱: جمیعاً - شتاً - ۱۲۲: عدو - ولی -
 ۱۲۳: طاعنی - راعب - ۱۲۴: نبضی - تدر -
 ۱۲۵: شمش - زمہریر - ۱۲۶: سبات - معاش -
 ۱۲۷: قدرت - آخرت - ۱۲۸: حفی - جہر -
 ۱۲۹: شفیع - وتر - ۱۳۰: افح - خاب -
 ۱۳۱: جن - انس -

اسمائے صفات کی ترتیل سے کئی ایک صفات کا مشرکہ تینوں حقیقتوں میں
 آنا ظاہر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں تینوں حقیقتیں ایک ہی دعوے کے لیے مثلی، کا
 اعلان کرتی ہیں۔ ۱۔ لیس کہ مثلیہ شیء (اللہ)۔ ۲۔ ایکو مثلی
 (رسول اللہ)۔ ۳۔ فاتو بسورۃ مثلیہ (کلام اللہ) اور سہ سہ
 حقیقت کا خاصہ "اجتماع صدیق" ہے اس لیے علیحدہ علیحدہ کسی ایک
 حقیقت کو لے کر کتاب کو کسی خاص ترتیب کے ماتحت پیش کرنا کاربے دارد
 سعی بہر چند ہوگی لیکن تناقص کی معذرت ساتھ ساتھ رہے گی۔ حقیقت امر اور
 صورت امر کے بارے میں جو کچھ بیان ہوگا۔ انہیں کی تشریحات یعنی قرآن پاک
 اور حدیث پاک کی روشنی میں ہوگا۔

حقیقت امر۔ صورت امر۔ کلام اللہ اور کلام رسول اللہ سہ چار میں مماثلت
 اور موافقت کا ثابت کرنا اور ان کو ایک ہی حقیقت اعلیٰ کا عکس ماننا کوئی معتمہ نہیں
 اس ماحول سے محفوظ رہی سی بھی دلچسپی رکھنے والے حضرات خوب واقف ہیں
 کہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حدیث پاک کلام اللہ عزوجل یعنی قرآن پاک
 کی ہی تفسیر ہے۔ اور کلام اللہ عزوجل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی اخلاق
 اور انہیں کی ہی نعت ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ عزوجل کی

ذات و صفات کے ہی مظہر اتم ہیں۔ اہل طریقت حضرات نے جو ان حقیقتوں میں موافقت اور برابری کے بول بولے ہیں یا تحریر کئے ہیں وہ بھی اسی پیش کردہ حقیقت کو سامنے رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ عامۃ الناس کو ان کے سمجھنے میں ایک مہلک مغالطہ لگا ہے۔ انہوں نے لباس کے جائے کو سامنے رکھا اور حقیقتیں طاق نسیاں رہیں۔ وہ ہمیشہ کوشاں ہیں کہ اللہ اور رسول اللہ کے درمیان فرق نکالیں اور چاہتے ہیں کہ بین ذلک کوئی سبیل مل جائے کلام اللہ اس کی تردید فرماتا ہے اور انہیں "اولئک ہوا الکافرون حقاً کے الفاظ سے منسوب کرتا + برخلاف اس کے علما اور عرفا نے لباس پر نظر نہیں رکھی بلکہ امر کی حقیقت اور صورت کو ایک جانا۔ ان کے لئے کلام اللہ نے وفائے احقر کا وعدہ فرمایا +

باب استقامت کے اخیر میں جو قول حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ استقامت یہ ہے کہ شرک نہ کرے۔ اس کو ہی لے لیں۔ آپ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و مودت کا کسی کو انکار ہے۔ اگر اس محبت کو ماسوا کا درجہ دیں تو (نعوذ باللہ) شرک لازم آگیا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ آپ کی محبت محمد ابن عبد اللہ سے نہیں بلکہ آپ کی محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نور من نور اللہ ہیں ان سے ہے۔ اور اسی بنا پر استقامت کے لئے آپ کے حکم اور مستقیم الفاظ کہ اللہ سے شرک نہ کرے کہنا ہی عین ایمان ہے +

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
 لہ
 اللہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

امر

یہ لفظ امر حقیقت اور صورت کا مضاف الیہ راقم الحروف نے بار اول

حضرت امام احمد غزالی رحمۃ اللہ کے کسی رسالہ میں دیکھا اس کا پہلا پہلو سے مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ عالم موجودات کے اوپر اس ایک اکیلے لفظ کا تصرف ہے۔ جو کچھ ہے یعنی خلق صورت امر ہے اور اسی صورت امر کا اس میں یعنی خلق میں تصرف ہے۔ لفظ امر کوئی جسمانی یا مرنی حیثیت نہیں رکھتا۔ نہ یہ محسوس ہے اور نہ مبصر۔ یہ غیر مادی اور قدسی ہے۔ عناصر اور مرکبات عناصر سے منزہ۔ لفظ حکم اس لفظ امر کا کمزور ترجمہ ہے۔ تفہیم کے طور پر امر حکم عرض۔ حقیقت اعلیٰ کی ایک صفت کا ہی افراط۔ توسط اور تفریط ہے۔ کلام الہی میں جہاں جہاں لفظ امر وارو ہوا ہے۔ ہر قسم کی علت سے بے نیاز رہا۔ امر جب پہنچتا ہے۔ تو ہو کر ہی رہتا ہے۔ یا بندہ کا اس میں کوئی اختیار نہیں رہتا۔ مندرجہ ذیل چند مثالیں اس کی وضاحت کے لئے کلام اللہ سے پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ حتیٰ اذا جاء أمرنا وفار التنور (سورہ ہود)۔
یہاں تک کہ جب آیا امر ہمارا (ساتھ عذاب کے) اور جوش مارا (پانی سے) تنور سے۔ یہ واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر گذرا + تنور سے پانی کا نکلنا عقل کے تحت محال ہو تو ہو لیکن ایسی ضدوں کا جمع ہونا امر کا ادا کرنے کا شائبہ ہے۔

۲۔ ولما جاء أمرنا نجينا هوداً والذين آمنوا معه برحمة منا۔ (ہود)۔ اور جب آیا حکم ہمارا ساتھ اوس کے اور وہ چار ہزار آدمی تھے کہ سب کو ساتھ ہود علیہ السلام کے بچا دیا ہم نے عذاب سے اپنی طرف سے رحمت کے ساتھ اور نجات دی ہم نے اُن کو گاڑ ہے عذاب سے۔ یہ قوم عاد اولیٰ تھی۔ دوزخ کی ہوائے گرم اُن کے نتھنوں سے گھس کر شمر گاہوں سے نکل گئی اور ان کے تمام انداموں کو ٹکڑے ٹکڑے کر گئی۔ اسی طرح عاد ارم کہ وہ عاد ثانیہ تھے قوم ثمود کے ساتھ ہلاک ہوئے جن کا نبی صالح علیہ السلام تھا

زاد المسیر میں ہے کہ تین دن جو وعدہ حیات رکھتے تھے گھروں میں
 بیٹھ کر قبریں کھودیں اور عذاب کے منتظر رہے۔ چوتھے دن آفتاب طلوع ہوا
 اور عذاب نہ آیا۔ گھروں سے نکل کر ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ ناگاہ
 حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی صورت اصلی پر ظاہر ہوئے زرو قدم سبزیاں
 سفید دندان۔ پیشانی نورانی رخسارے چمکتے ہوئے۔ بال سرخ بزرگ مرجان
 افق چھپ گیا۔ نمودی یہ دیکھتے ہی گھروں میں قبروں میں در آئے۔ جب جبرئیل
 علیہ السلام نے نعرہ مارا کہ ”موتو علیکم لعنتہ اللہ“۔ یک بارگی سب مر گئے۔
 گھروں میں ان کے زلزلہ پڑا۔ چھتیس گر پڑیں + امر کے آگے عقل کے مہوش
 اڑ گئے۔

۳۔ فلما جاء امرنا جعلنا عايلها ساقطها۔ (ہود) ”جب
 امر ہمارا آیا کیا ہم نے اوپر اس شہر کا نیچے اس کے یعنی الٹ دیا“ یہ لوط علیہ السلام
 کی قوم کا قصہ ہے جب امر الہی سے جبرئیل علیہ السلام نے اس قوم کے شہر کو
 اپنے پروں پر اٹھالیا یہاں تک کہ آواز سگ اور خروس مرغ اہل آسمان نے
 سنی۔ پھر اس کو الٹا کر کے گرا دیا۔

۴۔ ولما جاء امرنا نجينا شعيب والذين معه بحمّة
 منا (ہود) اس آیت مبارکہ میں بھی قوم مدین کی تباہی اور ہلاکت کا ذکر
 ہے اور اس قوم کو قوم ثمود سے تشبیہ دی ہے کہ ہلاکت دونوں کی ایک طرح
 کے عذاب سے تھی کہ صیحہ جبرئیل علیہ السلام تھا حضرت ابن عباس فرماتے ہیں
 کہ نہیں ہوئیں تباہ دو امتیں ایک عذاب سے مگر قوم شعیب اور صالح علیہم السلام
 ایک کو عذاب تحت سے ہوا ایک کو فوق سے +

۵۔ وكذا لک اوحینا الیک روحاً من امرنا سورۃ النبی اور اسی

طرح وحی کیا ہم نے طرف تیرے قرآن کو امر اپنے سے یہاں سارے قرآن کو
 روح کہا گیا ہے اس واسطے کہ اس سے دل زندہ ہوتے ہیں جیسے کہ بدن روح

سے حیات پاتے ہیں اور اس روح (قرآن) کو صفت امر کا ہی منظر بنایا۔
جب کلام اللہ منظر امر ٹھہرا تو لامحالہ منظر اجتماع ضدین بنا۔ حقیقت کا خاصہ
منظر ہیں پایا جانا لازمی ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں ”قل الروح من امر ربی“ سے بھی امر
کی کار فرمائی کو فہم وادراک کی رسائیوں سے بلند و بالا رکھا۔

۶۔ قلنا یا نار کو فی برداً و سلماً علی ابراہیم (سورہ انبیا)
و فرمایا ہم نے اسے آگ ہو جائیگا اور سلامتی والی اور ابراہیم علیہ السلام کے
یہاں بھی امر کا تصرف ضد کی شکل میں ظاہر ہوا۔ آگ آگ بھی رہے اور گلزار
بھی بنے

۷۔ امر آمن عندنا انا کتا مرسلین (سورہ الدخان)
و حکم کیا ہم نے حکم کرنا ساتھ فیصل کرنے قضا یا کے اس شب میں نزدیک اپنے
سے۔ یہاں بھی امر کے اعجاز شب برات کہ نصف شب شعبان ہے۔ کے
بیان میں ظاہر فرمائے۔ فرشتوں کا اترنا۔ دعائیں قبول ہوتی۔ حصہ موتی تقر
پانا۔ رزق بٹنے وغیرہ یہ سب کچھ ایک رات میں طے پانا۔ اور سارے سال کا
بجٹ بیک وقت تیار ہونا۔ سال بھر کی ظہور صفات کو ایک رات میں اکٹھا
کرنا۔ امر کی بادشاہی سے بعید نہیں۔

۸۔ اسی طرح جب ابراہیم علیہ السلام کی بیوی نے فرشتوں کی زبانی بچے
کی بشارت سنی تو حیرانگی سے پکارا عا ا ل د و انا عجوز و ہذا البعلی
شیخاً۔ ان ہذا الشی عجیب و فرشتوں نے یہی جواب دیا۔ ا تعجبین
من امر اللہ۔ ”کیا تمھے اللہ کے امر میں تعجب ہے۔ یعنی اجتماع ضدین
کو محال سمجھتی ہے۔ امر اللہ کے آگے یہ کچھ مشکل نہیں (سورہ ہود)

کلام الہی ایسی مثالوں سے مہر ا پڑا ہے۔ جہاں کہیں لفظ امر وارد ہوا
اپنے ساتھ ایسے ہی اعجاز لایا۔ حقیقت امر ہو۔ صورت امر ہو یا صاحب

ہو ہر سہ کی ابتدا عقل کی انتہا سے شروع ہوتی ہے۔ ہر سہ اپنے اندر سنت کے علاوہ قدرت رکھتے ہیں۔ اور ان کی یہی قدرت محال کو ممکن کر دیتی ہے۔ یہ حقیقتیں بیان کردہ ہر صفت کی بیک وقت حامل ہوتی ہیں۔ امر ہمیشہ اپنے ہمراہ قدرت اور طاقت رکھتا ہے اور ان کا عمل بھی قضائے امر کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ نے کہا کہ خلق تو عرش اور اس کے نیچے سب ہے اور امر اس سے اوپر ہے اور اس سے نکالا کہ کلام اللہ مخلوق نہیں + حکم اور عرض کا یہ درجہ نہیں۔ حکم جب پختا ہے تو یا بندہ کا اختیار اس میں چھوڑے رکھتا ہے اور حکم اپنی قدرت اور طاقت کو روکے رکھتا ہے پھر تعزیر اور مواخذہ ہے۔ کلام اللہ میں معروف و نہی سب اس حکم کے تحت ہیں۔ جن کا حاکم حقیقت میں اللہ ہے اور صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کا درجہ سب سے نچلا ہے۔ اس میں نہ تو امر کی سی وجاہت ہے اور نہ حکم کی سی تعزیر۔ یہ صرف کسی شے کے روبرو کی جاتی ہے اور اس کا ماننا یا نہ ماننا اس شے کی مرضی پر چھوڑا جاتا ہے + حکم کا ابا کیا۔ شیطان رحیم ہو گیا۔ ابا و استکبر و کان من الکافرین آیہ انا عرضنا الامانتہ . . . انحر (سورہ احزاب) میں امانت کا روبرو کرنا اور آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کا آبا ان کے لئے کچھ نقصان دہ نہ ہوا۔ اور نہ ہی ان سے کوئی مواخذہ لیا گیا۔

خلق و امر سب اسی کی قدرت کاملہ ہے اور ان میں وہی قادر مختار کسی کو ذرہ بھر تجاوز کا اختیار نہیں بلکہ ممکن نہیں کہ کوئی اس کے حکم قدرت عظیم سے سوائے مستحضر ہونے کے جنبش کر سکے + سب کو اپنی مشیت پر اور نفاذ قدرت پر تفویض فرمایا + خلق اس کا مخل ہے اور امر اس کی صفت ہے۔ خلق تو اشباح میں جاری ہے اور امر اس کا ارواح میں

جارہی ہے + نور خلق سے تمام عقول کو مبہوت فرمایا اور اپنی نشانیوں
 کے سمجھنے میں حیرت ناک کر دیا + ادھر امر کی تجلی سے دلوں کو صفات کی
 طرف جذب کیا پھر مخلوقات انہام اس کے وصف صفات سے عاجز
 ہوئے اور زبانیں اس کی مدح سے گونگی ہو گئیں تو خود اپنی ذات پاک کا
 وصف فرمایا - بقولہ تعالیٰ «تبارک اللہ رب العالمین»
 حقیقت امر کا انکشاف سوائے صاحب امر حضرات کے محال
 ہے - یہ اس لئے کہ اس حقیقت کا دوسرا نام اللہ ہے جو اسم ذات
 ہے اور معرفت اسم ذات غیر ممکن ہے کہ اس کو سوائے اسی حقیقت
 کے اور کوئی جانے + اولاً امر حضرات نے اس لفظ اللہ سے کئی ایک
 اشارات نکالے ہیں - اور ان کے حروف - الف - لام - لام اور
 کو کئی طرح پیش کیا ہے - باوجود اس کے تمام بندگان مقربین مقام حیرت
 کمال میں ہیں - اور یہ ان کی حیرت حیرت عوام کی سی نہیں جو نفاق و کفر
 ہے بلکہ حیرت مقربین ہے جو کمال معرفت ہے - شیخ شبلی نے کیا کہ اللہ
 احد سوائے سحر و جمل کے کوئی نہ کہنے والا نہیں - کیونکہ کمال عرفان بھی حفظ
 روح ہے اور حقیقت کو حفظ کے ساتھ اور اک نہیں کر سکتے بعض علمائے
 کہا کہ اللہ ایسا نام پاک ہے کہ اس نام تک رسائی محال ہوگی جب
 نام تک رسائی محال ہو تو جس کا نام ہے اس کی کہہ ذات تک رسائی محال
 المحال ہو - پس مخلوق کو تہنید فرمائی کہ ذات حق کے واسطے شیطانی
 وسوسہ قبول نہ کریں جب کہ وہ نام حق سے عاجز ہیں + حدیث شریف
 میں آیا ہے کہ شیطان بندہ مومن کے پاس آکر کہے گا کہ یہ کس نے پیدا کیا
 اور وہ کس نے پیدا کیا حتیٰ کہ کہے گا کہ اگر ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اللہ تعالیٰ
 کو کس نے پیدا کیا پس حیرت شیطان یہ وسوسہ لاوسے تو لا الہ الا اللہ
 کہنا چاہیے یعنی حقیقت امر کو دور کر کے نور امر کو دل میں جگہ دے کہ

اس کی ذات و صفات اس سے اعلیٰ ہے کہ کوئی مخلوق بے حقیقت اس کا اور اک کر سکے + جب حال و قال سے اس کی توحید رسائی نہیں تو عین رحمت سے بندوں کا عذر قابل پذیرائی ہے + کتاب ہذا بھی اسی عذر سے وابستہ ہے۔ اور اجتماع ضدین کو بھی اسی عذر کا ہی عنوان دیا گیا ہے۔ نہ تو اس کتاب میں اپنے نفس کی کوئی خوشی پوری کی گئی ہے۔ کیونکہ نفس کا ساتھی اخلاص سے دور ہوتا ہے اور نہ ہی مطالعہ کرنے والوں کو کسی ایک واضح اور مکمل نصب العین تک لے جایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے جیسے کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔

قابل غور یہ نکتہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ صورت امر سے پہلے کہا گیا ہے میں تمہیں اور صورت امر کے بعد اللہ میں آئیں۔ اور ان دونوں کو جمع کر کے اپنے آپ کو اللہ کہا گیا۔ اور یہ کہلو اور خود کو زمان و مکان کی قید سے آزاد ثابت کر دیا۔ کسی شے کا ثابت ہونا ہر حال میں یا تو زمان کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے یا مکان کے ساتھ اور خود زمان و مکان کا ثبوت فنا کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ جس شے پر فنا وارد نہ ہو اس کا ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ عالم خلق تمام کا تمام زمان و مکان کی قید میں ہے اور فانی ہے۔ لیکن عالم امر جس کا کہ یہ عالم خلق لباس ہے نہ کسی زمان و مکان کی قید میں ہے اور نہ ہی اس پر کسی قسم کی فنا وارد ہے حقیقت امر کی طرح امر بھی کسی قسم کے تناقص سے مبرا و منزہ ہے + اسی امر کو جو غیر فانی ہے لباس خلق پہنایا جو فانی ہے۔ اور اپنی دونوں صفات کو (یعنی امر و خلق) کو جو بالترتیب غیر فانی اور فانی ہیں اکٹھا کر دیا۔ اور اپنی کمال قدرت سے اس اجتماع ضدین کو اس طرح نبھا رکھا ہے کہ شان امر کہنے والے ہی جانیں ان دونوں ضدوں کی اجتماع اولین سے ہی باقی صفات کی ضدوں کا اجتماع بیان ہوگا۔ انشاء اللہ +

ہوا اول والاخر و الظاہر والباطن

”وہی سب پہلے اور سب کا بنانے والا قدیم ازلی کہ اول اس کے کی ابتدا ہی نہیں۔ اور وہی ہے سب سے پیچھے باقی ابدی کہ آخر اس کے کو انتہا ہی نہیں۔ اور وہی ہے سب سے ظاہر و لیلوں کے سبب چھپا ہوا کہ وہم اور خیال میں کسی کے نہیں آتا۔ اس آیت قدسیہ کو اگر دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پہلا حصہ۔ ہوا اول والاخر زمان کے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا حصہ۔ ہوا الظاہر والباطن مکان کے ساتھ۔ لیکن چونکہ وہ ذات زمان و مکان سے پاک ہے جیسے کہ پیچھے آتے کہا جانے کے تحت معلوم ہوا تو لازماً اس کا اول اس کا آخر ہوا اور آخر اول۔ اسی طرح اس ذات کا ظاہر اس کا باطن اور اس کا باطن اس کا ظاہر ہوا۔“

اول آخر کے ساتھ ملا تو زمان اٹھ گیا ظاہر باطن سے ملے تو مکان نہ رہا۔ تفسیر بحر الحائق میں ہے۔ کہ اول ہے عین آخریت میں۔ اور آخر ہے عین اولیت میں۔ اور ظاہر ہے عین باطنیت میں۔ اور باطن ہے عین ظاہریت میں۔ شیخ ابو سعید خزاز قدس سرہ سے پوچھا کہ اللہ سبحانہ کو کس چیز سے پہچانا تم نے۔ فرمایا اس سے کہ ضدین جمع فرمائی ہیں پھر یہ آیت پڑھی اور کہا کہ منظور نہیں ہے جمع اضداد و حیثیت واحدہ میں مگر اسی واحد میں اس کے علم میں اول و آخر برابر ہے اور ظاہر و باطن ایک ہے۔ یہ تھا مطالعہ حضرت ابو سعید خزاز رحمۃ اللہ کا حقیقت نامہ میں۔ راقم الحروف کو ان کے بیان میں صورت امر اور صاحب امر کے متعلق کچھ نہیں ملا۔ داتا گنج بخش رحمۃ علیہ کی تصنیف کشف المحجوب

میں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ پہلے صاحب ہیں جنہوں نے فنا و بقا کی تعریف الفاظ میں کی۔

اس کے جلوے کا تو کیا کہتے مگر
دیکھنے والے کو دیکھ جیسا ہے

تفسیر شیخ ابن کثیر میں ہے کہ یہی وہ آیت ہے جو حدیث عربیہ میں
بن ساریہؓ میں گذری کہ وہ ہزار آیت سے افضل ہے۔ شاید اس
اجتماع ضدیں کے پیش نظر اسے افضل فرمایا گیا ہو۔ منطقی نقطہ نظر سے
ابتدا اور انتہا کے درمیان ہر چیز محدود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ پاک
ہے کہ وہ محدود ہو سکے اس لئے اس کا اوّل اور آخر بیک وقت
ایک ہے۔ اوّل ایسا کہ اس سے پہلے کوئی شئی نہیں۔ آخر ایسا کہ اس
کے بعد کوئی شئی نہیں۔ ظاہر ایسا کہ ایسے فوق شئی (اس سے اوپر
کوئی شئی نہیں) اور باطن ایسا کہ "ایسے دونے شئی" (اس سے دوسرے
کوئی چیز نہیں ہے)۔

جیسے اوّل و آخر سے وقت اٹھا ایسے ہی ظاہر و باطن سے جبکہ
منفوق و ہوتی۔ جب زمان و مکان سے پاک ہوا تو شانِ عظمتِ الہی
ظاہر ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ کی شان میں عقل فنا ہوئی تو واجب ٹھہرا کہ
ذات میں غور نہ کیا جائے۔ صفاتِ الہی عزوجل میں بھی عقلیں رسائی
نہیں کر سکتیں۔ ہاں صفات میں فکر کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ عقل بالکل
نورانی ہو جاتی ہے۔ اور انسان اپنی خودی کی نجاست سے خارج
ہو کر عین نور ہو جاتا ہے۔ تفسیر "مواہب الرحمن" میں صاحب "مواہب
اللبیان" نے جو اسرار اس آیت پاک کے لکھے ہیں ذیل میں درج ہیں۔
"اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ذات و صفات و لغوت و اسما کا
بھید ظاہر فرمایا اور باطن غیب اور الغیب وغیرہ کو اظہار کیا تاکہ عارفین

کی ارواح اُس کے قدم و بقا میں متخیر ہوں اور موعدتیں کے اسرار اس کی
 ذات و صفات میں فنا ہوں۔ اور ان اسرار سے کچھ اور اک نہیں ہوتا
 سوائے تخیر کے کیونکہ اسرار کو ذکر سے کسی نے نہیں پہچانا۔ اور ابد
 تک کئے صفات کو کوئی نہیں پہچان سکتا ہے + اس واسطے کہ جملہ
 مخلوقات ہیں + اُن کے واسطے اولیت نہیں تو اولیت کو کیونکہ پہچان
 سکتے ہیں + اور اُن کے واسطے آخریت نہیں ہے تو آخریت کو کیونکہ
 پہچان سکتے ہیں۔ اور اُن کے واسطے ذاتی حقیقت نہیں ہے تو کئے
 حقیقت کیونکہ پہچان سکتے ہیں۔ یہ بحر بے پایاں ہے۔ یہاں ادلیس
 و آخرین اس کے ایک قطرہ میں غرق ہیں اور عجب یہ کہ ابھی تک پیاسے
 ہیں۔ اور میری کیا مجال ہے کہ قدم و ابد کو دریافت کرنے پر متوجہ
 ہوں کیونکہ آفتاب الوہیت کی شعاعیں عقل کے ابصار کو جلاتی ہیں
 اور اس کے اسرار میں اذکار متخیر ہیں۔ پس میری یہی راہ ہے کہ میدان
 ناپیدا کنار میں شیر کے سامنے سے بھاگوں۔ مہلا کہاں مشیت خاک ترسا
 ہے اور کہاں رب الارباب ہے۔ آدلیت و آخریت سے بے انتہا
 دور زمانہ کا گھوڑا گر پڑا اور مکان کا نشان نہ رہا۔ سمجھ گم ہے اور عقل
 تھک کر حیران ہے۔ نہ وہاں زبان ہے نہ بیان ہے۔ نہ دلیل ہے
 نہ عرفان ہے۔ سبحان اللہ وہی اول ہے جس نے ازل کے ازل پیدا
 کئے۔ اور وہی آخر ہے جس نے ابد کے ابد پیدا کئے۔ وہی ظاہر ہے
 کہ اس کے صفات و افعال میں کمال ظہور ہے۔ لیکن مخلوقات فانیہ
 پر ہزاروں پردے ہیں کیونکہ حق عزوجل کے واسطے کوئی چیز حجاب
 نہیں ہو سکتی۔ کیا اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے ہو کہ چیز وہاں کہاں پہنچ
 سکتی ہے۔ اور وہی باطن ہے کہ اس کی کئے اور اک مجال ہے۔ اشیا
 کی علت کون پہچانتا ہے جو اولیت پہچانے۔ اور دوام بے انتہا کی نہیں

کس نے دیکھی جو آخریت پہچانے۔ اور آنکہ کہاں ہے جو ظاہریت دیکھے
 اور ارواح و نفوس کو کون پہچانتا ہے جو اس کی باطنیت پہچانے پس
 عقل کا کمال یہی ہے کہ اس کو اصل الکل جانے۔ اور اس کی اولیت
 کے واسطے زمانہ کا شمار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ زمانہ اسی سے پیدا فرمایا
 ہے۔ اور اس کی ظاہریت کے واسطے جو اس کا ظہور بے کار ہے کیونکہ
 یہ کمتر مخلوق اپنے دائرہ امکان میں ناپائیدار ہے۔
 یہ ہے جذب شوق میں الوہیت کے صفات کا بیان کسی
 صاحب امر کی زبان سے۔

والشفع والوتر (الفجر)

ترجمہ: قسم ہے شفع (جنت) کی اور قسم ہے وتر (طاق) کی۔
 اس آیت مبارکہ سے بھی نفس مضمون کو کافی مواد ملتا ہے۔ یہ دونوں الفاظ
 شفع و وتر حقیقت میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور خود اپنے میں بھی
 اجتماع ضدین کا بحر بکیرا رکھتے ہیں۔ فقہائے عظام نے ان دونوں
 لفظوں کی تشریح میں اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کافی خواہی کی
 ہے۔ اور بڑے بڑے انمول مولیٰ نکالے ہیں۔ راقم الحروف نے
 اختصار کے پیش نظر مشتے از خروارے قارئین کرام کی خاطر پیش کئے
 ہیں جو ملاحظہ فرمائیں۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ الوتر اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور الشفع
 تم لوگ ہو۔ اس روایت کے یہ معنی نہیں ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شمار
 میں آتا ہے تو وہ طاق ہے۔ یہ معنی باطل ہیں اس لئے کہ شمار میں آنا اور
 طاق و جنت ہونا سب عوارض ہیں اور جس معروض کو عارض ہوں وہ
 ان سے موصوف ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ وہ شمار میں آوے

اسی واسطے امام ابو حلیفہؒ کی فقہ اکبر میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے لیکن عدد اور شمار کی راہ سے نہیں بلکہ اس معنی میں کہ وہی ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔ مجاہدؒ سے روایت ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ جفت ہے۔ آسمان و زمین۔ خشکی و تری اور جن و انس

ہے اور سورج و چاند ہے و علیٰ ہذا القیاس + بعض مفسرینؒ اس طرف گئے ہیں کہ جفت و طاق دو چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں اور انہیں کے شمار سے مخلوقات پیدا کیں ایک وہ جو ظاہر و محسوس ہیں اور دو تم وہ جو روحانی آثار و آخرت سے متعلق ہیں۔

زیادہ تر مفسرینؒ کا رجوع اس قول کی طرف ہی ہے کہ الشفع مخلوق کے صفات ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مخلوق میں کمال محال ہے تو ہر مخلوق میں دونوں ضد موجود ہونا ضروری ہے۔ جیسے علم و جہل یعنی مخلوق میں جو شخص عالم ہے وہ ضرور جہل بھی رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ اپنی روح کی حقیقت سے جاہل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بن طہمانؒ ثقات محدثین میں سے گذرے ہیں ان کی نسبت ایک مشہور حکایت ہے کہ کسی نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا۔ فرمایا کہ میں نہیں جانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ ہر مہینہ اس قدر عطیہ لیتے ہیں اور ایک مسئلہ کا جواب نہیں جانتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ میں جو کچھ لیتا ہوں وہ تو اسی قدر کا عوض ہے جو میں جانتا ہوں اور اگر میں اپنے نہ جاننے کے حساب سے لینا شروع کروں تو تمام بیت المال خرچ ہو جاوے اور جن کو میں نہیں جانتا ہوں وہ ابھی بہت باقی رہیں یعنی بے شمار مسائل جن کو میں نہیں جانتا ہوں ایسے باقی وہ ہیں جن کے لئے بیت المال میں کچھ باقی نہیں ہے۔ خلیفہؒ نے یہ جواب پسند کیا اور ابراہیمؑ کے واسطے انعام وافر بھیجا اور ان کی ماہواری رزق میں بڑھا دیا۔ علما متقدمین اس طرح کے سچے سچے تھے۔ اس بیان میں

علما کے واسطے عبرت بھی ہے کہ وہ اپنے نفس کو جاہل سمجھتے رہیں اور عوام کو چاہیے کہ اپنے علما کی تعظیم کریں اور اللہ تعالیٰ اجل جلالہ کی عظمت پہچانیں۔

خلاصہ اس قول کا یہ ہوا کہ مخلوقات میں سب صفتیں جفت یا تضاد میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً علم و جہل۔ قدرت و عاجزی حیات و موت بلکہ وہ تمام ضدیں بھی جو راقم الحروف نے کلام پاک سے جمع کیں ہیں اور پہلے لکھی جا چکی ہیں۔

یہاں اس الجھن کو دور کر دینا بھی ضروری سمجھا گیا ہے وہ یہ کہ ضدین اوصاف مخلوق کے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ افراد صفات الہی عزوجل ایسے ہیں جو تناقص سے پاک ہیں۔ مثلاً جناب باری تعالیٰ اجل شانہ میں علم ہے اور جہل ندارد۔ قدرت ہے عاجزی ندارد۔ حیات ہے موت نہیں۔ نگہبانی ہے۔ غفلت۔ نیند اور اونگھ کچھ نہیں۔ قوت ہے ضعف نہیں وغیر ذلک۔ تو معاً خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آخر یہ تناقص والی ضدیں کہاں سے ظہور پذیر ہوئیں۔ جب تمام صفات اسی کا۔ پرتو ہے تو ضعیف صفتوں کا وجود کہاں سے آیا۔ اللہ عزوجل توفیق فرمائے اس پیچیدگی کا حل یوں کریں کہ اللہ عزوجل وتر ہے اور اس میں صفات قدس کمال ہیں۔ تناقص اصل میں کوئی شے نہیں۔ صرف کمال کی ہی تفریط ہے۔ جو افراط و تفریط صفات کے عنوان میں وضاحت سے بیان کی جا چکی ہیں۔ عالم خلق سب کا سب اسی جاہل میں پھنسا ہوا ہے۔ یہ ایک سر الہی ہے جو نہ کسی تفضیل اور نہ ہی کسی اجمال کا مقتضی ہے۔ عالم عقل خود مخلوق ہے۔ اس لئے عقل والے اس بھنور کی گرہ کھولنے سے عاجز ہیں۔ صاحب امر یا صورت امر ہی اس حقیقت کو جانے۔ یہ ایک باریک علم ہے اور بنظر دقیق اس میں

ہزاروں نکات پوشیدہ ہیں۔ کلام پاک سے ماخذ ضدوں کا بغور مطالعہ شاید توفیق الہی سے تیرے دل میں کوئی چمک پیدا کر دے۔ جس سے تو متحیر ہو جائے اور تیرا مقصد بر آئے، اسے حیرت زدوں کے مولا میری حیرت بڑھا دے !!!

کیا یہ عجیب نہیں کہ ہر چیز جو موجودات سے ہے خواہ برعری ہو یا غیر برعری یعنی جس چیز کو بھی کہ نام دیا جاسکے وہ سب کی سب ایک دوسرے کا جوڑا اور ضد ہے اور یہ اشیاء انفرادی حیثیت کے علاوہ یعنی انفرادی اجتماع ضدیں کے علاوہ بطریق مخالفت یا بطریق شکل بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ضدیں آپس میں بے شمار طرق سے رونما ہوتی ہیں۔ بیان کردہ اعداد کا مجموعہ جو کہ کلام الہی سے اخذ کیا گیا ہے اس کا مطالعہ یہ طرق واضح کرتا ہے۔ کہ کوئی ضد تو بحسب شکل ہے۔ کوئی بحسب مخالفت ہے۔ کوئی بطریق احساس ہے۔ کوئی بطریق ورود ہے۔ کوئی آگے پیچھے آنے والی ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں صرف چند بالترتیب پیش کی جاتی ہیں۔ مرد۔ زن۔ نور۔ ظلمت۔ تر۔ خشک۔ آسمان۔ زمین۔ بحر۔ بر۔ گرمی۔ سردی۔ جن۔ انس۔ علم۔ قہر۔ جن۔ شجاعت۔ جو۔ بخل۔ حق۔ باطل۔ کفر۔ ایمان۔ شقاوت۔ سعادت۔ جلو۔ ٹر۔ مرض۔ صحت۔ غنا۔ فقر۔ صحت۔ بکا۔ فرح۔ غم۔ موت۔ حیات۔ رات۔ دن۔

یہ سب اس لئے کہ تعدد ہر چند صفات ممکنات ہے۔ اگرچہ ظہوران کا واجب بالذات سے ہی ہے۔ اور واجب کسی حالت میں بھی تقسیم یا تعداد کا قائل نہیں ہو سکتا۔ یہاں عقل و علم کے ہوش کیوں نہ کم ہوں۔ علم و عقل خود ان تمام صفات والے بحر بکیراں کے دوا دئے قطرے ہیں انفرادی طور پر دوا شیاء کا آپس میں تضاد تو عقل نے پایا

اور اُس کو کمالِ قدرت کا نام دے کر کچھ تسلی بھی کر لی۔ لیکن شیے واحد میں تضاد بلکہ تضاد ورتضاد کو کونسی طاقت پہنچے، حضرت انسان کو ہی لے لیجئے اور ادھر موت و حیات ضدوں کو بھی خیال میں جگہ دیں۔ انسان کے ہر اندام میں روحِ زندگی رواں ہے۔ کسی ایک حصہ یا عضو کو تکلیف دینے سے حیات کا احساس ہوتا ہے۔ جسم کے لاتعداد بالوں میں سے ایک بال کا پکڑنا یا کھینچنا ثبوتِ احیاء کے لئے کافی ہے۔ لیکن قدرت نے خود ان ہی بالوں میں موت پوشیدہ رکھی ہے۔ قینچی سے کسی ایک بال کی یا سارے بالوں کی تراش و تقصیر بدن میں روانی حیات کو موثر نہیں کر سکتی۔

اس ظاہری موت و حیات کے علاوہ انسان میں ایسی ہزاروں جہتیں اور اُسی قدر اموات ہر آن جاری و ساری ہیں۔ اگر وہ ایک طرح سے زندہ ہے تو دوسری طرح سے مردہ۔ روح کے نور میں نفس کی اندھیریاں ہی لے لیجئے یا طبیعت کی اندھیریوں میں قلوب کی زندگی اور صفائی۔ جو لوگ اپنی طبیعت کی پرورش میں پڑے رہتے ہیں اور برابر پلے درپلے اس کی تاریکیاں بڑھاتے رہتے ہیں ان کے سرِ باطن کے انوار زائل ہوتے رہتے ہیں اور اس کے برعکس جن ابدان میں نورِ قدیم کی روشنی چمکتی شروع ہو جاتی ہے تو حدوت شکستہ ہوتے جاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو ارح و اعظما مضحل ہو کر فنا ہو جاتے ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ حدوت کے آثار ایسے لوگوں میں ظاہر نہیں ہوتے اور وہ جسم رکھتے ہوئے بھی لطیف ہوتے ہیں۔ انسان کے علاوہ بھی کسی چیز کو دیکھیں تو ذرا سے غور کرنے پر معلوم ہو جائے گا۔ کہ ہر شیے دوسرے کی ضد ہے۔ اگر آسمان اس قدر بلند ہے تو اس کی ضد زمین۔ اس قدر پست ہے اگر رات اتنی تاریک ہے تو دن ایسا روشن ہے۔

آفتاب میں حرارت ہے تو قمر میں برد و ست ہے اگر خشکی خالی پیدا
فرمائی تو اس کے مقابلے میں آبی سمندر بنایا۔ انسان کو مجبور ظاہر کرنے
کے واسطے تندرستی کے ضد میں بیماری پیدا کی۔ اور اس جیسی ہزاروں
ضدیں جمع فرمائیں جن کا احاطہ محال و ناممکن ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ اپنے بیٹے اسماعیل
علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ بیٹے سے رائے دریافت کی تو جواب
پایا "يَا بَتُّ الْفَعْلُ مَا تَوْمَرُدُ اے باپ کر گزریں جو آپ کو
امر دیا گیا ہے)۔ بچے کا ذبح۔ چھری کا کند ہونا۔ فدیہ کے طور پر ذنبہ
کا چھری کے نیچے آنا اور ذبح ہونا یہ تمام امور فہم و ادراک کے احاطہ
سے باہر تھے۔ لیکن عالم امر کے احاطہ میں تھے۔ اس حقیقت امر کے
عرش عظیم کو ملائکہ اربع (علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ حکمت) اٹھائے
ہوتے ہیں۔ اور ان چاروں کی حقیقت بھی عالم خلق سے پہلے رکھی
ہے۔ علم الہی ہو۔ یا قدرت الہی ارادہ الہی ہو یا حکمت الہی یہ
چاروں حقیقت امر کے سپاہی ہیں۔ ان چاروں طاقتوں کا کم از کم حصہ
عالم خلق میں بھی ودیعت کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے حقائق اعلیٰ کو جو بالترتیب
۱۔ انکشاف۔ ۲۔ کمال بلوغ۔ ۳۔ تقدس اور۔ ۴۔ عدالت ہیں
کل من علیہا فان کے بعد میں رکھا۔ اور فرمایا کہ اس وقت حاملان
عرش بجائے چار کے اٹھ ہوں گے۔ حقیقت امر کے پیش نظر ہر کہ
دم پر قیامت کے دن ہر شے کا انکشاف ہوگا۔ ہر شے اپنے کمال
بلوغ پر ہوگی ہر ایک نے تقدس کا جامہ پہنے ہوگا اور عدل ہی عدل
نظر آئے گا۔ کثافت جو لطافت کی ضد ہے وہاں کا عدم ہوگی کیونکہ
وہاں جلوہ نمائی کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ انکشاف کے ماتحت نہ کوئی
حجاب دور کرنا ہوگا اور نہ کسی کثافت کو دھونا ہوگا۔ لہذا حقیقت امر

سب کو عالمِ خلق کے عملوں کی پاداش میں گھیر لے گی۔ معذب اس طرح کہ ایک دوزخی کو دوزخ میں لے جانے کے لئے جو زنجیر اسکی ساق میں ڈالی جائے گی اس کی ایک کڑھی کا حلقہ دنیا کا تمام لوہا اکٹھا کیا جائے تو نا کافی ثابت ہو۔ مقرب اس طرح کہ ادنیٰ بہشتی کے خیمہ کی جھالر میں جو موتی پروئے ہوئے ہیں ایک موتی کی وسعت ساتوں آسمان اور زمینیں گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ ہوگا وہاں انکشاف اور کمال بلوغ اور یہ ہوگی وہاں عدالت اور تقدس +
 ہ کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی پائے کو کیا پائے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

یہ کلمہ جیسے کہ ظاہر ہے چار الفاظ سے مرکب ہے۔ اے۔ لا۔ ایلہ۔ الا۔ اللہ۔ اور۔ اے۔ اے۔ اللہ۔ پہلے تینوں الفاظ اپنے اندر معانی رکھتے ہیں اور چوتھا لفظ شرمندہ معنی نہ ہو سکا اور الا آپس میں ضدیں ہیں۔ اور اس کلمہ میں نفی مقدم رکھی گئی ہے اثبات پر۔ اعمال کا مدار کتاب اور اجتہادِ معاصی پر ہے وولو کا ہونا ضروری سمجھا گیا ہے لیکن ترجیح ووا کی نسبت پرہیز کو دہی گئی ہے۔ راہ معرفت میں سائریں کے لئے منازل اول نواہی اور پرہیز ہیں۔ تخلیہ بہتر ہے تخلیہ سے اور صفات سلبیہ مقدم ہیں صفات ثبوتیہ پر۔ اللہ اسم صفت ہے لغوی لحاظ سے یہ لفظ اس اونٹنی کے لئے بولا جاتا ہے جس کا دودھ پیتا بچہ ہو۔ اور اسے اپنا دودھ دے کر اس کی حاجت روائی کرے چونکہ عبادات کا تعلق الوہیت سے ہے اور استعانت کا بلوہیت سے۔ جیسا کہ —

الحمد لله رب العالمين
اياك نعبد و اياك نستعين

لفظ اللہ دو نو کا جامع ہے یعنی حاجت روا بھی ہے اور تائب
پرستش بھی + اس کے پہلے لفظ لا لگانے سے اس کی نفی ٹھہری +
نفی ہمیشہ ضد کی ہوتی ہے اور اللہ ضد سے پاک ہے۔ اس لئے
نفی بے معنی ثابت ہوئی اور الا اللہ کو ثبوت میں لگانا پڑا۔

لا الہ - الا اللہ کے مساوی ٹھہرا۔ لفظ اللہ معنوں
سے پہلے ہی مترہ تھا الا پہلے لگانے سے اور چکر میں ڈالا گیا
جنہوں نے الا کے معنی سوائے لئے وہ اس طرح ڈوبے کہ سوائے
کے تصور نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ اور سوائے ماوراء کے مہنور
میں پھنس گئے انہوں نے اللہ اور سوا کو علیحدہ علیحدہ جانا اور حدود
کے چکروں میں ٹھوکریں کھائیں۔ دوسرے گروہ نے الا سے مراد
دگرہالی اور اس کلمہ کا یوں ترجمہ کیا کہ "نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ" یعنی
جن کو ایک گروہ سوا، کہہ رہا ہے وہ وہی ہے۔ آگ۔ پانی۔ ہوا
درخت وغیرہ سے مدد دراصل ایسی سے مدد ہے۔ غیر یا ضد کوئی
شے نہیں۔ یہ گروہ پہلے گروہ سے بالکل الگ تھلک ہو گیا۔ نہ
"گروہ سوا" کسی منزل پر پہنچا اور نہ "گروہ مگر" کو کہیں سکوں ہوا۔ ایک
چار لفظی کلمہ نے جو حقیقت امر کے آغوشِ دہن سے پھوٹا۔ سارے عالم
کو متحیر کر دیا۔ حقیقت امر سے آیا تھا اور لغتِ غریب بن کر رہا
اللہ کی نفی نے دعوت اس کی دی اور طرف اس کے بلا یا بویکاروں
اور اطراف سے پاک اور فہم و ادراک سے دور تھا اور آ رہا
ایک طرف تو اللہ ہی کوئی نہیں اور اگر دوسری طرف کوئی
(اللہ) ہے تو وہ سمجھ سے باہر۔ مجھلا عالم خالق کا پتلا اس حقیقت

کی رُمز کو کیا پائے۔ اگر جملہ موجودات کو اسی کا نام دے تو پھنسے اگر
اس کا غیر جبنے تو مارا جاتے۔ اسے قعر دریا میں چھوڑا گیا ہے اور
تر دامنی سے اعراض کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ آخر یہ کیوں نہ اپنی بے بسی
اور حیرت کو بروئے کار لائے اور اس حیرت کے ماتحت اپنی زبان
سے لا الہ الا اللہ کہہ کر دخول جنت کا اہتمام کرے۔ یقیناً
حقیقتِ امر اس کا کلمہ قبول فرماتے گی۔ وباللہ التوفیق۔

الصَّلَاةُ

سمجھ لیجئے کہ کلمہ کے بعد صلوٰۃ کا درجہ ہے۔ یہ عالمِ امر کا تحفہ
عالمِ خلق میں اولی الامر گروہ کو صورتِ امر کی معرفت ملا۔ تاکہ حدوث
خلق سے نکل کر اپنی معراجِ عالمِ امر میں کریں۔ اس کی تاکید قرآن پاک
میں متعدد بار آئی ہے۔ زیادہ تر اقامتِ صلوٰۃ، کہیں حفاظتِ صلوٰۃ
اور کہیں مداومتِ صلوٰۃ کا فرمان ہے۔ اہل امر کے نزدیک اقامتِ
صلوٰۃ۔ محافظتِ صلوٰۃ اور مداومتِ صلوٰۃ سوائے ادائے ارکان
اور آدابِ نماز کے جو عالمِ خلق سے وابستہ ہیں یہ بھی ہے کہ ستر بر ایک
کا دریافت کرے اور قصد کرے کہ اپنے آپ کو اس ستر کے ساتھ
متحقق کرے اور ان اسرار کی تحقیق بحسب استعداد اور مراتب
مختلف ہے عرفانے فرمایا ہے کہ نماز میں طہارت نجاستِ حکمی اور
نجاستِ حقیقی سے اس واسطے مقرر کی ہے تاکہ علائقِ عالمِ خلق سے
کہ سب کے سب حادثات اور نوپیدا ہیں اور خبثت سے بھی خالی نہیں
پاکیزگی حاصل ہو۔ اور ایک طرح کی مناسبتِ حقیقتِ امر جو جناب
مترہ ہے حاصل ہو۔ اور قابلیتِ حضور کی بیچ جناب مقدس کے بیسر

آوے۔ کیونکہ حضور ہی قلب کے بغیر یہ صلوات ہی نہ ہوگی۔ مصلیٰ کے لئے سب سے پہلے قبلہ کی طرف ظاہر کی توجہ دلالت کرتی ہے کہ باطن کو بھی متوجہ جناب حق کہ منشاء وجود آدمی ہے کیا چاہیے + تکبیر تحریر یہ اشارہ ہے کہ میں نے دونوں عالم (عالم خلق اور عالم امر) سے ہاتھ اٹھائے اور حقیقت امر کو جمیع اکوان سے بزرگتر جانا اور اپنے اس عقیدہ کی سند میں دعائے استفتاح (سبحانک اللہ) ہے مصلیٰ کا کھڑے ہونا راہ معرفت میں استقامت پر کھڑے ہونا دلالت کرتا ہے۔ اور سورہ فاتح کی قرأت کہ سنائے زبانی ہے اور زبان ترجمان دل ہے دلالت کرتی ہے کہ دل میرا بالکل اس کی طرف مائل ہے اور اسی صورت میں خطاب کے الفاظ اور عبارت اور استقامت کی تخصیص اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ میں نے رتبہ مشاہدہ اور مخلوطے کا پایا۔ اور سوال ہدایت کا اور فرار اہل غضب اور ضلالت اس چیز پر دلالت کرتے ہیں کہ میرا نقص۔ میل اور میری نفرت سب تیرے تقدس کا تابع ہے۔

اسی طرح رکوع دلالت کرتا ہے کہ عظمت الہی کے مشاہدہ کے سبب میری پشت خم ہوئی۔ پھر قومہ دلالت کرتا ہے کہ میں نے اس انگسار میں بھی استقامت برتی۔ پھر سجود کہ کمال تذلّل ہے کمال تقرب کے اوپر اشارہ کرتا ہے کیونکہ بمقدور بشر تقرب اس قدر ہے کہ اپنے اجزا کو یہاں تک پست کرے کہ اپنی اصل یعنی خاک کے ساتھ پیوست کرے دوسرا سجدہ پہلے سجدہ کی تکبیر کو دفع کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ پھر قعود اشارہ کرتا ہے بحصول اعزاز و اکرام اوس جناب سے کہ مجھرا قبول فرما کر پروائگی بیٹھنے کی دی پھر سلام دلالت کرتا ہے اوپر رجوع کے اس سفر باطنی سے

اور ہر موضوع ان اسرار کا لحاظ چاہتا ہے۔ پس یہ ہے اس تحفہ امر کا کمال و افراط۔ اور مرتبہ اس کا جمع عبادت سے بلند تر ہے کہ یہ ہیت جامع عبادات بدنی اور نفسی ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا عمل اعمال سے افضل ہے تو فرمایا *التصلوۃ لوقتها*۔ یعنی نماز وقت پر پڑھنا۔ جب یہ تحفہ عالم امر سے عالم خلق میں بطور امانت آیا تو ایک گروہ نے سرے سے ہی اس میں خیانت کی ایک گروہ نے اس امانت کو ضائع کیا اور صرف صاحب امر گروہ نے اس امانت کی حفاظت کی۔

صلوٰۃ چونکہ عالم امر سے متعلق تھی۔ مانند دیگر امور کے اعداد کی حامل ہوئی اور اپنی تفریط میں پہاں تک پہنچی کہ یہی نماز ریاکاروں منافقوں اور غافلوں کے لئے ویل بنی اور کلید ووزخ ہوئی۔ اور یہ گروہ باوجود عاملہ ناصبہ کے تصلی ناراحامیہ ہوئے کتاب ازلی سبقت کر گئی اور ان کے عمل بیکار و بے فائدہ ثابت ہوئے خشوع و خضوع اور کثرت نوافل ان کا حظ نفس رہا نہ کبھی وادعی امر میں حیران و ششدر ہوئے اور نہ سعادت و آریں حاصل کی۔ اس تحفہ امر کا کمال تو عاجز ہی تھا جس سے مشاہدہ امر ہونا تھا۔ عامۃ الناس نے اس عمل کو ایک پریکٹس (Practice) اور معمول کا درجہ دیا اور صاحب امر ان اوقات میں ایسے فنا اور کم ہوئے کہ باقی سارے احساسات منقطع ہو گئے ایک طرف یہ نماز مشاہدہ حق کراتی ہے تو دوسری طرف یہی نماز خوارج و روافض میں داخل ہو کر انکو دوزخ کی آگ سے بچا نہیں سکتی۔ صورت امر صلیم نے انہیں گروہ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم لوگ ان کی نماز کے آگے اپنی نماز کو حقیر جانو گے

اور ان کے روزے کے آنکے اپنے روزہ کو حقیر سمجھو گے وہ دین سے اس طرح نکل جائیگی جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔ یہ حدیث پاک نماز کی اور حیثیت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نماز ہی ہونے کا زعم آپ کو کسی ساحل پر نہ لگا سکے گا۔ اور ادھر ترک صلوٰۃ کی وعیدیں بھی نمایاں ہیں۔ اور اس کے عمداً ترک کرنے کو کفر تک کا درجہ دیا۔ یہ گیسوئے امر اپنی ابتدا سے انتہا تک بے شمار مراتب رکھتا ہے۔ اور یہ شان امر اپنے ارکان میں بھی تفریط و افراط سے وابستہ رہی۔ تفریط یہ کہ اشاروں سے بھی حالت مجبوری و معذوری میں روا رکھی گئی اور افراط یہ کہ سارے انداموں کا اپنی اپنی وضع پر مناسبت پر رکھنا واجب ٹھہرا حتیٰ کہ سجدہ میں پاؤں کی دس انگلیوں سے ایک انگلی کا زمین پر چسپاں رکھنا فرض ٹھہرا۔ دو کا واجب اور کم از کم تین کا سنت + اس گیسوئے امر نے تخلیق آدم سے لے کر صورت امر تک کئی سنگار بنائے اور کئی زمان و مکان بدلے صورت امر نے اسے موجودہ لباس پہنایا اور اس امر کو امر کی حیثیت میں ہی رکھا۔ ساری روئے زمین اس کی ادائیگی کے لئے مقرر کردی جس سے مکان کی قید اٹھ گئی۔ اور "وہم علیٰ صلوٰتہم دائمون" نے اسے مداومت بخشی جس سے زمان کی قید بھی اٹھ گئی۔ معراج سے یہ امر ظاہر ہوا تھا اور اس کی وابستگی کو بھی اولی الامر کا معراج ہی ٹھہرایا۔ اس طرح اس کا اول بھی آخر اور آخر بھی اول ہوا جو اس شان امر سے مشابہہ حق میں عرق ہوئے انہوں نے اس امر کی صورت بھی دیکھی اور اس کی حقیقت کی جانب بھی راہ پائی اور اس راہ میں اپنے آپ کو ایسا عاجز پایا کہ سلام کے بعد ہی عقل نے انہیں اگر سلام کہا۔ جملہ عبادات اسی لٹ کے بال ہیں۔ صوم۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ

صلوة ہی ہیں۔ غیر صلوة کے کسی ایک عبادت میں صلوة نہیں لیکن
 صلوة میں سب عبادات آجاتی ہیں۔ تلاوت۔ تسبیح۔ حمد۔
 استغفار۔ دعا و درود کے علاوہ صلوة صوم کے معنی میں یوں
 مشتمل ہے کہ مشتبہات سے نفس جس میں رہتا ہے۔ بلکہ نماز میں
 نسبت صوم کے زیادتیاں بہت ہیں اس واسطے کہ آنکھ کو بھی
 التفات غیر سے نگاہ رکھنا ہے اور زبان کو بھی سوائے اس کے
 نام کے ذکر کے اور اس کے کلام کی تلاوت کے بند رکھنا ہے۔ اور
 پاؤں کو بھی کسی دوسرے مقصد کی طرف حرکت سے مبرا کرنا ہے۔
 اور ہاتھوں کو بھی داؤدست سے کھینچنا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس
 قوت فکریہ اور خیالیہ کو بھی محرمات سے بچانا ہے۔ اور یہ معنی صوم
 میں تحقیق نہیں صلوة معانی صحیح کو اس طرح مشتمل ہے کہ تکبیر تحریمیہ
 اس کی بجائے احرام ہے اور استقبال قبلہ کا بجائے طواف اور
 قیام بجائے وقوف عرفات ہے۔ اور رکوع۔ سجود اور باقی حرکات
 مثل سعی کے ہے۔ کہ درمیان صفا اور مروہ کے بجالاتے ہیں۔
 صلوة اور معانی زکوٰۃ کے اس طرح شامل ہے کہ بدل مال برائے
 سیر عورت اور تحصیل آلات طہارت اس میں واجب ہے۔
 علاوہ انہیں صلوة عبادات جہاد عبادات چرندہ اور عبادات
 جانوراں کو بھی متضمن ہے۔ جیسے بیٹھنا۔ رکوع کرنا اور ذکر و تلاوت
 اسمائے الہی یہی صلوة عبادات حشرات۔ عبادات اشجار
 نباتات اور عبادات جمیع فرق ملائکہ اور عبادات کردہ ہیں کو
 بھی شامل ہے۔ جیسے سجود۔ قیام اور استفراق مشاہدہ عام
 نظریہ کے ماتحت اور بعض مفسرین کرام کے اقوال کی بنا پر بھی
 یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ کلام الہی میں صلوة کا بار بار ذکر اس کی تاکید کا موید ہے

لیکن یہ اسلوبِ کلامِ الہی کے خلاف ہے۔ کلامِ الہی جیسے کہ کہیں پہلے ذکر ہو چکا ہے عالمِ امر سے ہے اور عالمِ خلق کے سامنے بطریقِ اجمال آیا ہے۔ اس کا ہر لفظ دوسرے لفظ سے اور ہر آیت دوسری آیت سے بقول ایک صاحبِ امر کے ہزار کوس کا فاصلہ رکھتی ہے اور اس کا ایک نقطہ اپنے اندر بحرِ بیکراں سمٹے ہوئے ہے۔ تفہیم کے پیش نظر بھی اجمال میں تنگ آ رہے معنی ہے۔ تکرار ہمیشہ تفصیل کا تقاضہ کرتا ہے نہ کہ اجمال کا۔ کلامِ الہی کا کسی حکم کو صرف ایک بار ہی فرما دینا اپنے اندر بے پناہ قوت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا اشارہ اور استنباط بھی درجہ و وجہ سے کم نہیں رہتا اور اس کی نفی موجب عذابِ نار بن جاتی ہے۔ لفظِ صلوٰۃ کو قارئین کرام اس زاویہ کے ماتحت مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ شانِ امر کس کس لباس و رنگ میں اور کون کونسی ہیات میں عالمِ خلق پر نمودار ہوئی۔ کبھی صورتِ امر کی ادواؤں کا مجموعہ بن کر ہمارے سامنے آئی کبھی صورتِ امر کے جمالِ جہاں آرا کا تماشا نہ کرانے کا بہانہ بنی۔ کبھی مستقل میں وصالِ حق کا پیش خیمہ ہوئی کہ عرضیکہ عامی سے لیکر صدیقیت تک کسی ایک سے زائد کے لئے ایک ہی کیفیت میں نہ ٹھہری۔ کبھی اس کو بے حضور دے سرور کہا گیا اور کبھی اسے حضور ہی اور معراج کا بلند مرتبہ دیا گیا۔ حتیٰ کہ صورتِ امر نے اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بھی فرمایا۔ اور عالمِ خلق کے لئے اس تحفہ کو پسند کیا۔ انسانوں کے علاوہ باقی تمام کائنات بھی اسی صلوٰۃ کی مرہونِ منت ہے۔ جہاں انسانوں کو محافظتِ صلوٰۃ کا ذکر فرماتے وقت "وقومو للہ قانتون" کا حکم دیا تو دوسری تمام کائنات کے لئے بھی "کلّ لہ قانتون" فرمایا۔

عزت

قرآن پاک میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ امر ہر جگہ باوقار رہا۔ جس شے سے وابستہ ہوا اسے بھی باوقار کر گیا جو ہر امر فوق العقل ہونے کی حیثیت سے بھی معظم ٹھہرا۔ عقل منکسر اور امر متکبر + عقل عام ذلیل امر عزیز + عقل پابند۔ امر آزاد + عقل چراغِ راہ۔ امر منزل + عقل کی انتہا۔ امر کی ابتدا + عقل ثبوت کی بیعت۔ امر سلب کا بادشاہ + عقل کی رسائی موجودات تک۔ امر کی تقویم میں ہر دو موجودات و معلومات اور ایسے زمن بھی جو مرہون نام نہیں۔ حقیقت امر رب العزت **إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا**۔ اور ساتھ **اللَّهُ الْعِزَّةُ وَالرَّحْمَةُ** و **لَا الْمُؤْمِنِينَ**۔ یہ اس لئے کہ مومن صاحب امر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم صورت امر۔ اور اللہ حقیقت امر ان تینوں میں امر کا پایا جانا باعثِ عزت ہو۔ باقی جملہ مخلوق اس سے محروم۔ اور ان کا معیار عزت تمام تر بوجہ اور کاغذی۔ والی الامر منکم والی آیہ مبارکہ میں بھی اطاعت و فرما برداری اسی امر کے تحت ہے۔ نہ کہ دنیاوی جاہ و جلال کے باعث۔ اس کو سمجھنا چاہیے کہ درحقیقت تمام عزت حقیقت امر کے پاس ہے + کیا انسان ضعیف البیان اور کیا اس کی عزت! عزت تو خدا کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے سر بلند کرے جس کو چاہے رسوا کرے اور یہ سر بلند ہی اور رسوائی بھی دنیوی سر بلند ہی اور رسوائی نہیں بلکہ صفت امر کی عطا اور اس کا فقدان درحقیقت سر بلند ہی اور رسوائی ہے۔ جیسے امر تمام تر اس کی یشا اور ارادہ کا نام ہے۔ ایسے ہی عزت تمام تر اس کی یشا سے متعلق ہے۔ **وَتَعَزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتَذِلُّ مَنْ تَشَاءُ** اسی معنی میں ہیں۔ پس عزت اس میں ہے کہ حقیقت امر کے طاعت گزار بندے بنے

رہو اور وہ جماعت اولی الامر کی ہی ہے۔ اگر امر نہیں تو بجائے عزت
 کے ذلت ہے۔ فقط لفظ 'مُعز' یا 'سَعَز' لفظ نبیؐ کی طرح ہر
 دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے نبیؐ کے معنی 'خبر یافتہ' اور 'خبر
 دہندہ' دونوں ہیں ایسے ہی 'مُعز' کے معنی 'عزت یافتہ' اور 'عزت دہندہ'
 ہیں۔ واللہ العزۃ اللہ کے واسطے عزت ہے اور اللہ کے
 ہاں عزت ہے۔ اسی طرح صورت امر کے لئے عزت ہے اور
 صورت امر کے ہاں عزت ہے۔ ایسے ہی اولی الامر حضرات
 صاحب عزت بھی ہیں اور عزت بخشے والے بھی۔ اور سوائے ان
 کے اور کسی کو نہیں مل سکتی۔ یہ حضرات صاحب امر ہونے کی حیثیت
 سے توحید پر مستقیم ہیں اور صورت امر کی راہ شریعت کی پابندی سے
 ان کو دنیا اور آخرت دونوں میں عزت اور غلبہ ہے۔ جن کی توحید
 کامل نہیں اور ایمان واقعی نہیں ان کو یہ استحقاق نہ ہوگا۔ اس صفت
 امر کا بلند ترین معیار وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلعم کے
 نزدیک پسندیدہ ہو۔ کچھ مال و دولت وغیرہ سے عزت نہیں ہے
 ہاں دنیا میں بوجہ اوہام شیطانی کے اسکو عزت قرار دیا جاتا ہے۔ جو
 لوگ پابند نفس ہیں وہ عزت کو ایسی جگہ سے طلب کرتے ہیں جہاں
 ذلت ہے۔ اس واسطے کہ عزت صفت ازلی ہے اور جو شخص
 بصفیت ازلیہ موصوف نہیں وہ اگر عزت چاہتے ہیں تو ایسی ذات
 سے چاہیں جس کو حقیقت امر نے اپنی عزت سے عزیز فرمایا ہے یعنی
 صورت امر صلعم اور آپ کے صحابہ و اولیاء کے پاس سے عزت ڈھونڈیں
 کیونکہ اُن پر عزت کسب کی چادر ہے جس نے حقیقت امر سے عزت
 ڈھونڈی وہ عزیز ہوا اور جو غیر پر مغرور ہوا وہ ذلیل ہوا۔ جو عارف
 ہے وہ حقیقت امر سے ہی عزت دیکھتا ہے جو قلب اس خواہش

میں پڑا کہ اس کو عزت حاصل ہو تو اس پر خرابی چھا جاتی ہے جیسے چاند کو کہن
 لگ گیا کیونکہ یہ نفس کی رعونت ہے۔ دنیاوی عزت چاہتے ہیں اگر منہ
 سے کلمہ اسلام بھی ظاہر کریں تو بھی کافر بلکہ دومانہ والے کافر۔ کسی کی
 اطاعت یا بندگی یا فرما برداری بھی اسی شان امر کے تحت ہوتی ہے۔
 اطاعت کا پہلا مرتبہ حقیقت امر کے لئے رکھا۔ دوسرا مرتبہ صورت امر
 کے لئے اور تیسرا مرتبہ اولی الامر کے لئے۔ حالانکہ دراصل وہ ایک ہی
 ہے یعنی اللہ عزوجل۔ اور وہی سب کا مرجع ہے اور مقامات دلالت
 میں سے ایک ایک مقام کے ساتھ یہ طاعت مخصوص ہے چنانچہ جو
 شخص ایسا ہے کہ بساط قرب کی صلاحیت رکھتا ہے اور بلا واسطہ
 فہم خطاب کے لئے لائق ہے تو وہ بلا واسطہ مراد حق کا مطمح ہے اور یہ
 مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ اسی اطاعت کے ماتحت ہم سب پر
 واجب ٹھہرا کہ اگر ہم میں سے کوئی فہم خطاب صورت امر کی صلاحیت
 رکھتا ہو وہ اس صورت امر کی طرح رجوع کرے اور جو شخص اس
 درجہ کو نہیں پہنچا کہ خطاب صورت امر کو سمجھے اور اس سے استنباط
 کرے اور اشارہ کو جان لے تو وہ اولی الامر حضرات کی طرف رجوع
 کرے۔ وہ اول تو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ پھر ان کے بعد تابعین
 رحمہم اللہ۔ پھر آئمہ اہل علم۔ صالحین اولیا و عارفین ہیں کیونکہ ان بزرگوں
 نے صورت امر کے خطاب کو جو جوامع الکلم ہے۔ سمجھ کر ظاہر کیا ہے۔
 اور یہ بھی حقیقت امر ہی کی طاعت بواسطہ اولی الامر کے بواسطہ
 صورت امر کے ہے۔ کیونکہ ہر دو اولی الامر اور صورت امر
 حقیقت امر کے سایہ پڑنے کی چیزیں ہیں اور جو شخص بہار حقیقت امر
 اور آثار عظمت صورت امر دیکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ اولی الامر
 حضرات پر نگاہ کرے۔ جو کوئی امر کے لباس سے آراستہ ہے اس کا

حکم وہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور اسی کو اشارہ عین الجمع کہتے ہیں یہ حضرات فہم خطاب خاص کے مقام پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور علوم مشککہ مجہولہ جانتے ہیں۔ اگر عوام بھی اپنے اختیار نفسانی کو اولی الامر کے حوالے کریں جن کو ملک و ملکوت کا عرفان حاصل ہے۔ تو انہیں اللہ تعالیٰ مفہوم خطاب کو سنیں اور اپنی باطل رائے کی وجہ سے نجات پا کر فیض علوم ربانی پائیں۔ اور حقائق سے واقف ہو کر عزت پائیں۔ لیکن اس میں بھی امر اپنے اصول سے باہر نہیں جائے گا ان اگر امکو عند اللہ اتقا کم میں عزت و کرامت کا معیار تقویٰ ہو اور اتقا اللہ حق تقا تہ میں تقویٰ کا معیار اللہ عزوجل کے حق پر ٹھہرا۔ نہ اللہ عزوجل کی انتہا اور نہ ہی اس کے حق کی کوئی انتہا۔ جب اس کے حق کی کوئی انتہا نہ ٹھہری تو تقویٰ کا بھی کوئی معیار نہ ٹھہرا کہ کس مقام پر کون شخص کس وقت تقویٰ کی منزل پر ہے۔ عامی سے لئے کر صدیقیت تک تقویٰ اپنے اپنے مقامات پر حسب مراتب ظاہر ہوگا۔ اور ایسے ہی اس کے ساتھ عزت بھی۔ حتیٰ کہ اس کی انتہا اللہ جمیعاً پر ختم ہوگی۔ پھر چکر کھاتی اپنے انداز میں صورت امر میں ظاہر ہوگی۔ اور ان کی اتباع میں اولی الامر میں۔

یہ تھی گیسوئے امر کے اس بال کی افراط اور امور کی طرح اس کی تفریط کا انداز بھی ملاحظہ فرمائیں۔ یہ لفظ عزت اپنی تفریط میں سرکہ و صہ کے ساتھ ہے۔ سب مدعی ہیں کہ ہم اشارہ اللہ عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ منکرین بھی اخذ تہم العزلة بالاشم میں سرشار ہیں۔ اور اپنی اس عزت کے نشے میں اس قدر سرکشی کرتے ہیں کہ قیامت میں ذق انک انت العزیز الکریم

کامتار کتا نہ خطاب حاصل کرتے ہیں۔ تفریط میں عزت۔ ۱۔ مال و دولت
 ۲۔ طاقت اور ۳۔ عقل عام سے وجود میں آتی ہے۔ اگرچہ افراط
 میں اس کا معیار تقویٰ ہے۔ عقل۔ طاقت اور مال تینوں سے مزین
 عزت دنیا کے ہر گوشہ میں رواں دواں ہے۔ اس کا تقویٰ یا دین
 سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسی عزت کا استقبال کرنے والے بھی معززین
 کہلاتے ہیں۔ یہ ضرور ہی نہیں کہ یہ معززین عند اللہ بھی مکرم ہوں۔ اس
 شان امر کی تفریط کا ظہور بھی کچھ ایسے انداز سے ہوتا ہے کہ عقل عام
 متحرک ہو جاتی ہے۔ ایک بادشاہ جسے تقویٰ کی واہمی میں کبھی رسائی نہیں ہوتی
 پوشاپوش کی صداؤں میں اور اور توپوں کی دھند دھن میں اعزاز حاصل
 کرتا ہے۔ اسکے اعزاز میں کبھی رات کو سڑک پر دو لوہے درختوں میں مقمے
 روشن کئے جاتے ہیں اور اس کی سواری کے آگے پیچھے محافظتی دستے تعین
 ہوتے ہیں۔ عقل عام اس کے سامنے خمیدہ سر ہوتی ہے۔ اور اس کے
 اعزاز میں طرح طرح کے ایثار و وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور اس عمل کو
 مہمان کی عزت کے الفاظ دئے جاتے ہیں۔

کبھی یہ شان امر اہل دنیا سے ذلت خوردہ نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ بے
 خطر وار تک اپنے آپ کو لے جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی معزز کہلاتی ہے۔
 اور اسے عند اللہ مکرم کا نام دیا جاتا ہے۔ نہ اس شان امر کا معیار خوشحالی
 ہے نہ بدحالی۔ نہ دنیاوی عزت نہ دنیاوی ذلت مقیاس عالم کا کوئی
 زاویہ ایسا نہیں جس میں یہ شان ثابت نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسا زاویہ
 ہے جس میں اس شان کی نفی ہو۔ کسی کے حق میں ظاہری عزت ذلت
 اور کسی کے حق میں ظاہری ذلت عزت بن جاتی ہے۔ شان امر جو ظہری
 اپنی افراط میں تفریط اور اپنی تفریط میں افراط رکھتی ہے۔ اور ہر قسم
 کی بندش سے آزاد ہے۔

فضل و رحمت

عزت و کرامت کی طرح فضل و رحمت والی صفت امر بھی عالم خلق میں اس سرعت سے سراقت کئے ہوئے ہے کہ پیمانہ عقل کی وسعت اسے بھی احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ عزوجل کا فضل اس کی ایک شان امر ہے۔ اس کا تذکرہ حقیقت امر نے اپنی کلام پاک میں متعدد بار فرمایا ہے۔ اور ہر جگہ یہ لفظ فضل اپنے اندر اعجاز و حقائق کے سمندر پنہاں کئے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ راقم حروف اس لٹ کے بال میں یوں الجھنے کا ارادہ کرتا ہے کہ پہلے کلام پاک میں جہاں جہاں لفظ فضل وارد ہوا ہے اس کی مختصراً تفسیر جو اولی الامر حضرات نے کی ہے بیان کی جائے اور اگر بعدہ کوئی نتیجہ نظر آئے تو وہ مطالعہ کرنے والوں پر ہی چھوڑا جائے اپنا دخل تو کیسوںے امر کے ہر بال میں حیرت ہی ہے اور حیرت ہی رہے گا ہاں کچھ ترتیب بمطابق تحریر کلام پاک دی جائے گی۔ و بواللہ التوفیق۔

وَإِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ (سورہ بقرہ)

آیت نمبر ۷ اپنے زمانہ کے عالمین پر فضیلت یہ عطا ہوئی کہ انہیں میں انبیاء و رسول بھیجے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمائی۔ بنی اسرائیل میں انبیاء بکثرت ہیں اور توریت۔ زبور اور انجیل تین کتابیں ان کو ملیں تو اس راہ سے ان کو سب پر فضیلت ہے۔ پھر چونکہ باپ دادوں کی فضیلت سے اولاد کو فضیلت ملتی یا موجود ہیں یہود کو اسپر فخر تھا ان کو یہ نعمتیں اور فضیلت یاد دلا کر تنبیہ و تہدید فرمائی۔

۲۔ فضل بمعنی رزق جو خرچ کئے ہوئے قائم مقام اللہ تعالیٰ کی

طرف سے عطا ہو۔ فضل یہ ہے کہ جو خرچ کیا ہے اس سے افضل عطا کرے پس دنیا میں رزق میں وسعت دے اور آخرت میں ثواب جمیل عطا فرمائے فضل اس کا وسیع ہے۔ بشر کے قیاس سے باہر ہے۔ کیونکہ یہ عقل و سمجھ اس کی اولیٰ مخلوق ہے۔

فضل اس کا یہ ہے کہ اپنا مشاہدہ عنایت کرتا ہے اور اپنی درگاہ میں تقرب دیتا ہے اور اپنی معرفت اور توحید سے سرفراز کرتا ہے اور اسرار کشف کر دیتا ہے۔ بعضوں کے نزدیک فضل یہ کہ حکم ازلی پر رضا مندی حاصل ہوتی ہے اور وصال ملتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اللہ وعدہ دیتا ہے فضل کا یعنی قناعت۔ اور وہ یہ ہے کہ سوائے جناب باری کے سب سے استغنا ہو۔ بہترے لوگ ایسے نظر آتے ہیں کہ راہِ خیر میں خرچ کرنے کی حالت میں محتاج ہیں اور بے جا صرف کرنے کے وقت مال دار ہیں۔ مہلا کسی کو دیکھا گیا کہ اس نے خیرات کرنے کے واسطے قرض لیا ہو اور ایسے بہت ہیں جنہوں نے شادی بیاہ اور طعام اموات کی دھوم کے واسطے ہزاروں قرض لئے۔ تاہم فضلنا بعضہم علی بعض (سورۃ بقرہ آیت ۲۱۷) بعض کو بعض پر فضیلت دی اس طرح فضیلت دی کہ بعض کو مخصوص کیا ایسے منقبت سے جو دوسروں کے لئے نہیں ہیں اور اس کا جاننا ہر پیغمبر میں سوائے اللہ تعالیٰ کے ناممکن ہے۔ یہ فضیلت تعصب کی حالت میں منع ہے اور اگر ایسی حالت نہ ہو بلکہ تحقیق سلامتی کی حالت ہو تو تفصیل میں مضائقہ ہیں۔

وكان فضل الله عليك عظيماً (سورۃ نسا آیت ۱۱۳)
بیان دنیا و آخرت حلال و حرام سکھا کر خلق پر حجّت کیا اور اس حجّت و برہان کو فضل کا لفظ دیا۔ اسی آیت مبارکہ سے پہلے جو فرمایا

ہے کہ 'لولا فضل الله عليك ورحمته، اس میں فضل سے مراد تفسیر میں کرام نے آپ کا معصوم و محفوظ ہونا لکھا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُجِبُونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ (سورۃ المائدہ آیت ۵۴)

یہاں فضل اخوتِ اسلامیہ - اعدائے دین سے مقابلہ اعلانِ توحید اظہارِ حق میں بے باکی کے معافی میں آیا ہے۔ فضل کو کسی کا استحقاق نہیں رکھا اور ساتھ ہی فضل سے کوئی محروم نہیں رکھا۔ جسے چاہتا ہے اس شانِ امر سے سرفراز فرماتا ہے اور ساتھ ہی اس کی لٹا ہر ایک پر محیط ہے۔ اس امر کی عطا میں ہر ایک کی اہلیت۔ قابلیت مصلحت و حکمت علیحدہ علیحدہ ہے۔ جہاں جس میں اور جس قدر یہ صفات پائی جاتیں اس مقدار کے مطابق شانِ فضل ملتی ہے۔ ورنہ حقیقتِ امر پر نہ کوئی چیز بالذات واجب ہے اور نہ کسی کے اعمال اس کے موجب ہیں۔ وہی صاحبِ ارادہ۔ مالکِ مختار اور صاحبِ فضل ہے۔ اس کا فضل کامل ہمہ گیر اور دقیق ترین ہے۔

وَأَنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (سورہ بوبہ آیت ۱۸)

یہاں فضل بمعنی اغنی ہے یعنی اللہ تمہیں غنی (مالدار) بنا دے گا اور تمہارا فقر دور کر دے گا۔ کیونکہ علم و حکمت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ تمہارے اخلاس کو دور کرنے کے جو طریقے اس نے مقرر کئے ہیں ان سے بھی بخوبی واقف ہے۔ لہذا تم بے چوں و چہرا اس کے حکم کی تعمیل کرو اور غریبی کا کچھ اندیشہ نہ کرو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ نے بارشیں برسادی غلہ زیادہ ہوا

اور دیگر بلا و اسلا مبیہ سے رسد کا سامان بکثرت آیا پھر رفتہ رفتہ تمھوڑی
 ہی مدت میں شام و روم ایران اور دیگر ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں
 آگئے۔ کیونکہ تو نگری اور فارغ المالی بھی اسی کی حیثیت پر موقوف ہے
 قالرحسینا اللہ سیوتینا اللہ من فضلہ ورسولہ (سورہ توبہ آیت ۵۹)
 مفسیرین کرام نے آیت سے فضل کے معنی ہر اس عطا کے لئے ہیں جو
 حقیقت امر یا صورت امر کی طرف سے ہو خواہ وہ عطا بشکل مال ہو یا حکم
 صورت امر کی خوشنودی کو اپنا مرکز توجہ اور مال زندگی قرار دینا فضل ہے
 دنیاوی عطیات کی طرف راغب ہونے کی بجائے حقیقت امر کا طالب
 اور اس کے قریب کا متبعی ہونا چاہیے جو کچھ بھی اُس کی جناب سے عطا ہو
 اسے فضل سمجھے۔

ومنہم من عند اللہ لئن اتینا من فضلہ لتصدقن
 ولتکونن من الصالحین ؕ فلما اتہم من فضلہ
 یخلوا بہ وتوکلوا ہم معرضون (سورہ توبہ آیت ۵، ۶)
 ان دونوں آیتوں میں فضل سے مراد مال و دولت ہے اور اشارہ ہے
 کہ عامۃ الناس فضل (مال و دولت) مانگنے میں اس بات کا عہد کر لے
 میں کہ اگر اللہ عزوجل مال عطا فرمائے تو وہ اللہ کی راہ میں خیرات بھی
 کریں گے اس حق میں سچے بھی رہیں گے۔ اس کی تصدیق بھی کریں گے
 اور صالح بنے رہیں گے لیکن جب ان کو فضل (مال) میں سے مل جاتا ہے
 تو بخل کرنے لگتے ہیں اور اللہ کے حق میں سے کمی کرنے لگتے ہیں۔

قل بفضل اللہ ویرحمته فبذلک فلیفرحوا وہو خیر
 مما یجمعون (سورہ یونس آیت ۵۸) اس کے متعلق سلف
 کا اعتقاد یوں ہے کہ اللہ کا فضل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اللہ
 کی رحمت قرآن کما قال اللہ تعالیٰ "وکان فضل اللہ علیک عظیم

یہ بھی احتمال ہے کہ فضل و رحمت صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں یا فضل و رحمت قرآن کریم۔ بعض نے فرمایا کہ اللہ کا فضل قرآن اور رحمت حضور علیہ السلام ہیں وما ارسلناک الا رحمتا للعالمین اس طرح اس کی چار تفسیریں ہیں۔

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فضل قرآن ہے اور رحمت دین اسلام حسن و ضحاک۔ مجاہد اور قتادہ رضوان اللہ علیہم کا قول ہے کہ فضل ایمان اور رحمت قرآن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ فضل الہی قرآن سے اور رحمت یہ ہے کہ تم کو ان میں سے (یعنی اہل ایمان میں سے) کر دیا۔

امام کوثرؒ نے اس آیت کی ایک تفسیر تصوف آمیز نہایت بہترین کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ صاحب امر حضرات کے درجات متفاوت ہیں ظاہری شریعت کے پابند۔ باطنی طہارت کے دلدادہ۔ نور حق کے منظر اور صدق و یقین میں حد کمال تک پہنچنے والے اور یہ تمام خوبیاں فضل و رحمت ہیں۔

صاحب تفسیر روحی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ فضل قرآن ہے اور رحمت یہ کہ ہم کو اس کا اہل کیا یا فضل قرآن ہے اور رحمت ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا فضل توفیق ہے اور رحمت عصمت۔ یا فضل معرفت ہے اور رحمت توفیق دریافت اس کے کی۔ یا فضل نعم ظاہری اور رحمت نعم باطنی یا فضل دخول جنت ہے اور رحمت نجات دوزخ یا فضل پردہ اٹھنا ہے اور رحمت دیدار دیکھنا۔ اسی آیت کے تحت راقم الحروف نے کسی تفسیر میں ایک واقعہ پڑھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت ہے۔ کسی ملک سے

مال غنیمت اونٹوں کی شکل میں آتا ہے۔ آپ مسجد نبوی صلعم میں کسی خادم کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں کہ قاصد اس مال کی خوش خبری دیتا ہے۔ آپ اٹھتے ہیں اور اونٹوں کی بے شمار تعداد جو دورویہ پہاڑوں کے درمیان دور تک نظر آتی ہے ملاحظہ فرماتے ہیں اور خادم سے ان کو گننے کا حکم دیتے ہیں۔ چندیر تک گنتی کرنے کے بعد خادم شمار کرنے سے عاجز آجاتا ہے اور بے ساختہ کہہ دیتا ہے ”ہذا من فضل ربی یوتہ من ایشا“ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا کان پکڑ کر فرماتے ہیں کہ یہ فضل ربی نہیں ہے یہ تو زمرہ جمعوں میں آتا ہے کیا ارشاد باری تعالیٰ نہیں سنا۔ ”قل بعضل اللہ وبرحمته... الخ“ اس واقعہ میں بقول حضرت عمر رضی اللہ عنہما (جمع جمعاً۔ وھن دولت یعنی مال و دولت یا ساز و سامان یا عالم موجودات کی کوئی بھی شے فضل نہ ٹھہری اور اس صحابی رضی اللہ عنہما جو آپ کا خادم تھا، کے نظریہ کے مطابق مال غنیمت یعنی وہ اونٹ فضل اللہ میں شمار کئے گئے۔ اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق دونوں کا کلام راست آیا۔ شانِ امر ہونے کے لحاظ سے فضل حسب استعداد اپنی افراط و تفریط میں نمایاں ہوئی اور اس نے نانِ شعیر سے لے کر مشاہدہ حق تک اپنے لا تعداد پہلو بدلے۔

و فضل بعضھا علی بعض فی اکاکل (سورۃ الرعد آیت ۴)۔ اور پھلوں میں ہم ایک دوسرے سے بہتر کرتے ہیں۔ یہاں پھلوں یا کھانے کو صراحتاً فضل کے ساتھ لگایا ہے اور فضل بمعنی افضلیت یعنی بڑائی اور بزرگی کے لئے ہیں۔ زمین میں پیداوار کا ذکر فرماتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ایک زمین ایک ہی پانی سے سیراب ہوتی ہے لیکن پودے مختلف ہونے کے باعث کوئی پیٹھا پھل دیتا ہے کوئی کڑوا اور

میووں کے رنگ و روپ میں بھی بعضوں کو بعض دوسروں کے بزرگی ہوتی ہے۔ زمین پر مختلف قسم کے درخت ہیں باغ میں طرح طرح کی کھیتاں ہیں ایک جڑ سے دو شاخہ لکڑی ہے۔ کبھی تنا ایک ہوتا ہے اوپر چل کر دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ہر شاخ کی شکل جدا رنگ علیحدہ اور ضخامت مختلف ہے۔ پھلوں کی مقدار۔ نوعیت اور کیفیت میں بھی فرق ہے کوئی خوشبودار اور لذیذ ہے کوئی بدبودار اور بد مزہ۔ لذیذ ہونے میں بھی درجات کا اختلاف ہے باوجودیکہ غذا سب کی ایک ہے۔ ایک ہی پانی سے سب کو سیراب کیا جاتا ہے۔ زمین بھی ایک ہے پھر اتنی کھلی ہوئی بیگانگی کیوں ہے۔ یہ سب حقیقت امر کی شان امر و فضل کی ہی وجہ سے ہے جو ایک ہمہ گیر طاقت ہے۔

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق (سورہ النحل آیت ۱۱)
 اس آیت میں فضل رزق سے متعلق ہے اور رزق ایک ایسا وسیع اور جامع لفظ ہے کہ اس کے احاطہ میں مال۔ حال۔ قال۔ سب آجاتے ہیں۔ ظاہری آیت کا شان نزول عالم موجودات سے ہے جس کو اختلاف احوال پر مبنی کیا ہے کسی کو امیر بنایا کسی کو غریب کسی کو آقا کسی کو غلام۔ نظام کائنات کو برقرار رکھنے کے لئے اللہ عزوجل نے دولت و مال میں کمی بیشی رکھی۔ کسی کو زیادہ مال دیا اور کسی کو کم۔ زیادہ مال رکھنے والے کو افضل گردانا۔ کبھی اس فضل سے بندے کا امتحان اور آزمائش مقصود ہوتی ہے۔ رزق کی مساوات سے نظام عالم درہم برہم ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی خادم رہے نہ مخدوم۔ نہ آقا نہ نوکر۔ نہ پیشوں کا اختلاف باقی رہے گا نہ کوئی محنت کرے گا۔ اس لئے تنظیم عالم کی بقا کے لئے تفاوت رزق ضروری ہے۔ رہا استحقاق رزق تو یہ سب کو برابر ہے۔ کسی کو اپنے خادم یا غلام سے اچھا کھانے یا پہننے کا حق نہیں ہے۔

املاک و تصرفات میں اگرچہ کمی بیشی ہے مگر فوائد حاصل کرنے کا سب کو برابر
 حق ہے۔ یہ فضل رزق اپنی عقل و علم سے میسر نہیں آتا۔ بڑے بڑے احمق
 جاہل مالدار ہیں اور بڑے بڑے عاقل و دانا نادار۔ وجعلنا آیتہ
 النهار مبصرةً لتبينوا فضلاً من ربكم
 (سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۲)۔ یہاں کسب معاش
 کو فضل کا لفظ دیا۔ ملازمت۔ زراعت۔ تجارت اور دیگر ذرائع
 معاش سب فضل میں داخل کر دئے کہ رات کی تاریکی سے نکل کر دن
 کی روشنی میں یہ کام باس آسانی سرانجام ہوتے ہیں۔

ربکم الذی یزجى لکم الفلك فی البحر لتبتغوا
 من فضلہ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۴)
 یہاں اس آیت میں بحری سفر اور جہاز رانی کو فضل کے ساتھ لگایا۔
 طلب معاش تجارت ملکی فتوحات یا دوسرے کاروبار کے لئے بحری
 سفر فضل اللہ محض ہے۔

اولاً رحمةً من ربک ط ان فضلہ کان علیک کبیراً
 (سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۷) اس آیت کے پہلے روح
 کا بیان ہو چکا۔ اسے عالم امر کی چیز کہہ کر ختم کر دیا۔ کیسی ہے کون بتا
 سکتا ہے اور کون سمجھ سکتا ہے۔ مختصراً اس کا ذکر پچھلے صفحات میں کر دیا
 گیا ہے۔ اب اس آیت میں قرآن پاک کو اللہ کی رحمت کہا۔ اور اس
 کی عطا کو اپنا فضل عظیم بتایا گیا کہ احکام قرآنی اور تعلیم و بانی قابل غور اور
 واجب العمل میں یہ درس گاہ عمل ہے۔ عملی زندگی کو سنوارنے کی
 ضرورت ہے اور یہی فضل اللہ ہے۔

(سورہ نور)

۱:۔ ولولا فضل اللہ علیکم ورحمته وان اللہ

تو اب حکیم (ایت ۱)

۲۔ ولولا فضل الله عليكم ورحمته في الدنيا
والآخرة لمتكم في ما آفضتم فيه عذاب عظيم

(ایت ۱۳) -

۳۔ ولولا فضل الله عليكم ورحمته وان الله
رؤوف رحيم (ایت ۲)

۴۔ ولولا ان الله فضل منكم والسعة (ایت ۲)

۵۔ ان يكونوا فقرا يغنيهم الله من فضله

(ایت ۳۲)

۶۔ حتى يغنيهم الله من فضله ط (ایت ۳۳)

۷۔ ويزيدهم من فضله ط والله يدرق من

يتساءر بغير حساب (ایت ۳۸)

ان آیات مبارکہ میں جو سورۃ نور کی ہیں فضل کا ذکر بار بار آیا ہے۔

اور مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ گناہوں کی معافی، مصیبت

سے بچنا۔ لعان وغیرہ کے احکام معلوم ہونے پر یہ سب اللہ کا فضل

ہے۔ وہ لوگ جو تہمت میں شریک ہو گئے تھے یا تردّد کرتے ہوئے

خاموش رہے ان کو توبہ کی مہلت اور توبہ کرنے پر معافی کا وعدہ

اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تھی۔ بے نظیر بنی کی بے نظیر طیبہ طاہرہ

عقیقہ محفوظ زوجہ کو بہتان لگانا بے نظیر عذاب کا مقتضی تھا۔ اور اس

کاٹل جانا عین فضل اللہ اور اس کی رحمت تھی۔ اس سورہ میں حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولیٰ الفضل کا خطاب دیا گیا کیونکہ آپ دین و دنیا

کی خوبیوں کے حامل اور محاسن کا گہوارہ تھے۔ اس سورہ میں فضل کو غنی

سے بھی متعلق کیا ہے۔ اور نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے کہ کبھی

غنا کا سبب ہو جانا ہے اگر عورت خوش نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مرد فقیر کو امیر بنا دیتا ہے۔ اور اسے اپنے فضل سے مقدر والا کر دیتا ہے۔

استحقاق کے علاوہ جو بھی اللہ عزوجل کی طرف سے ملتا ہے اسے فضل کا نام دیا گیا ہے۔ جیسے جنت اور وہاں کی نعمتوں کو کئی بار بھنا کا تو بیکسبون کا یعنی اعمال کا بدلہ کیا ہے۔ لیکن رب تعالیٰ کا دیدار۔ اس کا انعام یا ایک کا بدلہ سات سو تک یا اس سے زیادہ انعام یا جو ہمارے دم و گمان سے باہر ہیں یہ سب اللہ عزوجل کا فضل شمار ہوتا ہے۔ ہوا۔ پانی آگ۔ مٹی سب اس کا فضل ہے۔ نہ کہیں انسان کا حق ثابت ہو سکا اور نہ اللہ کے فضل کی نفی وجود میں آئی۔ فضل عالم امر کی شے محقق کسی شرط سے مفید نہ ہو سکی۔ عالم موجودات میں سے کون سی شے ہے جو فقدان فضل کا دعویٰ کر سکے۔ بلے پر وبال کیڑے کوزہ بین کی تہ میں روزی دینا اس کا فضل ہی ہے۔ فضل نہ ہو تو کسی ہستی کا وجود نہ ہو۔ اشیا کا قیام اس کا فضل۔ کائنات کا نظام اس کا فضل۔ اشیا کا ثبات تغیر سب اس کا فضل۔ اس شان امر کی حد کو استحقاق سے آگے شروع ہوتی ہے لیکن جب کسی شے کو استحقاق ہی حاصل نہ ہو تو پھر وجود کائنات سب فضل کا ہی طفیل ہوا۔ ان هذا اللہ الفضل المبین (سورہ الاحقاف آیت ۱۲)۔ اس آیت میں اللہ عزوجل نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم منطق الطیر کو اپنا فضل کہا جو اسے دیا گیا اور ایسے ہی او تینا من کل شیء کو بھی فضل مبین فرمایا کہ تخت اس کا ایسا تھا کہ کسی بادشاہ کا نہ تھا۔ موضع القرآن میں ہے کہ داہنی طرف تخت کے دو لاکھ کرسیاں بھی رہتی تھیں ان پر اہل آدمیوں کے بیٹھے تھے اور بائیں طرف دو لاکھ کرسیاں بھی رہتی تھیں

ان پر شرفاً جنوں کے بیٹھتے تھے اور جانب دست راست سلیمان علیہ السلام کے پتلیس^{۳۵} منبر رکھے ہوئے تھے اس پر علما اُنس بیٹھتے تھے اور جانب دست چپ اُن کے پتلیس^{۳۵} منبر رکھے رہتے تھے اُن پر فضلاً بن بیٹھتے تھے اور یہ تمام علماء فضلاً سخن حق کہتے تھے اور سب جن و انس کو سیوں پر بیٹھتے سنتے تھے اور سلیمان علیہ السلام تخت پر ہوتے تھے اور طیور ہوا پر کھڑے برابر برابر سایہ کرتے تھے۔ اور یہ سب کچھ فضلِ مبین تھا۔

قال هذا من فضل ربي (سورۃ النمل آیت ۲۷)
 اس آیت کا محل جو قرآن میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قصہ سے ہے جس میں انہوں نے اپنے درباریوں سے فرمایا کہ بلقیس کا تخت کون لائے۔ تو اصف بن برخیا جو وزیر سلیمان علیہ السلام تھا نے جواب دیا کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے سے اُسے لاسکتا ہوں چنانچہ آگیا۔ پس جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے نزدیک ٹھہرا ہوا پایا تو زبان شکر سے کہا 'هذا من فضل ربي اس ولی کی کرامت کو اپنے لئے فضل اللہ جانا کہ اللہ عزوجل نے میرے ماتحت اتنی اتنی بڑی کرامت والے بندے کئے ہیں۔ ادھر آج کل بڑی بڑی عمارت پر جو ہذا من فضل ربي کا اشتہار دیکھا جاتا ہے انہوں نے کس بے دردی سے آیت کے محل کو بگاڑا ہے۔ ہاں لفظ فضل کے استعمال میں اپنی استطاعت کے مطابق شاید حق بجانب ہوں۔ واللہ اعلم۔

ومن آیتہ منا مکرم باللیل والنہار وابتغوا کم من فضلہ (سورۃ روم آیت ۲۳) اس آیت میں تلاشِ رزق کو فضل اللہ کہا گیا ہے۔ جس کا کچھ بیان پہلے گذر چکا ہے

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

من فضلہ (سورہ روم آیت ۲۵)

یہاں فضل بمعنی کرم ہے جس پر کہ عمل کی جزا موقوف ہے۔ عمل جزا کا سبب ہیں علت نہیں۔ علت فضل ہی ہے۔

وَلِتُحْرِيَ الْأَنْفَالَكُ بِأَمْرِكُ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ

لِحُلُوكُمْ تَشْكُرُونَ (سورہ روم آیت ۲۶)

یہاں بھی فضل بمعنی رزق ہیں روزی اگرچہ ہمارے کسب سے حاصل ہے۔ پھر بھی اللہ کے فضل سے ہے۔

لِيُؤْفِقَهُمْ أَجْرَهُمْ وَيَزِيلَ عَنْهُمْ أَثْمَانَهُمْ (سورہ

فاطر آیت ۳۰)

یہاں فضل اپنے معنوں میں استحقاق سے زائد پر بولا گیا ہے۔ کہ ایک سویا سات سو کروڑے۔ یا اپنا دیدار دے جو ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہ ہوگا۔

وَمَنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاللَّهِ ذَلِكَ هُوَ

الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (سورہ فاطر آیت ۳۲)۔

صاحب امر حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں اچھی خاصی غواصی کی ہے اور لفظ فضل الکبیر کو گروہ سابق بالخیر۔ نزدیک رکھا ہے۔ اور اس گروہ کی تعریف یوں کی ہے۔

۱۔ بے حساب جنت میں جانے والے۔ ۲۔ جہاد کرنے والے

۳۔ وہ جو پہلے ہجرت کے ایمان لائے۔ ۴۔ عالم

۵۔ متوجہ مولیٰ۔ ۶۔ عبادت کرنے والا اللہ فی اللہ

۷۔ بیگناہ۔ ۸۔ تائب ثابت۔ ۹۔ وہ جو صرف معاویہ پر

۱۰۔ صبر کرنے والا بلا پر۔ ۱۱۔ متوجہ طرف مذکور کے

۱۲: - متقی - ۱۳: - واجد - ۱۴: - وہ جس کی حسناات سیات
 پر غالب آئیں - ۱۵: - جس کا باطن ظاہر سے اچھا ہو - ۱۶: - دینے
 والا فقط - ۱۷: - دیکھنے والا حق سے طرف حق کے - ۱۸: - جو منعم
 سے منعم کو دیکھے - ۱۹: - بیدار -

اس سب صفات کو فضل الکبیر کہا -

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ
 الْكَبِيرُ (سورہ شوریٰ آیت ۲۲) -

یہاں فضل بمعنی اکرامت جو کہ بہشتیوں کو اللہ عزوجل کی طرف سے ملے
 گی اور جس کے سامنے نعمتیں خانہ دنیا کی کچھ نہیں -

وَجَنَّتْ عَرْضَهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ طَاعِدَتِ
 لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ط ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ
 يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

(سورہ الحدید آیت ۲۱)

یہاں فضل بمعنی اجنت جس کا مختصراً ذکر پہلے گزر چکا ہے -

يَعْلَمُ أَهْلَ الْكِتَابِ الَّذِي قَدَرْنَا عَلَى شَيْءٍ مِّنْ
 فَضْلِ اللَّهِ وَإِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ
 وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (سورہ الحدید آیت ۲۹)

اس آیت میں فضل اللہ کا اہل کتاب کے حق میں فقدان ظاہر کیا گیا ہے -
 اور اس کو صرف اہل ایمان کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے -

وَاتَّبِعُوا مَن فَضَّلَ اللَّهُ وَادْكُرُوا كَثِيرًا لِّعَلَّكُمْ
 تُفْلِحُونَ (سورہ جملہ آیت ۱)

یہاں مراد فضل اللہ سے رزق دنیا اور تہیہ اسباب معاش ہے
 اور بعضوں نے کہا ہے کہ پھیل جانا بھی زمین مسجد میں ہے واسطے

سننے و عطر کے اور مجلس علماء میں بیٹھنے کے اور بعضے کہتے ہیں کہ عبادت
 مریض کی ہے اور حضور جبارہ اور زیارت مومنان اور طلب علم اور
 اسی طرح کچھ جو نیک کام ہیں کیونکہ وہ عورتوں کا ایسے ہی
 اعمال میں ہوتا ہے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ
 الْعَظِيمِ (سورۃ جملہ ایت ۲۷)

یہ فضل (زیادتی کرم) نبوت اور بعثت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے
 جس کو چاہے دیتا ہے۔ یا پدایت۔ ایمان صحابیت اللہ کے فضل
 سے نصیب ہوتی ہیں۔ یا حضور کی غلامی نصیب وروں کو نصیب
 ہوتی ہے۔

سے بدیں نازم کہ ہستم اُمت تو

گہنگارم و لیکن خوش نصیبم (جامی)

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهْجِرِينَ الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ
 وَأَمْوَالِهِمْ يَلْتَمِعُونَ فَضْلًا مِّنْ اللَّهِ وَرِضْوَانًا
 (سورۃ حشر ایت ۸)

یعنی ہجرت ان کی واسطے تجارت اور اعراض و نیوی کے نہیں بلکہ
 طلب رحمت اور رضائے الہی میں اور محبت خدا اور رسول میں ترک
 دیار کیا ہے + یہاں طلب رحمت اور رضائے الہی کو فضل کا لفظ
 دیا گیا ہے۔

مندرجہ سطور جو کلام پاک کی روشنی میں لفظ فضل کی تفصیل میں
 بیان کی گئی ہیں۔ ظاہر کرتی ہیں کہ یہ صفت بھی اپنے اندر کسی معین و مقدر
 معیار کی منت کش نہیں۔ بلکہ ہر شے اس کی مرہون منت ہے۔ اور کیوں
 نہ ہو استحقاق ہمیشہ مالک و خالق کو پہنچتا ہو۔ نہ کہ مملوک و مخلوق کو۔

ایک قطعہ زمین کا عارضی مالک اس قطع میں تمام تر تصرف کے اجزا کا حق رکھتا ہے۔ اُسے جوتے۔ بونے یا عمارت کے کام میں لائے اور وہاں چاہے کسی حصہ کو بیت الخلاء بنائے اور کسی حصہ کو مصلیٰ مقرر کرے۔ یہ سب مالک کے رحم و کرم پر ہے۔

اس شانِ امر کی ضد غضب و وبال ہیں جن کو اس صفتِ فضل کی تفریط کا بھی نام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ تفریط مقدار کی بجائے مرتبہ پر منحصر ہے۔ ایک شخص کے لئے نان جو ہیں اور چند گھونٹ پانی فضل کا نام پاسکتے ہیں اور کسی شخص کے حق میں لعل و گوہر بھی وبال ہوتے ہیں۔ حقیقتِ امر ہو یا صورتِ امر دونوں کی رضا ایک ہے اور اس رضا کا حصول اس شانِ امر کی افراط ہے۔ علاوہ ازیں ہمہ تفریط اور اس میں سب کائنات شامل لیکن اپنی اپنی استعداد و صلاحیت پر۔ عالم موجودات عالم اسباب و اثرات ہے۔ ہر اثر اپنے لئے ایک سبب رکھتا ہے۔ لیکن جملہ اثرات کی علت یہی شانِ امرِ فضل ہے۔ اگر فضل شامل حال نہیں تو سبب بے کار اور اثر زائل۔ ذرہ سے لے کر آفتاب تک سب فضل کے رہن ہیں۔ اور فضل ہمہ گیر ہے۔ یہ شانِ امر نہ ہو تو دوا میں اثر نہیں۔ آگ میں گرمی نہیں اور تیز دھار میں کاٹ نہیں۔ فضل کی وابستگی ہر آن امر سے ہے۔ جہاں امر نہیں وہاں فضل مفقود۔ راقم الحروف نے اپنے محلہ کی ایک عمارت پر مندرجہ ذیل الفاظ کا کتبہ پایا۔

۱:- ہذا من فضلِ شاہِ قلندر

۲:- ہذا من فضلِ محمد رسول اللہ

۳:- ہذا من فضلِ ربی۔

میرے ساختی نے پہلی دو سطور کو قابلِ اعتراض جانا حقیقتِ امر

کے فضل کو تو فضل مانا لیکن پہلے دونوں کو شرک کا فتویٰ دے دیا۔ یہ نہ سمجھا کہ پہلا صاحب امر ہے۔ دوسرا صورت امر اور تیسرا حقیقت امر اور فضل امر کی وجہ سے لکھا گیا ہے نہ کہ کسی شخصیت کی وجہ سے۔

حقیقت امر کا کلام

شان امر کا یہ گیسو مثل امور دیگر کے نہ اپنی ابتداء رکھتا ہے نہ انتہا۔ ازلی بھی ہے اور ابدی میں اور عالم خلق میں بحیثیت خلق داخل ہے۔ سکوت و صوت دونوں کو اپنائے ہوئے ہے۔ اس کے عجائب کبھی شتم نہیں ہوتے۔ بار بار تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا۔ اپنی تفریط میں ہر کہ و مہ کا حصہ ہے اور اپنی افراط میں قرآن کے اوراق میں محفوظ ہے۔ اسی کو ذکر حکیم اور صراط مستقیم بھی کہا گیا ہے۔ کسی دوسرے کلام کو قرآن پاک سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ جیسے حقیقت امر کی بزرگی تمام مخلوق پر اس طرح اس شان امر (کلام) کی بزرگی جملہ کلاموں پر حقیقت امر کے کلام میں اعجازِ بلیغ یہ ہے کہ ایک ہی خطاب قدرت میں ہر درجہ کی تعلیم موجود ہے جسے عامی سے لے کر صاحب امر حضرات تک ہر درجہ کا آدمی اپنی استعداد کے لائق معافی و معارف سمجھ لیتا ہے۔ پس عامی ابتدا میں یہ جانتا ہے کہ اس میں صرف یہی معافی ہیں جو میں نے سمجھ لئے پھر جب اس پر عمل سے وہ نور مزید حاصل کرتا ہے تو عجب دیکھتا ہے کہ گویا میں نے یہ آیت ہی نہیں پڑھی تھی۔ اسی واسطے حدیث علی رضی اللہ عنہما میں وارد ہوا کہ لا تنقضی عجائباً۔ (اس کے عجائب کبھی منقطع نہیں ہوتے) اور بھید یہ ہے کہ اسرارِ معارف غیر قنایا ہی ہیں پس کسی حد پر انتہا نہیں۔ جس سے معلوم

ہوا کہ یہ اعجازِ معترف بشری سے خارج ہے اور ابتدائے خطاب
ایسے طور پر ہے کہ ہر عام اسکو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ برعکس اس کے
اس کی بلاغت و فصاحت کے مقابلہ میں تمام عرب چپ ہو گیا +
ایک طرف ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر
فرمایا اور کہیں تدبر نہ کرنے پر تو بیخ فرمائی اقلایند برون القرآن
اس کلام کے بارے میں کوئی مجتہد یہ نہیں کہہ سکتا کہ کلام کے یہی معنی
ہیں۔ ہر ایک کی تفہیم علیحدہ اور حقیقتِ امر کے پیدا کرنے سے۔ جتنا
کسی نے اس میں جہد کیا اتنی ہی اسے راہ کی ہدایت فرمائی اور بسا
اوقات تفہیم کی حد یہاں تک گئی کہ سمع کلام سے مومن کی روح نے حلاوت
ولدت پائی اور پرواز کر گئی۔ سبحان اللہ لاله الاہوا لہی القیوم +
اس کلام کا ظاہر باطن میں اور باطن ظاہر میں گم ہے۔ بعض نے
کہا کہ اس میں سوائے تفسیر کے بہت کچھ موجود ہے۔ جو شخص اولین
و آخرین کا علم چاہے وہ اس کلام سے متور ہو۔ مبتدی پہلے ظاہر
تفسیر کا حفظ اور اس پر مستقیم ہوتا ہے اس واسطے کہ ظاہر کو محکم
کرنے سے پہلے باطن تک پہنچنے کی کوئی امید نہیں ہے بدلیل حدیث پاک
کے کہ جس نے عمل کیا اس پر جو جانا + اس سے متحقق مستفاد ہوا
جس نے ظاہر تفسیر پر عمل کیا اس کو تاویلات باطن کا علم حاصل ہوتا
ہے۔ اور صورتِ امر کے کلام (یعنی حدیث) کی روایت بھی اس
حقیقتِ امر کے کلام (یعنی قرآن) کے واسطے ظہر و بطن ہے۔
جس شخص کو اول درجہ بطن پر علم ہوا تو یہ بطن اس کے حق میں ظاہر تفسیر
ہو گیا پس جب وہ اس بطن پر مستقیم رہا و عمل کیا تو آئندہ اس کو
درجہ دوم جو اس سے اعلیٰ ہے ظاہر ہوا اور بعد ظہور کے وہ بھی
اس کے حق میں ظہر ہو گیا و علیٰ ہذا القیاس + اور مراتب کی کوئی انتہا

اس نے نہیں جانا

بجز نور اللہ تعالیٰ اس کو ایسے امر کا حکم دینا ہے جو

نہیں ہے۔ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا معنی باطن بھی اُس
 شخص کو مفہوم ہوتے ہیں۔ جہاں تک ابتدائی عام فہم ہدایت مقصود
 ہے وہ عام کے واسطے آسان کر دیا گیا ہے۔ اور ہر آیت پر جو
 علوم الہی عزوجل مضمون ہیں اُن پر نظر عام نہیں پہنچی حالانکہ عامی نے جس
 کلمہ کو عمدہ خیال کیا تھا اُس سے اُن معانی میں خلل ہو جاتا ہے اگر
 عامی کی رائے ہوتی تو علمائے ربانی کو آئندہ ان علوم سے محرومی
 ہوتی + کیونکہ حقیقت امر میں عجز و جہل محال ہے اس لئے قطعاً
 معلوم ہوا کہ جو کلمہ و طرز بیان آیت ہے وہ نہایت اعلیٰ کمال
 پر ہے۔ عالم ربانی مانند تقدیرات الہیہ کے خوب سمجھتا ہے کہ تمام
 جن و انس ملائکہ میں کوئی نہیں جو اس کلمہ کی بجائے اس سے عمدہ
 لاسکے اور حق یہ ہے کہ ترجمہ بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتا
 بعض علماء نے کہا کہ جو کچھ صورت امر نے فرمایا وہ قرآن میں
 موجود ہے جس نے سمجھا اس نے سمجھا ورنہ اپنا قصور ہے اور
 اسی قدر ملتا ہے جس قدر اس کی کوشش اور سمجھ ہو۔

پھر صاحب امر حضرات اس علم کے وارث ہوتے پھر اس
 کے بعد ہمیشہ کم ہو گئیں اور عزم آخرت میں فتور آ گیا اور عامی
 اس کے اٹھانے سے عاجز ہوتے گئے اور بجائے اس کے جہل
 پیدا ہوتا گیا الحال قرآن میں جمیع علوم موجود ہیں لیکن جاہل کا
 انکار بوجہ اپنے جہل کے ہے۔ جس کے دل میں دنیا کی محبت یا
 بدعت یا تکبر ہو یا گناہ پر مصر ہو یا ایمان محقق نہ ہو یا کسی گمراہ
 یا بدعتی کی رائے پر اعتقاد ہو یا عقل عام یا جو اس پر بصر و سدہ
 کر کے وہ علوم و اسرار کلام سے محجوب ہو گا۔ اعجاز قرآنی میں
 ہر فہم کے لائق معانی و اشارات دیگر ہیں جن کو ہر متقی اپنے درجہ تقویٰ

کے موافق سمجھتا ہے اور لطف یہ کہ وہ ہرگز ان احکام ظاہر
 کے خلاف بھی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی یہ تخریفات و تحویل ہے۔
 تجربہ شائد ہے کہ آغوش دہن سے یا کسی دیگر آلہ سے جو
 کلام نکلتا ہے وہ غیر فانی ہوتا ہے۔ اور وقت کی قید سے بھی آزاد
 ہوتا ہے۔ عقل عام کی رسائی جہاں تک تو ہو گئی کہ کمرہٴ ارض پر ایک
 آواز کسی آلہ کے ذریعہ سے نکلتی ہے اور یہ آواز آلہ دیگر سے ہی وقت
 اس کمرہٴ ارض کے ہر گوشہ میں سانی دیتی ہے۔ یہ آواز پھر کہاں جاتی
 ہے اور دوبارہ کیسے سنی جاسکتی ہے ابھی تک عقل عوام اس کی تسخیر
 سے قاصر ہے۔ لیکن بہر حال یہ واضح ہو گیا کہ اس شانِ امر (کلام)
 کی تفریط میں کس قدر قوت ہے۔ اسی سے اس شانِ امر (کلام)
 کی افراط کا اندازہ لگائیے کہ حقیقتِ امر کا کلام کتنی زبردست طاقت
 لئے ہوتے ہوگا۔ حقیقتِ امر کی طرح یہ شانِ امر بھی اللان کماکان
 ہے۔ اور اس پر اولی الامر حضرات کے اقوال گواہی دیتے ہیں جب
 وہ فرماتے ہیں کہ ہم اب بھی کن اور الست بدیکم کی صدائیں سن رہے
 ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس سارا قرآن اپنی صوت سے جملہ موجودات میں
 گونج رہا ہے۔ اللحد سے لے کر والناس تک یہ گیسو اپنی افراط میں
 ہے اور اسی طرح صورتِ امر کی احادیث اور صاحبِ امر کے
 اقوال کو گوشِ امر سن رہے ہیں۔ حقیقتِ امر کا کلام صوت سے خالی
 نہیں لیکن اور اصوات کی طرح نہ یہ کسی مخرج کا منت کش ہے۔ اور نہ
 اپنی شنید میں کسی گوش کا مرہوں ہے۔ اسے الفاظ کا ہمارہ صورتِ امر
 سے ملا تاکہ عالمِ خلق اس کی متحمل ہو سکے اور آسانی کے پیش نظر پھر اس
 تفریط سے افراط کی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اسی صوت کو حاصل
 کرے جسے صورتِ امر نے اشارۃً کھنٹی کی آواز سے تشبیہ دی تھی

شنید کا مدار ایک طرف تو قوتِ مخرج پر ہوتا ہے اور دوسری طرف قوتِ سماعت پر۔ جتنی زور سے آواز نکلے گی اتنی دور سنا دی دے گی اور جس قدر کان درستی پر ہوں گے اسی قدر شنید میں آسانی ہوگی حقیقتِ امر کے کلام کی طاقت اور قوت تو معلوم ہو گئی اور اس میں کسی قسم کے انکار کی گنجائش نہیں رہی لیکن اس گوشِ سماعت کے تناقص نے بے بسی ظاہر کی۔ جس قدر یہ تخلیقِ شانِ امر سے بے بہرہ رہی اسی قدر صلاحیتِ سماعت سے دور ہوگی۔ صاحبِ امر حضرات اس

صوت سے لذت پاتے ہیں وغیرہما محروم ہیں + عالمِ خواب میں جب ایک شخص عالمِ بیداری سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ تو وہ انواعِ اقسام کے مناظر مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ چلتا پھرتا ہے۔ آوازیں سنتا ہے۔ لیکن وہ چلتا پھرتا نہ ان ٹانگوں سے ہے اور نہ اس کا بولتا اس زبان سے ہے اور نہ سنتا ان کانوں سے۔ بعینہ جو حضرات عالمِ بیداری میں رہتے ہوئے اس عالم سے مستغنی ہیں وہ ان اصوات کو سن رہے ہیں۔ گوشِ خلق سے نہیں بلکہ گوشِ امر سے۔

حقیقتِ امر کے کلام نے چند گنتی کے حروف کا لباس پہنا اور حقیقتِ کلام کو کچھ اس طرح سمٹا کہ عالمِ موجودات میں کوئی اور شے اسے اپنانے کے لئے عاجز آگئی اور سب نے اس کا انکار کر دیا۔ یہ حقیقت ہر طرح کے جملوں میں بند کی گئی کسی کو جمالی رنگ دیا اور کسی کو جلالی۔ باوجود اس کے اپنی کبریائی اور اپنی تخلیق کو اس طرح چکر دیا کہ خود حروف چکر میں آگئے۔

سورۃ المدثر میں آیتِ ربِّکَ مندرجہ ذیل حروف کو شامل ہے۔

ر - ب - ک - ف - ک - ب - ر

جس کو اگر اٹا پڑھا جائے تو بھی یہی حروف - یہی آیت اور یہی معانی
نکلتے ہیں -

اسی طرح سورہ کا یسن میں آیت کلّٰیٰ قُلکّٰیٰ میں یہاں
شمس و قمر اور ستاروں کی تخلیق کا بیان ہے اور یس و نہار کا دورہ
بیان کیا گیا ہے مندرجہ ذیل حروف ہیں -

ک - ل - ف - ی - و - ن - ل - ک

جن کا الٹ بھی وہی معانی نکالتا ہے - کمال تو یہ ہے کہ عالم کا چکر
بتانا مقصود تھا حروف کا چکر بھی اسی طرح دے دیا - دنیا کی کوئی
زبان یا کوئی کلام ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا جس کا الٹ بھی وہی
معانی رکھتا ہو -

ہر کلام حروف پر مشتمل ہے - ہر حرف اپنے اندر کلام کی طرح
معانی رکھتا ہے لیکن بڑے دقیق - انہیں حروف کے اشکال متغیرہ
سے ہی زمانہ بھر کی زبانیں نہیں اور قیامت تک بنتی نہیں گی - چونکہ
یہ حروف عام انسان کے بھی حصہ میں آئے تھے - ان کی بڑا بڑا بنیاد
سے علیحدہ کر دی سو اسے حروف سے کہ درمیان زبر و بینات
اس کی کوئی فرق نہ رکھا اور اسے سو بیت اعتدالیت اور ^{وقت}
بھی تختی اور صورت امر کے ساتھ مختص کر دیا - جب فرمایا یسن
(سبحان اللہ العلیٰ العظیم) - حرف سے آیت تک
جو جو کلمات یا الفاظ بنے ہر ایک نے اپنے اندر لاتعداد معانی چھپائے
اور ان معانی کا ظہور مراتب کی حیثیت سے ہوا - مقام و مرتبہ چونکہ
ازلی تھے ان میں کچھ فرق نہ آیا - ہاں ان کے ساتھ جو جو الفاظ لگے انہوں
نے مرتبہ کے مطابق معانی ظاہر کئے کلام پاک میں ان کی مثالیں ظاہر
ہیں - حقیقت امر = مکر و مکر اللہ و اللہ خیر انما کرین

صورت امر = انك ميت وانه ميتون
 اولی الامر = ولقد ذكركم الله بیدروا نثر ادلة
 یہاں مومنین کو ذلیل بے سرو سامانی کے معنوں میں کہا گیا ہے
 نہ کہ عامتہ الناس والی ذلت:

میت - وقم - خنزیر کا حرام ہونا - ماں - بہن - بیٹی کا حرام ہونا
 حرم پاک - شہر الحرام - مسجد حرام - بیت الحرام - ان سب میں
 حرمت جیسے جیسے مراتب کے ساتھ لگی ویسے معانی دئے۔

صورت امر والے ضال نے اپنے معانی جو لئے وہ ایک قاسم
 و فاجر ضال سے الگ رہے اور اسی طرح ایک کافر کا ضال ہونا اور
 زیچا کا حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں ضال ہونا جدا گانہ معانی
 رکھتے ہیں۔ عمریر و کریم کتنے مقدس الفاظ معلوم ہوتے ہیں ہی الفاظ
 جب قیامت کو ایک کافر کو خطاب کرتے ہوئے کہے جائیں گے انك
 انت الحزینا لکریم تو الٹ اور مخالف معانی رکھیں گے۔
 صاحب امر حضرات ان الفاظ کی سیر سے واقف ہوتے ہیں اور انکی
 نگاہ ہر آنے والے کے اذلی مرتبہ پر بھی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی
 تلقین ہر راہرو کے لئے جدا گانہ ہوتی ہے۔ جو جو الفاظ و کلمات یا
 آیات مبارکہ جس جس مرتبہ کے انسان کو موزوں ہوتی ہیں وہی ان کو
 تلقین فرماتے ہیں۔ اس لئے ہر وظیفہ ہر انسان کے لئے اس نہیں آتا۔
 بلکہ اس کا اثر مخالف بیٹھتا ہے۔ اور اس کا تجربہ شاہد ہے۔ کلام چونکہ
 گیسوے امر کی ایک لٹ تھی سننے والوں کے لئے ہدایت کا کام بھی
 دے گئی اور گمراہی کے گڑھے میں بھی ڈال گئی۔ بیضی بہ کثیراً
 و یهدی بہ کثیراً۔ کسی کو سارے قرآن سے کچھ نفع
 نہ پہنچا اور کسی کو حروف مقطعات ہی حقیقت امر سے شناسا کر گئے

عالم خلق تمام کا تمام ایک ہی کلمہ کا ظہور ہے جس میں صورت امر و اسم۔
صاحب امر و فعل، اور ان کے علاوہ جملہ مخلوقات و حروف، مٹھہرے
اسی طرح حقیقت امر کا کلام بھی ایک ہی کلمہ ہے جو نہ ابتداء رکھتا ہے نہ
انتہا۔ جس طرح کلمہ و کن، کائنات میں بکھر کر اسم۔ فعل اور حرف بنا۔
اسی طرح یہ کلمہ قرآن کے اوراق میں پھیل کر۔ اسم۔ فعل اور حروف بنا۔
اسماء نے امر کی صورت اختیار کی اور عامی ان کو نہ پاسکے۔ افعال نے
بھی متنازعہ موضوعات کا لباس پہنا اور مختلف مذاہب و اعتقادات کے
کے محل بنائے۔ حروف ویسے کے ویسے رہے اور ہر ایک کی نظر
میں ایک جیسے ہو کر نمودار ہوئے۔ صاحب امر حضرات جب حروف
کی وادی سے گزر کر افعال و اسماء میں گم ہوئے تو سارے قرآن
کا ختم کرنا ان کے لئے ایک آن واحد میں ہوا۔ چنانچہ اس کی مؤید حضرت
علی کریم اللہ و جہاد کی روایت ہے جب انہوں نے فرمایا کہ میں سارا
قرآن گھوڑے پر سوار ہوتے وقت ایک رکاب سے دوسری رکاب
میں پاؤں ڈالنے تک ختم کر لیتا ہوں ۴ زمین۔ پہاڑوں۔ سمندروں پر بھی
اسی کیفیت کا نزول گراں گذرا۔ اسی کیفیت کا نزول ہی یکبارگی لوح محفوظ
سے آسمان دنیا پر ہوا۔ اس کیفیت کا نزول ہی صورت امر کی جبر تیلی
قوت نے ہر رمضان کی لیلة القدر میں دوہرایا۔

کلام میں شان امر سزاوت کر گئی اور موثر مٹھہر ہی لیکن انداز یہ
رکھا کہ متاثر میں بھی یہ شان امر موجود پائی۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے
کہ آنکھ اکیلی نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ سامنے روشنی موجود نہ ہو۔
قوت بصارت ہے لیکن روشنی نہیں۔ اندھیر ہوگا روشنی ہے قوت
بصارت نہیں کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اسی طرح کلام نرم و نازک سے
اور شان امر سے بھرا ہوا ہے لیکن سننے والا بے امر ہے کچھ فائدہ نہ ہوگا

بلکہ برعکس خسارہ میں رہے گا و ما یزید اظالمین الا خسارہ۔
 ہاں اپنی شان اجتماع ضدیں کے پیش نظر کبھی یہ کلام عامۃ الناس کے
 جوہر کو بھی اوجاگر کر دیتا ہے اور اگر اس کلام کی ایک آیت یا ایک لفظ
 بھی دل میں اتر آئے تو سننے والے کو دنیا و ما فیہا سے بے نیاز بنا
 دیتا ہے۔

صُورَتِ اَمْرِ

احدیث - وحدت - وحدتیت - ہویت - غیب - ذات
 بحت - احدیت ذاتیہ - احدیت مطلقہ - چشمہ کافور - لا تعین
 ذات بے اسما و صفات یہ سب نام و مقام اسی ذات یکتا کے ہیں
 جن کو راقم الحروف نے حقیقتِ امر کا نام دیا ہے۔ صفات میں سب
 سے پہلے ظہور چونکہ امر کا ہوا اور حقیقتِ مطلق - بے چون اور بے نام
 و نشان رہی اور اس تک علم و ادراک اور خیالی و فکر کی رسائی نہ ہوئی
 امر اس حقیقت کے ظہور کا شوق ٹھہرا۔ تو مرتبہ احدیت سے مقام
 محمد صلعم میں تنزل فرمایا اور سب سے پہلے اسے نور ذات کا پیر تعینایا۔
 وحدت اور وحدتیت کی نسبت اپنی طرف رکھی اور اللہ اکماکان رہا۔
 اور باقی تین نسبتوں کو یعنی عالم ارواح - عالم مثال اور عام اجسام
 کو اپنی صفت امر کے تحت کیا۔ اور اس طرح اپنے شوق و ارادہ
 کو مرتبہ نزولی و یکرا اپنی مخلوق کے لئے اپنے تک پہنچنے کی دعوت دی +
 اور دائرہ عروجی کی طرف بلایا۔ لیکن اتنی رعایت سے کہ عام اجسام
 کے لئے ایک انسان کامل تک کی رسائی کو ان کی انتہا اور ان کا عروج
 گروانا۔ اور وحدت و وحدتیت پر یقین رکھنے والوں پر اس صورتِ امر

سے احسان کیا۔ یقین نہ رکھے والوں نے اس صورت کو اپنی ہم شکل صورت سمجھا اور تمیز و تفاوت کو نظر انداز کر دیا۔ امر اور خلق کی بحث پہلے اوراق میں ہو چکی ہے۔ کاشش یہ اتنا ہی جان لیں کہ یہ انسان کامل صورت امر ہے اور باقی تمام صورت خلق ہیں + امر تضاد کا حامل اور قدسی۔ خلق پابند سنت اور فاتی + امر عالم ارواح سے اور خلق عالم اشباح سے۔ امر علم اجمال اور خلق عالم اجسام اور اعیان خارجہ امر کی صورت بھی امر اور اس سے وابستگان بھی صاحب امر اس حد تک کہ فرمایا آپ نے "و نہ لگے گی آگ اس مسلمان کو کہ دیکھا جھکویا دیکھا ہے۔ اس کو کہ دیکھا ہے مجھ کو،" عالم اجسام سے جس کسی کی بھی نسبت اس صورت امر سے ہوتی اپنے میں اس امر کے اثرات پائے اس اجمال کی تفصیل ظاہر کرنے کا شوق و امنگی ہے اور اس کی تمہید ظاہری چہرہ مہرہ سے کی جاتی ہے تاکہ "ہم جیسا" کی رٹ لگانے والوں پر قدرت امر عیاں ہو۔ خدا کی پناہ کس سادگی اور بیوقوفی سے عوام کو دھوکا دے رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ آپ کی مماثلت اور عدم مماثلت کا کوئی پہلو اگر ہے تو وہ صرف اس گروہ انسان کے لئے ہے جو شریک زمرہ لایو منون ہیں کیونکہ صفات کی تفریط انہیں سے ہی شروع ہوتی ہے + اور صورت امر میں جملہ مخلوقات کا بقدر و لبط نصیب ہر آن و ہر لحظ موجود ہے + انسان کے ظاہری چہرہ مہرہ میں سے بالوں کی حیثیت بہت کم رکھی گئی ہے۔ زمرہ کی بول چال میں بھی کسی ادنیٰ شے کی تشبیہ دینے وقت کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کی قدر تو بال برابر بھی نہیں۔ لیکن دائرہ امر میں یہی بال اپنی جداگانہ حیثیتوں کا مالک ہے۔ صورت امر کا موئے مبارک اگر ایک جانب عام بالوں کی طرح قطع

دبرید و افتاد کی قید میں آتو دوسری جانب یہی موتے مبارک کسی
 کے کلاہ میں پیوستہ باطل کو نیست و نابود کر دینے کا مشرکہ سنارہ
 ہے۔ کسی کو اپنی حفاظت کے عوض مقام ولایت سے سرفراز فرما رہا
 ہے۔ کوئی بادشاہ اپنی ساری بادشاہی کے عوض اپنی نجات
 کے لئے اسے کفن میں رکھنے کی وصیت کر رہا ہے۔ کبھی اس موتے
 مبارک کے احترام کی خاطر ایمان والے اپنی جانوں پر کھیل جاتے ہیں۔
 اور تو اور خود حقیقت امر اس صورت امر کے بالوں کی سوگند کھا رہی
 ہے۔ اور ان کی شان اذیغثے او اذیغثے کی صفات میں ظاہر
 فرما رہی ہے۔ افتاد سے لے کر لامکان تک اس کی سیر ہے اور
 کائنات کی حقیقت اس ایک بال کے آگے بال برابر بھی نہیں تقریب
 سے لے کر شان امر تک عالم اجسام میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام
 و مرتبہ کے مطابق اس کو اپنے ادراک میں جگہ دے رہا ہے۔ لیکن
 اس کی حقیقت اذیغثے اور اذیغثے فرمائے والا ہی جانے۔ آپ
 کی نورانی پیشانی باوہی النظر والوں کے لئے ایک وضع کی پیشانی ہی
 ہے۔ عرق آلود بھی ہوتی ہے اور سجدہ ریز بھی۔ یہاں تک کہ
 بوالہبی اور بوالجہلی طبائع اس پیشانی کی روت کو اپنے عقائد میں
 نحوست کا درجہ دیتے ہیں۔ اور بوجہ نفرین اس پر نگاہ ڈالنے
 سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف یہی ماتھا شفاعت کا
 سہرا لئے ہوئے مجرموں کے صفائے و کبائر پر خط نسخ کھینچ رہا ہے۔
 یہی جبین مبین اس نور کی حامل ہے جس کی جبرئیل علیہ السلام نے
 ستر بار ہر ستر ہزار سال کے بعد تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے
 زیارت کی اور حقیقت امر نے جسے والفجر کا نام دیا۔ اور جسکی شان
 اواجب فرمائی۔ صورت امر کی پیشانی میں تضاد حضرت عمر بن عاص

کی روایت سے ملاحظہ فرمائیں جب اُن سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رخ انور دیکھا تو نفی میں جواب دیا اور فرمایا کہ جب زمانہ جہالت کا تھا تو نفرت کی وجہ سے اُن کی طرف نگاہ نہیں کرتے تھے۔ جب ایمان نے دل میں جگہ لی تو جہاد و شکوہ سے بھرپور پیشانی آقدس نے ہماری نگاہوں کی جرات متسبب کر لی اور ادھر نگاہوں نے بھی ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چہرہ انور کا رخ نہ کیا۔ صورت امر نے بہر حال تضاد بہت نا۔

نرگس باغ امر یعنی آپ کی چشم مبارک جو سوتی بھی ہے اور جاگتی بھی ہے۔ جو صفائی اور سرمہ کی بھی محتاج ہے اور جس کی انہی القلوب کے لئے پس دیوار تک بھی رسائی محال ہے۔ جو اوروں کی طرح غم میں پیرغم بھی ہوتی ہے۔ اپنی تفریط بشریہ سے نکل کر افراطِ صفتِ امر کی طرف کچھ اس لوح سے پہنچتی ہے کہ قیامت تک ہونے والے احوال مثل کف دست دیکھتی ہے + اور تضاد کے پیش نظر آگے۔ پیچھے دائیں۔ بائیں یکساں معائنہ فرماتی ہے۔ اس چشم پاک نے غیب تو درکنار غیب الغیوب کو بھی دیکھا۔ اور وہیں سے مازاع و ماظغی کی اسناد حاصل کیں جن سے جملہ مخلوقات کی آنکھیں بہرہ یاب نہ ہو سکیں۔ اور اس چشمِ امر کو بھی زارع و طغی کے چکر میں ہی دیکھا + صفاتِ زارع و طغی اس آنکھ کی تفریط ٹھہری اور صفاتِ مازاع و ماظغی اس کی افراط۔ گروہ لایومنون تفریط پر اڑے رہے اور یقین کرنے والوں نے اپنے اپنے مقام کے مطابق اس چشمِ حق بین کو نام و مقام دیئے اور اپنے نصیب حاصل کئے + صاحب امر میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک ایسی وادی سے گذر رہے تھے کہ پہاڑ کے دامن سے صوت نے سنی حضور علیہ السلام نے اپنی

انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں لے کر فرمایا کہ جب یہ آواز بند ہو جائے تو ہمیں بتانا۔ آواز ختم ہونے پر ارشادِ امر کی تعمیل کی تو فرمایا کہ یہ شیطان کی آواز تھی۔

مندرجہ بالا حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ آپ کے گوش مبارک عامۃ الناس کی طرح سنتے بھی ہیں اور بند کر لینے سے نہیں بھی سنتے اوصافِ شانِ امر کی صفتِ شنوائی اُس پتھر کی افتاد کو سن رہی ہے جو ستریزہ ارسال کے بعد جہنم کے آخری درک میں گرا۔ اور ان کانوں کے سامنے قُرب و بُعد کی تمیز اٹھ گئی۔ بیک وقت اپنے غلاموں کی بھی سن رہے ہیں اور حیرتیل علیہ السلام کی بھی۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر درود پڑھے مگر اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے۔ (حدیث شریف راوی ابو در وارضی اللہ تعالیٰ عنہ) مثلیت کے دعویداروں نے ہاتھوں چیسے ہاتھ دیکھے۔ اور انگلیوں جیسی انگلیاں پائیں + لیکن یدِ اکا فوق ایدِ یھنر اور مارصیت اذ رمیت کی تفسیر سے اور والشق القمہ کی تفسیر سے اندھے رہے ذرا ایک لمحہ کے لئے اپنی مماثلت کو فرعون و ابو جہل کے چہرہ اور ہاتھوں سے وابستہ کریں اور اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں کہ کسی حد تک حضور علیہ السلام کی مماثلت کے دعوے میں حق بجانب ہیں۔ قرآن کی بے مثلی کے تو قابل ہوں اور صاحبِ قرآن کی بے مثلی پر معترض۔ حالانکہ سیاہی۔ الفاظ اور ارق جو قرآن کا ظاہری جامہ ہے ہر کتاب ان کی حامل ہے + قرآن نے اپنے کو نور اور صدی کہا ہے اور صاحبِ قرآن کو بھی۔ نور اور صدی کے الفاظ دئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ایک بے مثل ٹھہرے اور دوسرے کو "پیمو مثلی" "پیمو مانی" کے ناموں سے خطاب دئے جائیں۔

بہیں عقل و دانش بیاید گریست

سمجھ لیجئے کہ عالم مخلوق اسباب سے وابستہ ہے اور تفہیم کے لئے
 تمثیل کا عادی ہے۔ عالم امر اسباب کا پابند نہیں اور تفہیم سے
 بے نیاز ہے۔ حقیقت امر ہے جب عالم خلق میں عالم امر کو رکھا
 اور پھر عالم خلق کو اپنی دعوت دی تو یہ دعوت عالم خلق کے لئے
 ایک معجزہ بن گئی تفہیم و تمثیل کے عالم کو بھلا یہ رسائی کیونکر نصیب
 ہو کہ ایک تفہیم سے بالا اور تمثیل سے اوپر والے امر کو پالے نتیجہ بے بسی
 نکلا۔ صفت رحمت موجزن ہوئی تو صورت امر کا ظہور فرمایا جس میں
 تمثیل و تعقل کی جھلک رکھی تاکہ عالم خلق اپنے ان دونوں وصفوں سے
 منازل معرفت میں گامزن ہو + نہ یہ مثل اصل تھی اور نہ یہ عقل
 عقل خلق۔ ایسی لئے اسے "مشکوٰۃ" ہی فرمایا بعض مخلوق کو اس
 مثال اور اس عقل کل نے استفادہ بخشا اور انہیں حقیقت میں ڈھانپ
 لیا۔ بعض اس سے سرے سے ہی غافل رہے اور مقصد تخلیق نہ
 پاسکے اور بعض اس سے رُمتی مثل کو جو دراصل انہی کے فائدہ کو تھی
 اپنی اصل پر منتج کرنے لگے اور لہی ضلال "میدن کا طوق
 ڈال کر ننگ و عاری دین بنے۔ عیاذ باللہ۔ انہوں نے یہ نہ
 سوچا کہ علت مماثلت تو معرفت امر کے لئے تھی نہ اس لئے کہ
 اس کو زیر بحث مضمون بنایا جائے کلام پاک نے جہاں کہیں اس
 مماثلت بشریہ کا ذکر فرمایا فوراً ساتھ ہی یوحی الہی کی ضد سے
 ممانعت فرمادی تاکہ پڑھنے والے مشکوٰۃ میں ہی نہ ٹھہرے
 رہیں بلکہ جان لیں کہ وحی الہی جو عالم امر سے ہے۔ بشریت جو عالم
 خلق سے ہے، اس کی مشتمل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی یہ بشریت اسے
 اور اک کر سکتی ہے۔ صورت امر میں مماثلت خلق تو دعوت حق
 کے لئے تھی نہ خود صورت امر کے لئے + اور اس مماثلت والی جھلک

کی مثال خود قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان فرمائی ہے۔ جب اللہ عزوجل نے طور کے ایک درخت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنا کے رنگ میں جھلک مار کر اسے اپنی طرف بلا یا۔ جب وہاں پہنچ گئے تو فرمایا اِنِّی اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ نہ وہاں کوئی آگ تھی نہ آگ کا نشان۔ عالم خلق پابند اسباب اور متمنی امثال تھا اس لیے اسی کے رنگ میں صورتِ امر نظر آئی اور اپنی صفتِ تضاد کے ماتحت اس عالمِ خلق کو کفر و ایمان کے دو گروہوں میں منقسم کر گئی۔ جو جملہ تضاد کے سرچشمہ ٹھہرے۔

سے ابونہ مانے آپ سقر گیا تیرا نور بار و وحار ہے۔

آپ کے افعال۔ اقوال۔ احوال اور کمال جن کا ذکر اپنی اپنی جگہ پر انشاء اللہ ہوگا تو بے مثل ہی ہیں۔ یہاں پر صرف آپ کے وجود پر وجود کو بے مثل ماننا ہے اور عقیدہ مثلیت کو باطل ثابت کرنا ہے۔ قرآن کریم میں اکثر جگہ مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اقوال نے بھی اپنے اپنے نبی کو انتہا بشرفِ حُثُنَا کہہ کر ہی وبالِ عذاب چکھا۔ ظاہری چہرہ مہرہ کا پایا جانا مثلیت کے ثبوت میں ناکافی اور نا تمام ہے۔ ہم بھی موجود اور اللہ عزوجل بھی موجود تو نعوذ باللہ کہ یہ ہماری موجودگی اللہ عزوجل سے کسی قسم کی بھی مماثلت میں دلیل کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ اسی طرح اللہ عزوجل مومن۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مومن اور ایک مثلیت کا وعیدار بھی مومن تو کیا یہ تینوں مومن آپس میں مماثلت رکھنے لگے۔ حضور علیہ السلام منظرِ احدیت ہیں۔ اگر احدیت بے مثل تو منظر بھی بے مثل جیسے آپ کی حقیقت بے مثل ویسے آپ کا جسم بے مثل۔ جیسے آپ کی حقیقت برزخ کبریا ویسے ہی آپ کا جسم اقدس بھی برزخ کبریا

صورت امر نہ تھا لہٰذا نہ مخلوق نہ واجب نہ ممکن۔ نہ ہم جیسے نہ خدا جیسے
 اگر واجب مانیں تو عبودیت جاتی رہی ہوتا بہتہ + اگر ممکن جانیں تو قدرت
 سے انکار جو محال + نہ آپ ممکن الوجود نہ واجب الوجود۔ آپ دونوں
 ضدوں کا اجتماع اور اللہ کی شان امر کی صورت۔ انہما انا المستر
 مثلاً کہ آپ کی ادا اور قاب قوسین ادا و فی آپ کی انتہا۔ اور ان
 دونوں مقامات کے درمیان درمیان ساری کائنات کی راہ۔ یہی وجود
 اگر ابوجہل دیکھے تو جو بگو اس کرے اللہ کی پناہ۔ اور اسی چہرہ کو اگر جہنم
 صدیق دیکھے تو فوراً زبان سے سبحان اللہ۔ ماشا اللہ کی تسبیحات
 نکلیں آپ کا شرف اتنا بلند کہ نسبتیں تھک کر سدرہ تک ہی رہ جائیں
 اور دوسری طرف آپ کا کرم اتنا وسیع کہ کائنات کا ذرہ ذرہ فیض باریک
 ہے۔ اگر یاس ڈگمگائے تو فوراً اس اس کا دامن پکڑے۔ اگر اس
 اترے تو یاس سے منہ کی کھائے +

اس اجتماع کا ایک اور منظر غزوہ احد کے دن دیکھیں عالم اسلام
 میں شاید ہی زیادہ تنگ وقت اس دن سے آیا ہو۔ قوم نے آپ کا سوز سزا
 زخمی کیا واپسی طرف کے نچلے دانت مبارک کا کچھ حصہ بھی شہید ہوا۔
 دو کٹریاں کھود کی رخسار مبارک میں بلیٹھ گئیں۔ آپ گھوڑے سمیت
 کافروں کے کھودے ہوئے گڑھے میں بھی گر گئے۔ اس سراسیمگی میں
 طلحہ رضی۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اور مالک ابن سنان رضی جیسے اولی الامر صحابہ
 نے آپ کی ظاہری معاونت بھی کی۔ صفت امر کی تفریط اس سے زیادہ
 کیا ہو سکتی تھی + اگر آپ کی کیفیت یہی رہی پھر تو مماثلت کے دعوے
 داروں کی بن آئی۔ لیکن اسی واقعہ کی احادیث مبارکہ میں جن کی زیادہ
 تردوات حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اس صورت امر
 کی شان افراط بھی لکھ کر ظاہر کر دی۔ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور

علیہ السلام کو گڑھے سے نکالتے ہیں تو ان کو ۲ وجیبہ ^{یا طلحہ رضی اللہ تعالیٰ}
 (واجب ہونی سبقت طلحہ رضی اللہ عنہ) کی بشارت دی جاتی ہے۔ ابو عبیدہ
 بن جراح کھڑکی کڑیاں رخسار مبارک سے اپنے دانتوں سے کھینچتے ہیں اور
 ان کو بھی یہی الفاظ کہ جنت تم پر واجب ہو گئی فرمائے جاتے ہیں۔
 علمبردار اُحد مالک بن سنان نے رخساروں سے خون پاک چوسا تو فرمایا
 "جس نے خون چوسا واجب ہوئی اس کے لئے جنت" اسی کیفیت
 میں آپ جبل اُحد کے ایک پتھر سے ٹیک لگائے کھڑے ہیں کہ حضرت
 جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوتے ہیں اور اللہ عزوجل کا سلام
 دینے کے بعد عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ سامنے والے درخت
 کو اشارہ کریں کہ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپ کے پاس آئے اور
 سلام کر کے واپس اپنی جگہ چلا جائے چنانچہ اسی طرح ہوا، ایک
 طرف اکمل الممکنات کی حیثیت سے آپ کی ظاہری بے بسی اور بے چارگی
 نظر آ رہی ہے تو دوسری طرف منظرِ واجب کی حیثیت سے آپ کی
 قدرت اور خود مختاری ملاحظہ ہو، صورتِ امر بہ بیانِ خلق ہے جو حقیقتِ امر
 کا احسان ہے۔ اور دلیل ہے سالکوں پر کہ امر بہ حال میں حصولِ یقین
 اور رفعِ غم اور حزن کے لئے موثر ہے۔ اور دلیل ہے اس پر کہ جن کو
 تقرب اور بزرگی درگاہِ امر میں ہو اگرچہ کچھ غم اور حزن خلق سے پہنچے تو
 صبر کرنا چاہئے اور اجر بقدر مشقت اور رنج کے ہوتا ہے۔ اصل میں
 نہ عقل غوام کی آپ تک رسائی ہے اور نہ عقل شرعی کی۔
 سے حیرت نے جھنجھلا کر کہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں۔
 آپ کے جسمِ اقدس کا ہر ہر اندام اپنے میں تفریط و افراط اور
 تضاد کا حامل ہے۔ آپ کا ہر عضو نور کا ٹکڑا ہے اور آپ کا جسم
 عین نور ہے۔ آپ کی طرف گمانِ مماثلت کرنا ایمان سے ہاتھ دھونا

آپ تو آپ آپ کی نعلین مبارک کی معراج عرش اعظم ہے، آپ کے
 مستند معراج میں اختلاف کفار مکہ سے لے کر آب تک چلا آرہا ہے
 کوئی آپ کے جسد پاک کو جسم کثیف کہہ کر اس کا صعود الی السما محال
 جان رہا ہے۔ کوئی اس معراج کو خواب کا نام دے کر پیش کر رہا ہے۔
 کوئی اس معراج کا سرے سے ہی انکار ہی ہے۔ ادھر دوسری طرف
 ایل ایمان اس عروج کو مع الجسد ثابت کر رہے ہیں اور اپنے ثبوت
 میں کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ سے عقلی اور نقلی دلائل پیش
 کرتے ہیں۔ دو نو طرف ایک گرم معراج کہہ کر اسے طرفین سے
 بحثیں ہو رہی ہیں لیکن آج تک نہ تو سارے جسمانی معراج کے معتقد
 ہوئے اور نہ سارے منکر۔ سیاح لامکان نے سب سے پہلے امر
 کی حدیث ابو جہل کو سنائی جو اتفاقاً صبح ہوتے ہی حرم پاک میں موجود
 تھا۔ خبر تمام کی تمام عالم امر کی تھی اس لئے فوراً ضد اختیار کر گئی۔
 چنانچہ ابو جہل نے اس کی خبر کو فوراً اپنی ضد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کو دہی تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے لیکن صدیق اکبر کا اس
 خبر کو بغیر پس پیش کے مصدقہ جاننا مقصد ابو جہل کو ناکام بنا گیا۔ ناچار
 اس نے اپنے چمنواؤں سے یہ خبر کہی اور اس دن سے صورت امر کا یہ
 خارق اسباب فعل تنازعہ فیہ ہوا۔ یہاں واقعہ معراج کا تفصیلی ذکر
 مقصود نہیں۔ اور نہ ہی کسی شے کا ثبوت درکار ہے۔ اس واقعہ کی
 ابتدا سے لے کر انتہا تک بھلا عقل کی کیسے رسائی ہو۔ جب کہ اس
 کی ابتدا اور انتہا ایک ہو جائے۔

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
 اک دم میں سر عرش گئے آئے محمدؐ

عالم خلق۔ عالم اشباح۔ عالم اسباب۔ اسے محال جانیں تو جانیں

لیکن عالمِ امر میں ایسے ہزاروں اجتماع ممکن ہیں۔
حقیقت امر اگر بیک وقت اول بھی ہے اور آخر بھی تو صورت امر
سیرِ اقصیٰ (پرے سے پرے) میں سترہ سال گزار آئے اور پھر
پلک جھپکنے سے پہلے ہی اس این و آن کی واویلوں کو عبور کر کے واپس
بھی آجائے تو عقل نارسا کیوں خون تھوکنے لگے۔

حدیثِ معراج کے تحت راقم الحروف امر کی قدرت کا ایک
واقعہ درج کرتا ہے۔ ذرا صورت امر کی بیانیگی کی وسعت ہو جب
آپ نے فرمایا کہ حاملانِ عرش دیکھے جن میں سے ایک فرشتہ کا
ذکر فرمایا کہ اس کے ایک بال میں سات سمندر موجزن تھے۔ جن
میں پھلیاں تھیں اور ایک پھلی کی مسافت دم سے لے کر اس کے منہ
تک حدِ نظر تک تھی + عقل زمان۔ مکان اور وقت سب امر کے تحت
ہوتے ہیں اس لئے کہ ان سب کی تخلیق امر سے ہی ہوئی جز کل کو کیسے
گھیرے اور خلق امر کو کیسے پائے + یہ عبدیت بھی صورت امر ہے
اور امر متحمل قدرتِ نابیریں بندہ کا حضرت قادر کو ملنا محال نہ ٹھہرا۔
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

آپ کا جسدِ اطہر۔ آپ کی حدیث مبارک آپ کے افعال تمام تر
عالمِ خلق کے واسطے حجاباتِ نور ہیں اگر ظہور ہوں تو سب سوخت
ہو جائیں۔ یہ ظاہری کثافتیں جو آپ میں نمایاں ہیں دراصل اسی
لطفِ عظمیٰ کا جلوہ نہ و نما کر رہی ہیں جس کا دوسرا نام امر ہے +

صورت امر کی روح یا نور سب سے پہلے اور صورت امر کا بدن
مبارک سب سے۔ آخر۔ (نحن اخرون سابقون) صورت امر
کے متعلقہ ميثاقِ اولیٰ اور اس کا عملد آمد ابدی۔ صورت امر جو جامع
الکلم۔ یتیم۔ کافۃ الخلاق۔ خاتم النبیین۔ رحمت العالمین صورت امر

سے سب اور صورت امر کا سب۔ سب طالبِ رضائے مولا اور
 اور طلبِ رضائے مقدس۔ ولسوف لیطیایک
 ربك فترضی -

سب حقیقتِ امر کی قسم کھائیں لیکن حقیقتِ امر صورتِ امر کی
 قسم کھائے۔ اللہ عزوجل سب کو بنامِ علامت اور آپ کو بنامِ کرامت
 یاد فرمائے۔ اور وعظ علیہم کا پیغام دے کر آپ کی رافت کی
 تلافی فرمائے۔ کیونکہ صورتِ امر میں غلطت اور رافت دو نوصدیں بیک
 وقت ہیں۔ صورتِ امر پر اعتراض کا جواب حقیقتِ امر خود دے اور
 باقی پیغمبروں کا ان کی زبانی۔ خطاب و کلام میں جملہ مخلوق سے تقصیرِ زلات
 پہلے اور معافی بعد میں۔ لیکن صورتِ امر میں معافی و مغفرت پہلے اور ذکر
 تقصیر بعد میں۔

۱۔ عفی اللہ عنک لو ادنت لہور۔

۲۔ یخفرک اللہ ما تقدم ما تاخر۔

وجودِ مخلوق آب و گل سے اور صورتِ امر جان و دل سے پیدا فرمائے۔
 سب سایہ رکھیں لیکن صورتِ امر سب سے بلند اسی لئے آپ بغیر
 سایہ کے۔ شبِ تاریک میں نور آپ کا ایسا روشن جیسا چراغِ خواب
 و بیداری میں اور اک آپ کا یکساں۔ تخمیرِ طینتِ آدم علیہ السلام چالیس ہزار
 برس تک رہی اور نور آپ کا تین سو پچاس ہزار برس قبل خلقتِ آدم نور
 اہدیت اپنے سے پیدا کیا۔ آدم علیہ السلام کے لئے آبِ جنت
 استعمال کیا اور صورتِ امر کے لئے آبِ رحمت۔ آدم علیہ السلام کے
 لئے نفخت فیہ من روحی اور صورتِ امر کے لئے وکذالک
 اوحینا الیک روحاً من امرنا۔ آدم علیہ السلام کو سما تعلیم
 فرمائے اور ادھر صورتِ امر کو علم القرآن مخلوقِ الانسان سے پہلے ہی عطا

فرمایا۔ آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ تو صورت امر مقتدا کے فرشتگان و پیغمبر
 اور جملہ عالمیان۔ ادھر آدم علیہ السلام کو روزِ اول ایک سجدہ تھا لیکن ادھر
 صورت امر قیامت تک کے لئے مقامِ محمد اور قیامت کے بعد مقامِ
 محمد و پرفائز ہوئے + آدم علیہ السلام کو آسمان سے گزار کر بہشت
 میں لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہشت دکھا کر مقامِ قدس
 مکانِ قاب قوسین او ادنیٰ تک سیر کرائی۔ آدم کو شیطان کے ڈگمگایا
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شیطان مسلمان ہو گیا۔

آدم بتلا سے بذلت ہوئے یہاں تک کہ خلق کو پتہ لگ گیا اور عتاب
 پہلے۔ ادھر لیغفر لک اللہ ما لقدم وما تاخر سے سند
 مغفرت بھی مل گئی اور خلق بے خیر رکھی۔ آدم علیہ السلام کا قالب غالب
 آیا اور انہیں اوپر سے نیچے زمین پر لے آیا۔ صورت امر ولاتِ خاک
 سے عالم پاک کی طرف روانہ ہوئے + و علیٰ ہذا لقیاس جمیع انبیاء علیہ السلام
 کو جو جو دیا گیا اس سے کہیں بلند و بالا صورت امر نے پایا۔

کلام پاک کی تفاسیر جو قواعدات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات
 مبارکہ میں ملے راقم الحروف ان کو اختصار کے طور پر بیان کر دیتا ہے
 تاکہ پتہ چل جائے کہ فہم و ادراک صورت امر کے پانے میں قاصر ہیں۔
 ۱۔ ادیس علیہ السلام: آپ فرطِ درس کی وجہ سے آسمانوں پر
 اٹھائے گئے ہر جگہ کی سیر کی۔ جب بہشت میں داخل ہوئے تو اسے پسند
 فرمایا اور واپس آنا نہ چاہا ادھر صورت امر جب سیر سماوات غیرہا کو تکھے
 سب کا معائنہ فرمایا اور حقیقت امر کے سوائے کسی کو پسند نہ فرمایا۔
 یہاں تک کہ مازاع و ماطفی کی ڈگری ملی + ادیس علیہ السلام کو سیر کو اکب
 کرائی اور ادھر صورت امر کا قدم فرق کو کب پر رکھا + ادیس علیہ السلام
 کو علم خیاطت کا دیا اور حضور کو علم معرفت اور نور محبت۔ ادھر علم کتابت

و معرفت لوح و قلم و فی اُدھر لوح و قلم سے گزار کر کتابت سے مخاطب کو پہنچایا۔

۲۔ نوح علیہ السلام :- کشتی نختی کہ سیر کریں ادھر براق بنخشا کہ ہوا میں آڑیں۔ کشتی کے سفر میں بلا و طوفان سے نجات بخشا اُدھر لطف الہی اور فضل اللہ تھا ہی سفر معراج میں دامنیگر ہوا + ایک طرف تو قوم کے لئے عذاب چاہا۔ دوسری طرف کافروں کی ہدایت چاہی۔

۳۔ ابراہیم علیہ السلام :- آپ کا مقام مقام سخاوت اور صورت امر کا مقام مقام جود۔ آپ اگر خلیل ہیں تو صورت امر حبیب۔ آپ امام عوام امام۔ انی جا علیک للناس اماما اور ادھر معراج میں آپ امام انبیاء۔ ابراہیم علیہ السلام کو اگر قوت یقین دی تو صورت امر کو "لی مع اللہ وقت لا یسفی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل"۔ یعنی وقت با یقین + ایک طرف تو جبریل علیہ السلام پوچھے۔ ہل تک حاجت؟۔ دوسری طرف اندر عجز میں کہے کہ اگر آگے جاؤں پر چل جائیں + ادھر آتش نمرود کو برد سالم کیا تو دوسری طرف صورت امر سے وابستگان پر آتش دوزخ برد سالم کی اور صراط پران کے لئے آتش افسردہ اور تیج بستہ کہ دی۔ ایک کی نظر آفتاب ماہتاب سیاروں پر رکھی۔ ادھر صورت امر کا قدم سب سے اوپر لے جا کر وہو با الافق اعلیٰ فرمایا۔ ایک طرف تو نبی ابراہیم ملکوت السوات والارض سے وسعت نظر دی تو دوسری طرف دنی افتدلی سے وسعت قرب دکھائی + ایک درماندہ ہو کر جسی اللہ کہتے تو دوسرے کو ارشاد حسبک اللہ ہو + ایک طرف تو اتنی ذاہب الی ربی سیدیر کیلئے۔ تو دوسری طرف سبحان الذی اسر العبد کا وہ خود فرمائے ایک

طرف فرمان ہو رہا ہے کہ بندوں اپنیوں کو کہہ کہ ثنا میری کریں۔ اور صورت اس کے بارہ میں ارشاد ہے کہ تو نہ تھا کہ قیدی ثنا کی گئی۔
 ورافعنا لک ذکرک۔ ایک نے عالم ملکوت کی سیر کی اور بلاکت عاصیاں چاہی۔ دوسرے لفائف کبریا سے مشرف ہوئے تو عاصیوں کی مغفرت چاہی۔ ایک کو حکم ہوتا ہے واذن فی الناس بالحق دوسری طرف محبوب کے لئے خود پکاریں اٹھتی ہیں۔

ربنا اننا سمعنا منادی ینادی لا ایمان... الخ
 ایک کہے فمن تبعنی نأنت منی۔ دوسرا فرمائے شفاعتی من اهل کبابر من امتی + ایک کو اولو تو من اسے عتاب امیر خطاب دوسرے کے لئے امن المرسل بما انزل اللہ من ربه والمؤمنون... الخ + واسطے پسرخیل کے ایک کو سفند قدیہ بھیجا اور واسطے پد رحیب صلعم کے سو کو سفند قدیہ دئے۔ ادھر ابراہیم علیہ السلام کہیں کہ مجھے سب عالم سے حق سبحانہ بس۔ اور ادھر حق سبحانہ، فرمائے مجھے کونین سے میرا حبیب صلعم بس۔ لولاک لما خلقت الجن والانس۔
 ۴: حضرت یوسف علیہ السلام۔ آپ کو تاویل حدیث اور تعبیر خواب کا علم عطا فرمایا۔ تو صورت امر کی امت کو تحصیل موارث اور تفسیر کتاب دی ایک طرف حسن دیا اور زنان مصر نے اپنی انگلیاں کاٹیں۔ ادھر جمال دیا۔ کہ زنا ر توڑے۔

سے سرگٹا تے ہیں ترے نام پر مردان عرب

ایک طرف وجعلنی خزا من الارض تو دوسری طرف مفتاح کنوز رحمت اور خزا من رموز مغفرت + ایک نے والد کو تخت پر بٹھایا۔ دوسرے سر عرش تخت نشین ہوئے +

۵: حضرت موسیٰ علیہ السلام :- کوہ طور پر کلیم اللہ بنے۔ ادھر حرم نماز میں فاوجی علی عبدہ ما اوحی سے نوازے گئے۔ ایک توید بیضا لئے واپس آئے۔ دوسرے طبت بیضا اور دین بیضا سے نوازے گئے۔ اعجاز عصا سے اگر ساحران نابود ہوئے تو ادھر شفاعت سے گہنگار مٹ گئے۔ ایک کو بیغیر می بنی اسرائیل کی ملی تو آپ کے لئے جبرئیل علیہ السلام جیسے خدمت گزار اور اسرائیل علیہ السلام جیسے حاشیہ بردار۔ ایک خود گئے۔ فلما جاء موسى۔ دوسرے بلوائے گئے۔

ایک کا کلام کوہ طور پر دوسرے کا کلام کرسی نور پر + ادھر چالیس دن تک آب و نان نہ دیا پھر کلام کیا۔ ادھر ہر رات ابیت عند ربی ہو یطعنی و یسقنی کا پروگرام ہے۔ ادھر جگایا۔ ادھر سلایا اور رات کے ایک حصہ میں سراغ این و متی مٹا دیا + جو آپ جائیں ممکن ہے کہ یار پائیں یا نہ پائیں اور جو بلائے جائیں ممکن نہیں کہ دخل نہ پائیں۔ ایک طرف توجوش لن تراخی اور دوسری طرف تقاضے وصال کے۔

(الموتراالی ربک) ایک دریا پار کرے تو دامن تر نہ ہو اور دوسری طرف کمال یہ کہ صراط سے گذرے اور دامن خشک نہ ہو۔ ضرب عصا سے چٹے پھوٹے اور ادھر انگلیوں سے نہریں جاری ہوئیں۔

۶: حضرت سلیمان علیہ السلام :- آپ کے لئے ہوا مسخر کی تو صورت امر کے لئے ملائکہ مسخر کئے۔ ویدد دکر دیکو نیمسنہ الا فی من الملائکة۔ ایک کا تخت دن رات میں ایک ماہ کی مسافت طے کرے اور ادھر براق بیک وقت پلک چھپکنے سے پہلے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچے۔ ایک طرف مرغ سایہ کرتے تھے اور باتیں کرتے تھے تو دوسری طرف الموتراالی ربک کیف مد اخل کا سایہ ہے۔ اور سب باتیں کرتے ہیں۔

ایک کو ساری دنیا کی مملکت بجا ریت۔ اور ساری عقیقی اپنی اور ہمیشہ کے لئے + اور اگر انگشتری مملکت تھی تو اور خاتم نبوت۔

۷:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، آپ کا مقام آسمان چہارم پر اور امت اپنی کو محروم کر دیا۔ اور صورت امر عرش پر دولت وصال رکھتے ہوئے امت کو یاد فرما رہے ہیں۔ ایک بن باب کے اور صورت امر بے واسطہ اور احدیت سے۔ ایک مردہ زندہ کرے۔

دوسرا پتر مردہ دلوں کو زندگی بختے۔ افا من کان متیاً فاحیناء ایک کا مائدہ آسمان سے اترے۔ اور رکھنے سے گلنے سڑنے کا اندیشہ

ہو۔ صورت امر کا مائدہ پتر فائدہ قرآن۔ لا رطب ولا یابس الافی کتب المبین + پہلا مائدہ سبب غذائے قوم ہوا۔

دوسرا مائدہ وهو شفاء ورحمتہ للمومنین بنا۔ مندرجہ بالا سطور کا مطالعہ آپ پر واضح کر گیا کہ جنہوں نے صورت

امر کو یہاں تک رکھا کہ ”انچہ ہمہ خوباں دارند تو تنہا دار ہی“ وہ اپنی بے بسی کے تحت ایک مقام پر رُکے ہوئے ہیں + عالم خلق کی خوبیاں عالم امر کی خوبیوں سے کیسے مشابہت رکھ سکتی ہیں۔ گراؤۃ انبیاء ہو یا مسکین۔ مقربین ہوں یا واصلین سب صورت امر کے طفیلی ہیں اور سب آپ کا دروازہ دکھانے والے ہیں۔ راہ حقیقت امر صرف آپ ہی ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ہمنوائی میں یہی کہن پڑے گا۔

سے بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگر ہی اجسا و عالم خلق مقید اور صورت امر کے جسد شریف کی تجلی سے نہ زمانہ خالی نہ مکان۔ نہ محل خالی ہے نہ امکان۔ نہ عرش خالی ہے نہ لوح۔ نہ کرسی خالی ہے نہ قلم نہ بحر خالی ہے نہ بر نہ نرم زمین خالی

ہے نہ سخت - نہ بزدخ خالی ہے نہ قبر - صورت امر اپنے مقام
اعلیٰ و ارفع میں تشریف فرمائیں - اور ہر مندرجہ بالا مقامات پر حاضر
ناظر ہے - صورت امر کی نور ریزی سے ہی آفتاب و ماہتاب بلکہ تمام
عالم روشن و منور ہے ۔

صورت امر باعث تکوین کائنات اور فائت جملہ موجودات ہے -
یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ ہر کام کا آغاز تلقین 'بِسْمِ اللّٰهِ' سے ہے -
نہ کہ 'بِاللّٰهِ' سے - اسم اور ذات ہیں کا کہ وہ اسم ہو دو علیحدہ چیزیں
ہیں - ایک شخصیت اور ہستی ہے اور دوسرا اس کا نام (اسم) جو کہ
اس ذات - ہستی یا شخصیت کی نشاندہی کرتا ہے - شے اپنی جگہ قائم
ہے لیکن اس کا نام (اسم) زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے - کائنات
کی تمام اشیاء میری ان سطور کی تصدیق کرتی ہیں - لفظ زید ابولین زید
کی شکل اور جس قدر معلومات آپ کی زید کے متعلق ہیں فوراً سامنے آجائیں
گی - ضروری نہیں کہ زید کی ذات بھی اس کے اسم کے ساتھ حاضر یا
سامنے ہو - لیکن ایسی ذات جس کا دعویٰ 'دلیس کہ مثلہ شئی'
ہو - پہلے تو اس کا کسی طرف سے بھی احاطہ کرنا دشوار ہو کیونکہ مثل
کو پہچانتی ہے - اور جب اس کی مثل کچھ نہیں تو رسائی کے تمام آلات
کٹ گئے -

دیگر ایسی ذات اور ہستی کے نام کی تلاش بھی عالم خلق کے لئے
ایک معجزہ بن گئی وجہ اس کی یہ بنی کہ ذات تو موجود کفئی اور موجود ہے
لیکن اس کا نشان کہیں نظر نہیں آتا تھا - عالم اجساد مقید - مثال کا
عادی بھلا پکارے تو کس کو اور ابتدا کرے تو کس سے + لفظ اللہ پہلے
سے ہی معانی سے پاک تھا لیکن ساتھ ہی اپنی معرفت کا بھی چاہنے
والا تھا - ادھر مخلوق بغیر کسی نشان کے اور بغیر کسی نام کے اس کو پانے

سے یا اس تک یا اُس میں جانے سے رہی۔ حقیقت امر نے اپنے نام کو
 (ذات کو نہیں) صورت سمجھتی اور اس صورت امر کو اسم اللہ فرما کر
 ہر شے کی ابتدا اس سے کرائی۔ مثل کے عادی کو مثال مل گئی اور مثال
 نے حقیقت بھر ہی بے مثلی کی طرف توجہ دلائی۔ مثل کی بنا پر قصر بے مثلی
 نظر آیا۔ محمد رسول اللہ علیہ وسلم، اسم اللہ ہوئے۔ بنا بیس من
 رانی قدر راہ الحق کا نعرہ بلند ہوا۔ اسم اللہ اور اللہ کے درمیان فصل اور
 ان کا آپس میں وصل وقت ذبح بسم اللہ اور اللہ اکبر کے
 کلمات نے اس طرح واکیا۔ کہ آیه کریمہ و ذکر اسمہ اللہ علیہ
 کے تحت بسم اللہ پڑھ لیا۔ چونکہ اسم اللہ کہا اللہ نہیں کہا اور
 اسم اللہ اللہ نہیں۔ اِحلال بہ لغیر اللہ کا تقاضہ قائم رہا۔ اسم اللہ
 اللہ نہ ہونے کے معنوں میں غیر اللہ ہے۔ اس حرمت کو دور کرنے کے
 لئے کلمہ اللہ اکبر کہنا پڑا۔ جس سے اِحلال بہ بغیر اللہ کا مقصد
 بھی برآیا۔ اپنے امر کی صورت یا اپنی ذات کے اسم کو سب کا ابتدا
 ٹھہرایا اور یہی صورت امر کی اور یہی اسم اللہ کا جملہ موجودات کا مزج
 ہوا۔ خود ماکان وما یکون سے ودا الورد ارہا۔

اب شہ الرّحمن اور الرّحیم کے الفاظ میں پڑا۔
 اللہ رّحمن اور رّحیم تو تھا ہی اسم اللہ رّحمن و رّحیم
 ر بسم اللہ الرّحمن الرّحیم کیسے بنا۔ رّحمن صفت عام
 ہے اور رّحیم صفت خاص + کلام الہی نے اس کی یوں وضاحت
 کی کہ صورت امر کی شان میں۔

۱:- وما ارسلناک الا رّحمتا لعالَمین اور
 ۲:- یا لمومنین روف رّحیم فرمایا کہ اسم اللہ کو بھی ان دو
 صفات سے نوازا لیا۔ جس سے شبہ کا ازالہ ہو گیا۔

نظم شریف و اجکان

سلسلہ عالیہ شہروردیہ رحمۃ اللہ علیہم

۱:- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (۵۶ مرتبہ)
 ۲:- دو و شریف حضرتی :- صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد
 و آلہ و اصحابہ و سلمو (۱۱۵ مرتبہ)
 ۳:- سورۃ فاتحہ :- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَلرَّحْمٰنِ
 الرَّحِیْمِ هٗ مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ هٗ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ هٗ
 اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ
 عَلَیْهِمْ هٗ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّالِّیْنَ هٗ
 آمین (۱۱۱ مرتبہ)

۴:- سورۃ الم نشرح :- اَلَوْ نَشْرِحْ لَکَ صَدْرَکَ وَ وَضَعْنَا
 عَنَّاکَ وَ زِدْکَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ وَ رَفَعْنَا لَکَ ذَکْرَکَ هٗ
 فَاَنْ مَعَ الْعَسْرِ یَسْرًا اِنْ مَعَ الْعَسْرِ یَسْرًا هٗ فَاِذَا فَرَغْتَ
 فَانصَبْ هٗ وَ اِلَی رَّبِّکَ فَارْجِعْ هٗ (۱۱۱ مرتبہ)

۵:- سورۃ اخلاص :- قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ هٗ اللّٰهُ الصَّمَدُ هٗ
 لَمْ یَلِدْ وَّلَمْ یُولَدْ هٗ وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ هٗ (۱۱۱ مرتبہ)
 ۶:- دو و شریف ہزارہ :- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا
 مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ اَصْحَابِ سَیِّدِنَا

وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِائَةِ أَلْفِ أَلْفِ مَرَّةٍ وَبَارِكْ
وَسَلِّمْ (۱۱ مرتبہ)

۷: یا قاضی الحاجات (۱۱ مرتبہ) - ۸: یا کافی المهمات (۱۱ مرتبہ)

۹: یا شافع الامراض (۱۱ مرتبہ) - ۱۰: یا حل المشکلات (۱۱ مرتبہ)

۱۱: یا شافع المناجات (۱۱ مرتبہ) - ۱۲: یا عجیب الدعوات (۱۱ مرتبہ)

۱۳: یا مسبب الاسباب (۱۱ مرتبہ) - ۱۴: یا مفتح الابواب (۱۱ مرتبہ)

۱۵: یا ارحم الراحمین (۱۱ مرتبہ) - ۱۶: واللہ غالب علی امرہ (۱۱ مرتبہ)

۱۷: یا حی یا قیوم برحمتک استغیت (۱۱ مرتبہ)

۱۸: لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من

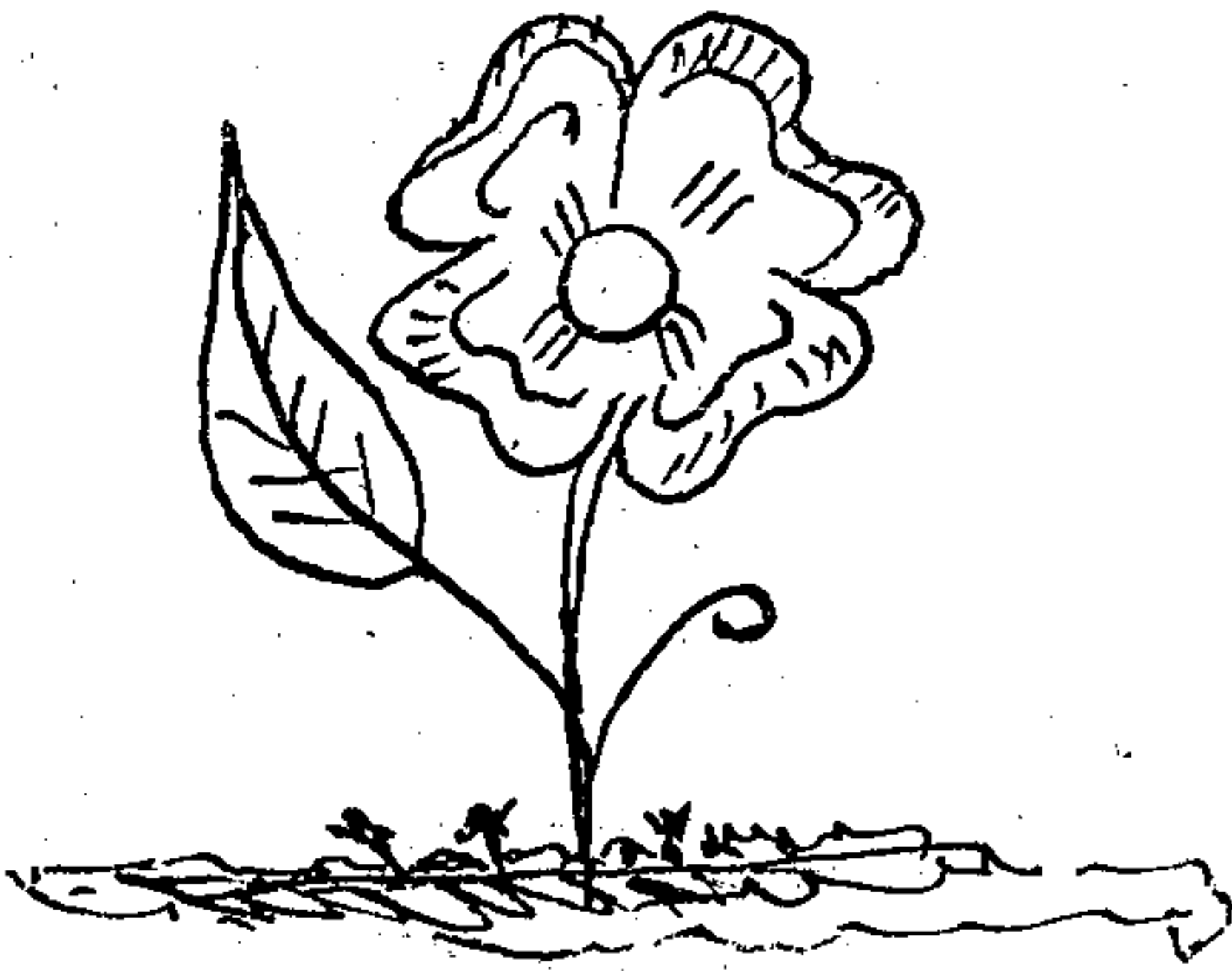
الظالمین (۱۳ مرتبہ) -

۱۹: - حال ماخضہ دلال للبتدرنگر

المدر شیخ شہاب الدین عماد

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ

عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ط

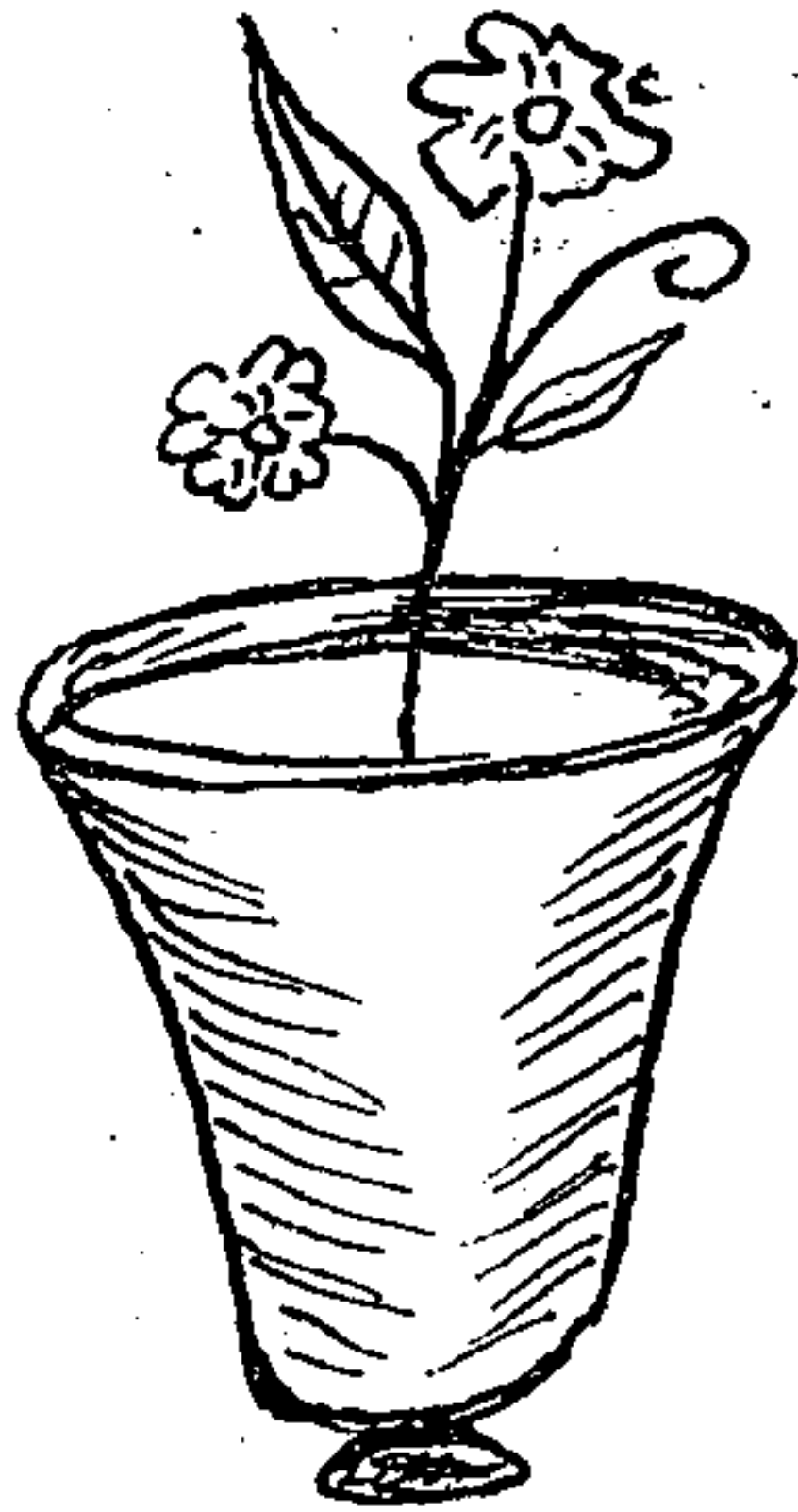


بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

در مدح شیخ احمد علیہ السلام

اللہ کی رحمت کا عنوان قلندر ہے
 فردوس میں جانے کا سامان قلندر ہے
 اللہ تعالیٰ کا فرمان محمد ہے
 سرکارِ دو عالم کا فرمان قلندر ہے
 گوارا ربیعہ عناصر سے یہ جسم مرکب ہے
 پر حق تو یہ ہے اس کی لبس جان قلندر ہے
 یہ فیض محمد ہے بوالفیض کے سینے میں
 محبوب الہی کا احسان قلندر ہے
 انسان کو انسانی اسرار جو سمجھاوے
 انسانوں میں اک ایسا انسان قلندر ہے
 ہاتھوں میں نہ کیوں اپنے مضبوطی سے میں تھاموں
 اُس رحمتِ عالم کا دامان قلندر ہے

دیتا ہوں پتہ تم کو میں شان رسالت کا
 شانوں میں محسوس کی اک شان قلندر ہے
 یہ عشق کے مذہب میں جائز ہے اگر کہوں
 دین اپنا قلندر ہے ایمان قلندر ہے
 بشرے سے ہی ظاہر ہے محتاج بیاں کیوں
 اللہ کے جلووں کی پہچان قلندر ہے
 جس در پہ شہنشاہ بھی جھکتے ہیں ریاض آگر
 سلطانوں میں اک ایسا سلطان قلندر ہے



شان قلندر رحمتیہ

مکتبہ

محمد یوسف سہروردی

اسم بامسئی

اجتماعِ صدیقین کے تحت جو کچھ ابھی تک تحریر کیا جا چکا ہے۔ وہ سب کا سب اس تمنا کی تمہید ہے۔ جو نشانِ قلندرِ رحمۃ اللہ علیہ میں دکھائی جانے والی ہے۔ تمہید کے نکات کی روشنی میں تمنا والے واقعات کا مطالعہ انشاء اللہ رُوح افزا ہوگا۔ اس اعتراف و یقین سے کہ راقم الحروف کی ممد نظر صاحبِ امر ہے۔ جرأت ہوئی کہ اپنے ہادی و رہنما حضرت قبلہ قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ جن کی ذاتِ گرامی ہی اسم بامسئی ہے۔ کے حالاتِ زندگی بھی اس کتابچہ میں تحریر کرنا لوں۔ یہ اس لیے کہ صاحبِ موصوف اس امر والی لٹ کے ایک حلقہ ہیں۔ اولیٰ الامور منکوح کی روشن دلیل۔ دانشخون فی العلم کے مترجم اور اہل الذکر کے پیشوا۔ انا بشر مثلكم کا جامہ اوڑھے یہ صاحبِ امر عالمِ خلق میں آیا اور یہ اتباعِ سنتِ نبویؐ بشارت کے ساتھ یہ آفتابِ عالم تاب موضوع کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ سرزمینِ پنجاب سے طلوع ہوا۔ آپ کے دادا جان ایک دن گاؤں کے باہر مویشیوں کے لیے چارہ کاٹ رہے ہیں۔ کہ ایک صاحبِ نظر اجنبی انہیں سلام کے بعد بشارت دیتا ہے۔ کہ اے شاہزادے آج شام آپ کے گھر ایک بچہ پیدا ہوگا۔ آپ کا پوتا جو زمانہ کا قلندر ہوگا۔ آپ اس کا نام بھی قلندر علی رکھیں۔ یہ ٹھہری وجہ تسمیہ و سلام علیہ یوم ولد

لفظ قلندر اپنے میں صفاتِ امر چھپائے ہوئے ہے۔ دیگر اصطلاحات میں یہی لفظ کبھی فرد کبھی غوث الاعظم کبھی قطب الاقطاب وغیرہ کے اسمائے حسنیٰ سے تحریروں اور تقریروں میں آتا ہے۔ نام کچھ بھی دیا جائے۔ فی الواقع جو ہستی اس نام سے ملقب ہے۔ وہ اولیٰ الامر حضرت میں یگانہ ہوتی ہے۔ صورتِ امر صلعم

کی خلقت پر ہوتی ہے۔ اور اپنے زمانہ میں کوئی شریک نہیں رکھتی۔ اس گروہ کے باقی حضرات دیگر انبیاء علیہم السلام کی جبلتوں پر ہوتے ہیں۔ اوتے بدلتے رہتے ہیں اور رضائے حقیقت امر کے تحت اس یگانہ ہستی کے زیر سرپرستی کائنات میں کار فرمائی کرتے ہیں۔ امر کی وابستگی اس ہستی کو خلق سے ایک گونہ علیحدہ رکھتی ہے اور مخلوق اس کے احوال افعال اور اقوال کے سمجھنے میں باہر ہار کھاتی ہے۔

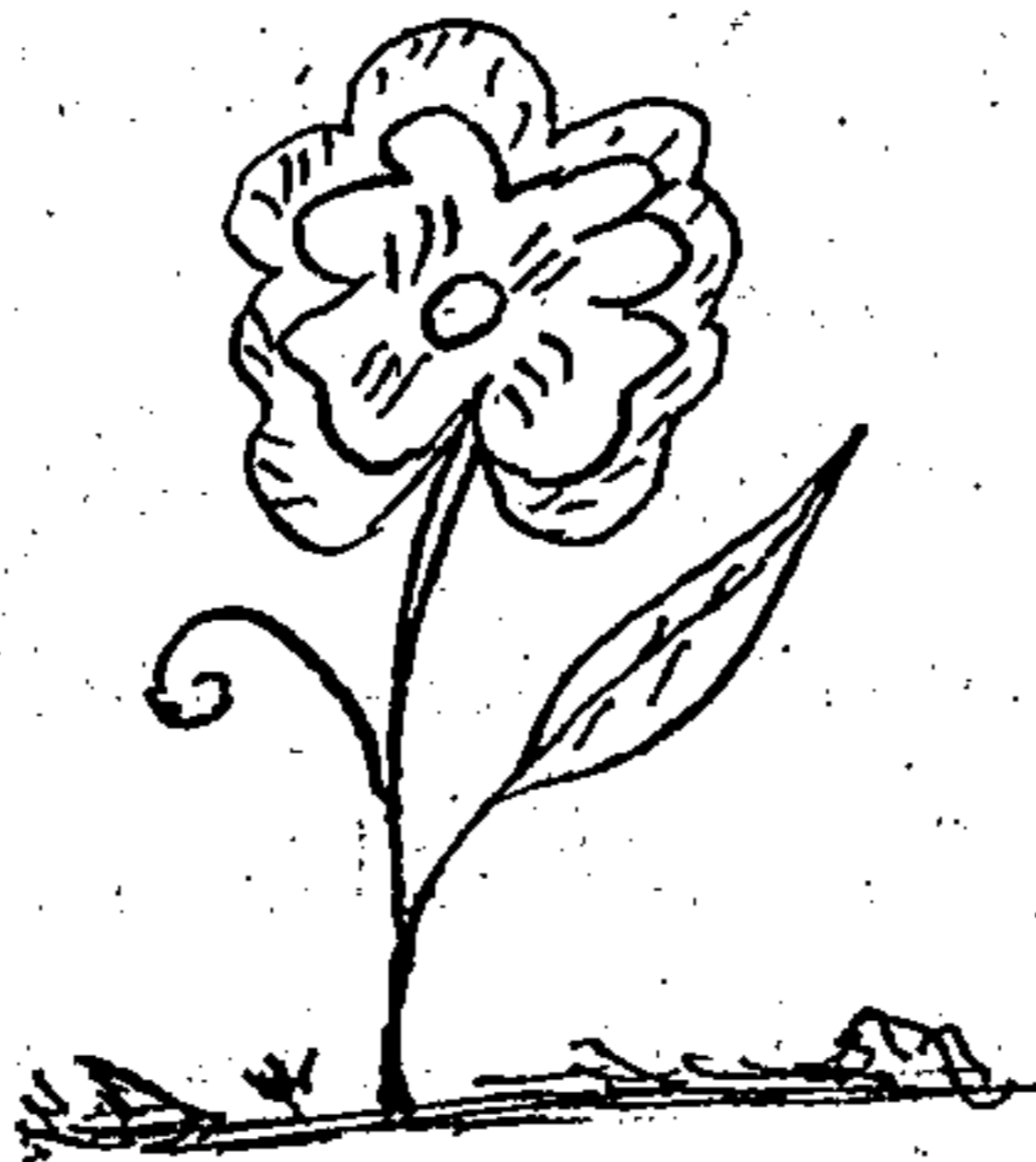
مذہبہ بالا تخریر کی سند حضرت محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ شریف کا یہ شعر ہے۔

وکل ولیٰ له قدم وائی

علی قدم النبئی بدر الکمالی

یعنی ہر صاحب امر کا اپنا درجہ اور قدم جداگانہ ہے۔ اور میں صورتِ انور

کے مرتبہ کے ظل میں ہوں۔



شجرہ شریف خاندان عالیہ سہروردیہ



حضرت علی کرم اللہ وجہہ

امام حسین علیہ السلام	امام زین العابدین	امام محمد باقر	امام جعفر صادق
امام موسیٰ کاظم	امام موسیٰ رضا	خواجہ معروف کرخی	خواجہ ہسری سقطی
خواجہ جنید بغدادی	خواجہ ممشاد دینوری	شاہ علی رودباری	احمد علی اسود
شیخ انخی فرخ زنجاری	پیر ابوالقاسم	برکبر شاج	محمد عمویا
	شاہ وجہ الدین	ضیاء الدین ابونجیب	



بہار الدین زکریا	شیخ صدر الدین	رکن الدین	شاہ جلال الدین احمد
شیخ ناصر الدین احمد	سید بریلان الدین قطب	عزت رکن الدین	شاہ حسام الدین
مخدوم چمن			

اس کے آگے دوسرے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں

شیخ
ابو
البرکات
بن
ابو
الاسود
بن
سنان

حضرت مخدوم طیب
خواجہ عبدالکریم
حضرت عبدالحمید
علی محمد
شاہ محمد
جمشید شاہ صاحب
خواجہ رمضان شاہ لوازی

یوسف ثانی
حضرت شہر اللہ
شاہ کبیر احمد
پیر مونسکا
سید شمس
سید کبیر الدین
پیر جگنو شاہ صاحب

خواجہ غلام محمد صاحب

حضرت امام السالکین الحاج ابو ایمن قلندری صاحب سہروردی

آپ کا نسب نامہ شریف

ابوالفیض سید قلندر علی سہروردی بن سید حافظ رسول بخش بن سید قاضی
 محمد جمال الدین بن جد بزرگوار سید مولوی کرم الہی کوٹلوی بن مقبول بارگاہ مولانا
 سید غلام مصطفیٰ شاہ بن مولوی سید سلطان محمد صاحب بن مفتی سید خدا بخش
 بن پیر سید محمد مقیم صاحب بن مولوی سید نعمت اللہ بن سید عطار اللہ بن
 سید محمد حفیظ شاہ بن سید نعمان شاہ بن ابو عبد اللہ سید محمد علی بن خان بہادر
 ابو فتح سید فیروز دین بن ابوالحسن علی قادری شاہ بدیع الدین آغا شہید بن سید
 محی الدین محمد ثالث بن حضرت سید علی بن ابوالحسن سید عباس عرف میر سعید
 بن ابویوسف محمد ضوعرف شمش الدین بن ابوالفضل سید احمد صوفی بن ابو محمد سید
 عبداللہ محی الدین ثانی بن ابونصر سید محمد صالح بن ابوبکر سید عبدالرزاق بن
 ابو محمد سید محی الدین عبدالقادر گیلانی بن ابوصالح موسیٰ جتئی دوست بن ابی
 عبدالکریم عبداللہ ثالث بن سید یحییٰ زاہد بن سید امام شمس الدین محمد بن حضرت
 ابوبکر داؤد طائی بن امام ابوعمر موسیٰ ثانی بن امام عبداللہ بن ابوالحسن موسیٰ الجون بن
 حضرت عبداللہ محض بن حضرت حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن علیہ السلام بن حضرت
 علی کرم اللہ وجہہ



آپ کی تصانیف

سیاح لامکان | اس کتاب میں مسئلہ فلسفہ و معراج پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور معتزضین کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔

موعظۃ للمتقین | اس کتاب کے متعلق جید علماء کی رائے ہے کہ کتاب لکھ کر حضرت مصنف نے علماء پر احسان کیا ہے۔

دعوت الخنفیہ | یہ وہ رسالہ ہے جو اصلاح عقائد شیعہ کے لیے وضاحت سے لکھا گیا ہے۔

پر وہ سوال | اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں بے پردگی کے حایوں کے لیے مسکت جواب ہے۔

حلیۃ النبی | یہ چھوٹی سی کتاب پنجابی اشعار میں بڑے مقبول طریقے پر لکھی گئی ہے۔

لباس التقویٰ | یہ رسالہ ڈاڑھی کی شرعی حقیقت پر بڑی وضاحت سے لکھا گیا ہے۔

رسالہ علم غیب | یہ رسالہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کے متعلق ایک فیصلہ کن تحریر ہے۔

المفتر فخری | اس کتاب میں حقیقت تصوف پر تفصیلی بحث ہے۔ کہہ ڈالے فلذرنے اسرار کتاب آخر

تعارف سہروردیہ | اس میں دعائے معنی شجرۃ عالیہ سہروردیہ حضرت میاں غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہروردی حیات کرطھی

کی مختصر سوانح حیات۔ دعائے مناجات وغیرہ تحریر ہیں۔
تذکرہ سہروردیہ | جس میں صوفیاء کرام کے دینی کارناموں پر ایک سیر حاصل

تصویر ہے۔

انوارِ سہروردیہ جس میں سلسلہ سہروردیہ کے پنجاب سندھ میں اشاعت و تبلیغ کرنے والے حضرات کا ذکر مناجات۔ شجرہ وغیرہ

تحریر ہے۔

جمالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ تالیف صورتِ نفعِ عقیدت براہِ راست بغیر درمیانی واسطوں کے صورتِ امرِ حضور

سید المرسلین، افضل البیتین، رحمۃ اللہ علیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند و بالا اور لاثانی دربار میں پیش کی گئی ہے۔

جمالِ الہی حلِ شانہ یہ کتاب دربارِ معالی حقیقتِ امر رب العالمین۔ مالکِ یوم الدین ہیں بواسطہ صورتِ امر بنی ظہر

اہم القبلیتین مولانا و مولیٰ الثقلمین نوراً من نور اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مذکور ہے۔ مولیٰ کریم نے اس کتاب کو شرفِ ایجابت بخش کر اپنے بندوں کو اس پر عمل کی توفیق رفیق عطا فرمائی ہے۔

مشرقِ قضایف

سیلا و الرسول، شعبان المعظم۔ کتاب الصوم۔ صوتِ ہادی۔ رمضان المبارک، اسلامی عورت۔ زکوٰۃ کا اسلامی نظام۔ یہ مختلف رسائل مختلف موضوعات پر چھپوا کر تقسیم کئے۔

اس کتاب میں ان پاکدامن عورتوں کا ذکر ہے جنہوں نے معرفتِ حقیقتِ امر میں اپنی زندگیاں گزاریں۔ اس

کتاب کا مسودہ مکمل ہو چکا ہے۔ ابھی غیر مطبوعہ ہے۔

ظاہری جمالِ قلتِ درمی

آپ کا قدر مبارک بالوجہ بہت میاں قدموں سے کچھ نکلتا ہوا بھری
 محفل میں آسانی سے پہچانے جانے والا۔ رونقِ محفل اتنا کما کر کچھ دیر
 کے لیے کسی سبب سے بروین محفل ہوا تو محفل کھوکھلی سی محسوس ہونے
 لگے۔ پھر جب دروین محفل آیا تو ساری محفل پر کیفیت سا چھایا۔ سارے کا
 سارا جسد مبارک سٹوول اور اسکی مٹی جیسے نور سے گندھی ہوئی ہو۔ آپ
 کا رخ انور نہ لمبائی پر اور نہ گولائی پر تھا۔ بلکہ بیضوی اور ریش مبارک سے
 اس بیضوی چہرہ کو اور رونق ملی ہوئی۔ چہرہ کا رنگ سفید مائل بہ سرخی تھا
 اور بارہا صبح کے وقت دیکھا گیا کہ جب وہ مکان سے نیچے اپنے دیوان خانہ
 میں تشریف لاتے تو ان کے سفید و سرخ رخساروں پر ہلکی ہلکی سنہری جینڈ
 ایک بار ایک رگوں کی لہریں سی نمودار ہوتیں اور انہیں مشاہدہ ہی میں رکھا
 گیا ہے۔ ریش مبارک کا قدرتی طور پر خط بنا ہوا تھا۔ اور اس کے سرے کے
 بال ہلکے سے اُدپر کو خم کھائے ہوئے۔ پیشانی مبارک نہایت کشادہ اور
 سفید عمامہ کی مانگ اس پیشانی پر محراب کی شکل پر مٹھی۔ آپ کا بیان
 حد بیان سے پرے۔ حسب استطاعت انشاء اللہ اپنی جگہ کچھ کہا جائیگا
 ہاں آپ کی مسکراہٹ ہی پر لشیانِ دلوں کا سہارا بن جاتی تھی۔ ایسے معلوم
 ہوتا تھا۔ جیسے خدائی مسکراتی تھی۔ ہونٹ چٹکے لبیں تراشتی ہوئیں۔ نہ اتنی
 کہ ہونٹ کی جلد نظر آئے۔ اور نہ اتنی بڑھی کہ ہونٹ ڈھک جائے۔ لبوں
 کے ترشوانے، منڈوانے و عیڑہ کی بحث تو دیر سے چلی آئی ہے۔ مجھے یاد ہے
 کہ ایک دوست کی شادی پر ہم چند احباب قبلہ حضرت صاحبِ حج کی
 معیت میں بٹالہ شریف پہنچے۔ یہ پاکستان بننے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ رات

دوران گفتگو میں ایک دوست نے عبارت کی اور کہا کہ قبلہ آپ اہل حضور ہیں۔ یہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ بیان فرمائیں کہ حضور علیہ السلام کو اس معاملے میں کیا دیکھا۔ آپ نے ایک ایسے انداز سے اپنی انگلی مبارک کو بالائے لب مبارک پھیر کر فرمایا کہ بس ایسے ہو مہو اس انداز و کلام نے محفل پر کچھ ایسا رنگ ہی نہ چمایا بلکہ مسئلہ دل کی گہرائیوں میں اتر گیا۔

نہ مہبت بڑھی اور نہ چھوٹی سرنگین پتلیاں
خوب سیاہ۔ ان کی مستی بالخصوص صبح کے
پشمہائے مبارک

وقت قابل نظارہ ہوتی تھی۔ لمز سے پاک کرامت یہ کہ ہنسیک میں جتنے احباب بھی بیٹھے ہوں، ہر کوئی یہی خیال کرتا تھا کہ آپ کی نظریں دوران گفتگو میں میری ہی طرف ہیں۔ امر کے تحت اپنی تقریب میں کبھی کبھی آشوبہ بھی ہوتیں۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ آپ آشوبہ چشم میں مبتلا۔ گارٹھی سبز عینک پہنے ہوئے چار پائی پر آرام فرما رہے تھے۔ چند احباب بھی ارد گرد کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ گرمیوں کے دن تھے۔ میں دفتر سے فارغ ہو کر حسب معمول شام کو حاضری کے لیے جا رہا تھا۔ ابھی میں آپ کے مکان کی اونچی سیڑھیوں سے ہوتا ہوا کمرے میں داخل ہوا ہی تھا۔ تو احباب تمام کے تمام میری طرف دیکھ کر مسکراتے۔ میں سلام عرض کر کے بیٹھ گیا۔ لیکن حیران تھا کہ دوست کیوں مسکرا رہے ہیں۔ میں نے آہستہ سے ایک سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ جوں جوں آپ آ رہے تھے۔ قبلہ حضرت صاحب فرماتے جاتے تھے۔ اور اب جو آپ سیڑھیاں چڑ رہے تھے۔ تو فرمانے لگے۔ کہ یوسف صاحب اب سیڑھیاں چڑ رہا ہے۔ آپ اندر آئے تو قدرتی طور پر ہم پر مسکرا سٹ آئی تھی۔ یہ تھیں وہ چشمہائے مبارک دور و نزدیک کے دیکھنے والیں۔ اور ایسے ہی دور و نزدیک کے سننے والے گوشہائے مبارک کہ ایک دفعہ رمضان المبارک میں میرے سامنے اپنے ایک

خلیفہ مجاز سے فرمایا رہے تھے کہ مرزا صاحب آپ کے صاحبزادے حافظ صاحب کا قرآن جو آجکل حضرت داتا صاحبؒ والی مسجد میں سنار لائے ہیں اپنے کوٹھے کی چھت پر رات سنا۔ ساری تراویح میں سامع کو ایک بار لقمہ بھی دینا پڑا تھا۔ اللہ مدد فرمائے بہت اچھا قاری ہے۔

گرمیوں میں کبھی کبھی گول ہلکی گاڑھی ہوئی ٹوپی بھی پہن لیا کرتے تھے عموماً سفید عمامہ زیب سر ہوتا تھا۔ تہ بند اور شلوار دونوں استعمال کرتے لیکن شلوار کو زیادہ پسند فرماتے۔ قمیض و کرتہ دونوں استعمال فرماتے سفید عمامہ، سیاہ اچکن، سفید شلوار، سفید و سیاہ خانوں والا بٹن اور مال دونوں شانوں کے اوپر اپنے کمرے کے مشرقی کونے میں ایک بید کی چھال سے بنے ہوئے تخت پوش پر قبلہ رو ایک بڑے سرمانے سے تکیہ لگاتے۔ قال اللہ و قال الرسول میں یہ ہستی صبح سے شام تک پیاسوں کو سیراب کرتی۔ صرف اس لباس میں ہی نہیں۔ آپ کی پوشاک مختلف وضع پر تھی۔ جو بھی زیب تن فرماتے۔ سجتا۔ سکتا۔ اجلا و جلا معلوم ہوتا کسی خاص وضع کے لباس پر ملار نہ تھا۔ عمامہ و کلاہ کی بجائے سر پر مال لپٹا ہوا ایک نئی شان دکھانا تھا۔ گرمیوں میں ہلکا ململی کرتہ اور سردیوں میں سیاہ کبیل اوڑھ کر نپارنگ دکھاتے۔ مجھے اپنے مشاہدہ کے علاوہ دیگر احباب سے بھی اس امر کی تصدیق ہوئی کہ قبلہ حضرت صاحبؒ جب کبھی سفر پر گئے۔ سفر چاہے ریل گاڑھی کا ہو یا بس کا۔ موٹر کار ہو یا ہانگہ ہمارا حال یہ ہوتا۔ کہ جب منزل پر پہنچتے تو ہمارا حیم ہمارا لباس سب کا سب گرد آلود ہوتا۔ سواری سے اترتے ہی ہم اپنی صفائی کے دریچے ہوتے اور ادھر یہ صاحبؒ امر بغیر کسی تھکان کے اجلا سکتا چمکتا ہوا سواری سے نیچے آتا۔ لباس مبارک پر کسی قسم کی گرد و آلائش نہ ہوتی۔ ہم حیران ہوتے اور کچھ کچھ اپنی آلائشوں پر نادم بھی۔

دونوں شانے و بیج اٹھیرے ہوئے۔ سابقین مبارک گول گتھی ہوئی۔ جب کبھی دبانے کا ثبوت حاصل ہوتا۔ تو ان کی سختی انگلیاں محسوس کرتیں۔ پائے مبارک چھوٹے اور نرم و نازک گوشت سے بھرے ہوئے۔ اور ایسے ہی پاؤں کی چھوٹی چھوٹی انگلیاں۔ ان کو چوٹے بارہ سال سے اوپر ہو گئے ہیں لیکن تصور ان کا بدستور ہے۔ جب بھی مزار اقدس پر حاضر ہوتا ہوں تو تو سلام کے بعد یہی پاؤں سامنے آتے ہیں۔ جن کو چومنا ہوں۔

اسرار قلندری

مختصر اخباری جمال قلندری بیان کرنے کے بعد دل رہ رہ کر مجبور کر رہے کہ کچھ حالات و اسرار قلندری بھی بیان کر دیئے جائیں جن کا تعلق زیادہ تر راقم الحروف سے ہو۔ کالج کی زہریلی ہواؤں سے گزرنے کے بعد اکثر نام نہاد پیروں سے واسطہ پڑا۔ جو میری خطائے گفتگو سے لاجواب رہے۔ لیکن جب اس صاحب امر شخصیت کے سامنے اپنی بد نظری پیش کی تو فرط نے لگے کہ اس کو سے نکلنے کے بعد آپ کو اجازت ہے کہ جس سے دل چاہے بغل گیر ہو لیتا۔ اگر آپ کی بغل میں قلندر علی آجائے تو میری بیٹھک کا رخ کرنا اور اگر جس سے بغل گیر ہوئے تھے۔ وہی رہے تو ادھر کا رخ نہ کرنا کسی اور مرد کو تلاش کرنا آزمائش بہت بلند اور واضح تھی۔

۱۹۳۸ء سے ۱۹۵۸ء تک اس مردِ کارل کی صحبت کا ثبوت حاصل ہوا۔ سخت سردیوں کے دن تھے۔ میں ایک صبح حاضر خدمت ہوا۔ آپ تخت پوش پر رونق افروز تھے۔ مجھے ساتھ والی کرسی پر جگہ دی بیٹھ ساتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے داہنے ہاتھ کی انگوٹھے کیساتھ والی دونوں انگلیاں میرے ہاتھ پر رکھیں جو گرم تھیں۔ پھر دوسری دونوں انگلیاں رکھیں جو سرد تھیں۔

اسی طرح باہن ہاتھ والی دو انگلیاں گرم اور دوسری تھیں۔ پاؤں مبارک والی
 انگلیوں کی کیفیت بھی ایسے ہی تھی۔ اس اجتماع ضعیفین نے مجھے کچھ حیران
 سا کیا۔ آپ فرمانے لگے کہ یہ میرے مقام حیرت کی آخری یاد ہے جو ابھی
 ابھی آپ نے محسوس کی ہے۔ تنہائی کا وقت تھا۔ مجھے اپنی حیاتِ طیبہ کے
 مختصراً اہم عنوانات سے مستفید فرمایا۔ مناسب سمجھا کہ پہلے ان کو پیش کیا
 جائے۔ فرمانے لگے کہ ڈل تک کی تعلیم کے بعد نعمانیہ مدرسہ لاہور میں تعلیم
 حاصل کی۔ زیادہ شوق پیدا ہونے پر مدرسہ دیوبند کا رخ کیا۔ ایک مرتبہ
 وہاں پہنچ گیا۔ دیکھا کہ مسجد میں نماز عصر کے بعد چند طلبا اپنے ایک استاد
 کے سامنے بیٹھے بیٹھے پوچھ رہے ہیں۔ میں نے بھی ایک حدیث شریف کی
 وضاحت چاہی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دین کو سامنے
 سے کیوں تشریح دی ہے۔ کہ قریب قیامت میں دین اسلام جیسے ایک سائب
 اپنے پل میں گھسٹا ہے۔ ایسے کہ کچھ مہرہ واپس آجائے گا۔ استاد صاحب کوئی تسلی
 بخش جواب تو نہ دے سکے اُلٹے کہنے لگے کہ پنجابی لوٹوں کے لیے یہاں کوئی
 گنجائش نہیں۔ اس کی طرز گفتگو سے میرا دل کھٹا ہو گیا۔ اور اس رات دوسری
 گاڑی سیدھا بولی کا رخ کیا۔ اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی
 خدمت میں تقریباً دو سال گزارے۔ حالاتِ زمانہ کے پیش نظر تعلیم ناممکن ہی
 چھوڑ کر واپس پنجاب پہنچا۔ سلسلہ و بیعت وغیرہ کی اہمیت معلوم ہو چکی تھی
 حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب گورٹے شریف کی خدمت میں اس عرض
 سے حاضر ہوئی۔ انہوں نے مجھے فرمایا کہ اس ساتھ والی قبر پر جو کہ ان کے
 ناموں جان کی تھی براقبانہ حالت میں بیٹھے۔ جو نظر آئے اس پر عمل کرنا۔ میں
 حسب ارشاد اس قبر پر گیا۔ تو قبلہ بابا جی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ حیات گڑھی
 کی آگاہی ہوئی۔ شاہ صاحب کو عرض کیا۔ فرمانے لگے کہ آپ کا حصہ ان
 کے پاس ہے۔ فوراً جا کر بیعت کر لیں۔ چنانچہ میں ایک اپنے ساتھی کے ہمراہ

جو بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ تھا۔ حیاتِ گزشتہ گاؤں منچا۔ گاؤں کے ایک
جانب جلال پور جہاں سے ہوتا ہوا ایک نامہ ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ
اس نامہ کے کنارے ایک کیکر کے درخت کے سایہ میں آرام فرما رہے ہیں
حاضر خدمت ہوا۔ بعیت کی۔ پڑھنے کے لیے سبق بھی فرمایا جس کا دورہ
دوبارے چناب کے کنارے رائیں گزار کر کرنا تھا۔ سات حیات گزشتہ میں ہی
بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گزارا۔ اس کمرے میں ایک معمولی سی چار پائی
تھی جس پر بابا جی رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما رہے تھے۔ اور باقی کمرہ میں دھان
کا پیالہ بچھا ہوا تھا جس پر میں لیٹ گیا۔ رات گزرنے پر خواب میں حضرت
قبلہ بہاؤ الحق ^{علیہ السلام} تشریف لائے اور مجھے فرماتے لگے کہ جو سبق آپ کو
اس بزرگ سے دیا ہے۔ وہ نہ پڑھیں بلکہ ایک اور سبق اپنی طرف سے بتایا
کہ اس کی جگہ یہ پڑھ لیا کریں۔ اور جنگوں کی بجائے آبادیوں میں ہی رہ کر
پڑھ لیا کریں۔ صحرا خوردی مقصود نہیں بلکہ آپ سے سلسلہ سہروردیہ کا نام
روشن کرنا ہے۔ اور تبلیغ اور شاعت کا کام لیتا ہے۔ میں نے عرض کیا
کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے تو اپنے پیرو مشرکوں کو دیا ہوا سبق ہی پڑھنا
ہے۔ تو فرماتے لگے۔ آپ اس بات کی فکر نہ کریں۔ میں نے آپ کے پیرو مشرکوں
کو کہہ دیا ہے۔ اور ان کی طرف سے اجازت لے دی ہے۔ میری آنکھ کھلی
تو قبلہ بابا جی اپنی چار پائی پر لیٹے ہی کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ میں اٹھ کر دُعا
قریب ہوا تو فرماتے لگے۔ کہ اچھا آپ کو بچوں نے پکڑ لیا ہے۔ وہی پڑھیں
جو وہ بتا گئے ہیں۔ انہیں ہم پر تو ترس نہ آیا اور تلاش میں دشت و صحرا
مارا مارا پھرایا۔ اچھا جاؤ آبادیوں میں ہی رہو۔ لیکن مقام حیرت اور آزارناکوں
کے چکر آکر ہی رہیں گے۔ اپنے گاؤں گھر واپس آیا۔ سبق شروع کیا تو سب
سے پہلے حسن حجاز نے مجھے گھیرا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس پھندے سے
جان چھڑانی مشکل ہوگی۔ اللہ کی رحمت شامل حال ہوئی۔ ہمارے گاؤں

کے ہی ایک مجذوب جن کو انتقال فرمائے ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا خواب
 میں تشریف لائے۔ ڈاڑھی رکھی ہوئی۔ اور سر پہ لال ٹوپی پہنے ہوئے۔ میں
 نے انہیں تبدیلی وضع کا سبب پوچھا تو فرماتے لگے کہ آگے جا کر ایسا ہی ہوتا
 ہے۔ مزید فرمایا کہ جو سبق آپ پڑھ رہے ہیں۔ اور جس کی وجہ سے آپ
 مجازی پروانوں کی شمع بنے ہوئے ہیں۔ اس سبق کے آگے یہ دو الفاظ بھی
 پڑھ لیا کریں۔ اس پھندے سے آنا دی مل جائے گی۔ اور یہ اصناف ہرم و
 نازک آپ سے رُخ موڑ لیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابھی اس طرف سے
 نجات ملی ہی تھی کہ انگلیوں والا معاملہ شروع ہو گیا۔ جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا
 ہے۔ چار دونوں ہاتھوں کی اور چار دونوں پاؤں کی انگلیوں میں شدید درد
 شروع ہوا۔ کیونکہ یہ ایک کڑی آزمائش تھی۔ دُعا و دوا دونوں ناکام رہے
 چار سال کی طویل مدت میں اس آزمائش کے ساتھ تمام رشتے ناتے بھی آزمائے
 گئے۔ حتیٰ کہ حیات گڑھ کی طرف سے بھی عرض و معروض کے جواب میں بے بسی
 دکھائی دی۔ اور رفیقہ حیات تو ابتدائے آزمائش ہی میں اس کے والدین اپنے
 گھر لے گئے تھے۔ اس مصیبت کا زیادہ وقت لاہور میں اپنے ایک پیر مہائی
 عبدالعزیز صاحب کے ہاں گزارا۔ کیونکہ یہاں نے حضرت خواجہ حاتم الدین
 کے مزار پر انوار پر بحسب ارشاد قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ حاضر می دینی تھی۔ ایام
 ابتلا کی تمت اسی کے کرم سے تھی۔ واپس وطن جانے کو دل نہ چاہا اور حضرت
 شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ والی مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض
 سرانجام دیئے حقیقت امر کو پانے کی تشنگی بدستور رہی۔ مزار اقدس سے
 ملحقہ چند ایک چھوٹے چھوٹے رہائشی مکان تھے۔ میرے ساتھ والے مکان
 میں ایک اور شخص دیر سے سکونت پذیر تھا۔ اس کی تمنا تھی کہ اسے کوئی پیر
 ملے اور حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اس مرد کی نشانی
 کرانی چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک رات اسے خواب میں بتایا گیا کہ تیرے ساتھ

والے مکان میں قلندر رسول نما رہتے ہیں۔ وہ خوش زمان ہیں۔ ان سے سلسلہ
 جوڑیں یہ دونوں خطاب مجھے حضرت قبلہ شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف
 سے ملے تھے۔ انہیں ایام میں ایک رسالہ "الفقیہ" کی اشاعت کا کام بھی کرتا
 رہا۔ امامت کے بارہ سال کے دوران میں مجھے کبھی کبھی ایک مجذوب ملا کرتا
 تھا۔ اور میرا حال پوچھا کرتا تھا۔ جب میں اسے امامت کا بتانا تو وہ دو تین
 دفعہ سر پھیر کر بھاگ جاتا میں سمجھ جاتا کہ یہ میرے حال سے خوش نہیں ہے
 اس حال میں بارہ سال گزرنے کے بعد قبلہ بابا حاجی رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف
 لائے اور مرزا ہدایت بیگ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ آپ کے مریدوں سے تھے اور
 محلہ قلعہ گوہر سنگھ میں ہی بھائی عبدالعزیز کے مکان کے ساتھ ہی مکان
 رکھتے تھے۔ قیام فرمایا۔ میں بھی مسجد سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو
 فرمانے لگے۔ کہ کہو کیا حال ہے مسبب الاسباب مانتا ہے یا رزاق مطلق۔
 میں نے عرض کیا کہ قبلہ مسبب الاسباب مانتے اتنا عرصہ گزر گیا۔ رزاق
 مطلق والا نشہ بھی چڑھا دیکھیں۔ سو جو وہ مکان جہاں میں اس وقت بلٹھا
 ہوں چٹ پٹ قطعہ زمین کا تھا۔ فرمانے لگے یہ جگہ خرید لو اور یہاں ہاتھی
 مکان بناؤ۔ امامت وغیرہ چھوڑ دو۔ اس شام مالک زمین کو بیعہ دے دیا گیا
 اور دوسرے دن ہی مکان تعمیر ہونا شروع ہو گیا۔ ہاں وہ مجذوب صاحب
 جو سر پھیر کر بھاگتے تھے۔ ایک دفعہ اور ملے تو حال پوچھنے پر بتایا کہ اب
 رزاق مطلق مانا ہے۔ بہت خوش ہوئے اور مجھے گلے لگایا۔ یوسف صاحب
 اس دن سے دونوں دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ معرفت والا بھی اور رزاق
 والا بھی۔ یہ تھے مختصراً آپ کی سفدس زندگی کے چند اہم عنوانات جو میں
 نے اس صبح ان کی زبانی سنے۔ اور اسی لیے اسی جانب سے تحریر کر دیا۔ اور
 ان کی صحت و حفاظت بھی انہیں کے ذمہ کرم پر چھوڑی۔
 اب اس تفصیل کی گنجائش کی مدد کا متمنی ہوں کہ اہل دنیا نے اس بستی

کو کہاں تک جانا۔ وہ کیا تھے۔ کیا نہ تھے۔ اور وہ تھے بھی یا ان کے علاوہ بھی
 کوئی تھا۔ حقیقت امر کو حقیقت کا ثبات بنی اور صورت امر میں بھی اس
 کے جلوہ فرمائی کی۔ لیکن اسے کما حقہ پانے میں سب عاجز آگئے۔ یہ صاحب
 اندھوں کی مثال دیتے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہاتھی پورا کسی نے بھی نہیں دیکھا
 جتنا جس نے محسوس کیا۔ وہی اس نے بیان کر دیا۔ بعینہ ان اولی الامر حضرت
 کی مثال ہے۔ سب سے پہلی مرتبہ جب میں لاہ کالج کا طالب علم تھا کسی۔
 نئے مرید کی معرفت ان کے دیدار سے مشرف ہوا۔ گرمیوں کے دن تھے بیٹھک
 کے ساتھ والے کمرے میں ایک کونے میں چٹائی پر بیٹھے تھے۔ چھت والا دستی
 پنکھا ایک عقیدت مند ہلا رہا تھا۔ دروازہ کچھ بند تھا۔ جس کی وجہ سے کمرہ
 میں پوری روشنی نہ تھی۔ میں آداب محفل اور سلیقہ سوال سے بالکل کورا
 تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنے امتحان میں کامیابی کے لیے کہا انہوں نے فرمایا
 کہ اچھا دعا کریں گے۔ ان دنوں آپ حقہ نوش فرمایا کرتے ہیں۔ میں نے بھی
 دو چار حقہ کے کش لیے اور واپس اپنے دوست کے ساتھ پیروں پر نکتہ چینی
 کرتے گھر آگئے۔ نتیجہ نکلا تو نا کام رہا۔ جس سے دوبارہ رجوع کا خیال بھی جاتا
 رہا۔ تقریباً تین سال گزر گئے ہیں نے اس نئے مرید کو جو پہلی مرتبہ ملاقات
 کا سبب بنا تھا۔ دیکھا کہ یہ کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ یہ صاحب جو مغربی تہذیب
 کے جال میں پھنس رہے تھے جب اس مرد کامل کے ہاتھ آئے۔ تو بیعت کے
 دوسرے دن ہی حضور ہی اور ساتھ ہی صوم و صلوة کی پابندی شروع ہو گئی۔
 داخل سلسلہ کے قریباً چار ماہ بعد جب ہمیں ملے تو ڈاڑھی پوری منتشر تھی
 میں اسے اپنی انتہائے سعادت سمجھتا ہوں کہ میرا تعلق اس صاحب امر سے
 اس وقت ہوا جب یہ قید مقامات سے پاک و آزاد ہو چکا تھا۔ اپنا کوئی
 خاص مقام نہ رکھتا تھا۔ حقیقت امر نے اپنی طرف سے اس قلعہ کو جو سنگہ
 میں ایک آئینہ رکھ چھوڑا تھا۔ جو آتا اپنا چہرہ دیکھتا اور اس آئینہ کو اپنی

مثل خیال کرتا۔ یہ اس آئینہ کا کمال تھا۔ کہ سہرہ دیکھنے والا اپنے نفس کی معرفت کر لیتا جس کے بعد وہ اپنے رب کی معرفت کے درپے ہوتا۔ یہ مرد کامل پیری مریدی کے چکروں سے بالا اور خلافتیں وغیرہ کی اسناد دینے سے گزر چکا تھا۔ اپنے مرید کو دوست کے لفظ سے یاد کرتا تھا اور اپنے آپ کو فقیر کہا کرتا تھا۔ اور لکھا کرتا تھا۔ پاکستان بننے کے شروع شروع میں میں نے درخواست کی کہ سرکار میرا ارادہ ہے کہ اپنے عزیز خانہ میں ایک مجلس سہروردیہ کا اہتمام کروں۔ آپ نے رضامندی ظاہر کی اور فرمایا کہ خلافتوں کی چند ایک امانتیں دیر سے میرے پاس ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جن جن دوستوں کی یہ امانتیں ہیں انہیں اسی مجلس میں ہی سپرد کی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ جلسہ چار مارچ ۱۹۵۰ء بمطابق چودہ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ کو ہوا۔ اس کے بعد آپ نے تاجین حیات ظاہری کسی دوست کو بھی ایسے منصب سے سرفراز نہیں کیا۔ ظاہر دیکھنے میں تو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ آخر آخری آٹھ سالوں میں آپ ایک دوست کو بھی اس خلافت کے منصب تک نہ لے جاسکے۔ ایسا ہرگز ہرگز نہیں۔ واقع یہ تھا۔ کہ آپ اس آخری عرصہ میں منازل سلوک طے کر چکے کے بعد ایک بحر بیکراں کی حیثیت رکھتے تھے۔ جس میں مقامات و درجات سب گم تھے۔ اب جو دوست اس بحر میں شناوری کرتا مقامات سے بے نیاز ہوتا۔ اور اس کی آرزوئیں پامال ہو جاتیں۔ اور ماسوائے کالعدم۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مرید لازمی طور پر اپنے پیر کی صفات اپناتا ہے۔ پیر نے ساری عمر بھنگ و چرس پی کر گزاری تو اس کے مریدوں نے بھی اپنی عمر میں ایسی گزارنی ہیں۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی سے منقول بچے کی تربیت والی مثال دیکر فرماتے کہ اگر ماں نے چنے کھائے ہوں تو دودھ پیتے بچہ کے فضلے میں وہ چنے نمودار ہوتے ہیں۔ اسی طرح جیسا پیر

ہوگا ویسا مرید۔ پنجابی کا ایک مجاورہ فرماتے کہ "بے دایلا نہیں تے مہتے
 پھلی ضروری ہوگی۔ یعنی اگر بعینہ پوری کی پوری صفات نہیں ہیں تو کم از کم
 ان صفات کا کچھ حصہ تو مرید میں ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن ادھر تو معاملہ ہی کچھ
 اور تھا۔ نہ پیروں کی سی سچ دھج نہ بستر جامہ و عمامہ نہ عصا و مالا۔ اپنے رئیسانہ
 انداز میں اپنے گھر ایک بلند تخت پر بیٹھے اور دوستوں کے لیے کرسیاں مہیا
 کئے ہوئے ان کی جیبوں میں انوارِ معرفتِ الہی ایک ایسے انداز سے ڈالے جا
 رہے ہیں کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ کئی دفعہ حاصل کرنیوالے
 دوست کو بھی اس کا علم نہ ہو سکا۔ فرمایا کرتے تھے کہ کہہ کر آیا تو کیا کر آیا
 اپنے دوستوں کی تزئینت کا انداز نہ لانا تھا۔ ہر ایک کی خواہش کے مطابق جھک
 دکھاتے تھے۔ انداز بیان میں ہزاروں لطائف پوشیدہ ہوتے۔ ہر سننے والا
 یہی سمجھتا کہ شاید میرا ہی علاج فرما رہے ہیں، دوستوں کے علاوہ دوسرے حاجتمند بھی
 آپ کی خدمت حاضر ہوتے چاہے وہ کسی مذہب و ملت سے وابستہ ہوں
 مناظرہ۔ مجادلہ یا کسی قسم کے الجھاؤ سے مبرا۔ اپنے میں تبلیغ کے بے شمار پہلو
 رکھتے۔ فرمایا کرتے کہ سب سے بلند و احسن تبلیغ کا پہلو یہ ہے کہ اپنا کرتہ صاف
 رکھے۔ کسی کے کرتہ کے میل پر تنقید نہ کی جائے۔ تمہارے کرتہ کو دیکھ کر میل
 کرتہ والا خود بخود اثر پذیر ہوگا۔ جو وقت غیر کی تنقید میں صرف کرنا ہے
 وہ اپنی اصلاح میں لگایا جائے۔ اپنی سیدھ ٹھیک رکھو۔ اور منزل کو کھوٹی
 نہ کرو۔ جہاں سورج چھپنے سے پہلے پہنچا ہے۔ وہاں اگر راستہ میں رک گئے
 چاہے کسی خیر کی وجہ سے ہی ہو رسائی منزل میں دیری ضرور واقع ہوگی
 اور یہی نقصان کا باعث بنے گی۔ اللہ والے دنیا والوں کی پرواہ نہیں کیا
 کرتے۔ اپنا ذاتی تجربہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ اس لاہور میں اسی جگہ میں اس
 حالت میں بھی رہا کہ میرا تہنہ کھدر کا تھا۔ اور مشکل آدھی پنڈلیوں تک آتا
 تھا۔ اور اس طرح کھدر کا معمولی کرتہ اور کھدر کی ہی پگڑی وہ بھی مشکل

شرعی تین گھیروں تک۔ طرہ تو درکنار شملہ کے لیے بھی دو گہرہ زائد کپڑا میسر نہ تھا۔ دنیا والوں نے مجھ پر خوب پھبتیاں کیں کہ یہ گڈری پوش فقیری کا دعویٰ کرنے والا ننگِ اسلام بنا ہوا ہے۔ وہ دن گزرے۔ اب طاہری آسان بھی ہر طرح میسر ہے۔ اور کئی ایک دنیا داروں سے بڑھ چڑھ کر لیکن اب یہ اس طرف آگئے ہیں کہ دیکھو فقیری کا دعویٰ کرنے والا کاروں پر سوار ہوتا اور شاہانہ دسترخوان رکھتا ہے۔ عرض دونوں طرح دنیا والے اپنی فطرت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اگر اپنی راہ چھوڑ کر باروک کر ادھر التفات کر لیتا تو ضروری تھا یا منزل سے بھٹک جاتا یا کم از کم راستہ دیر میں طے کرتا۔ الحمد للہ کہ ان کی باتوں نے دل پر کچھ اثر نہ کیا۔ وہ جہاں لگا ہوا تھا۔ لگا رہا۔

چوہدریاں والی مسجد قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں بھی آپ نے کچھ مدت نماز پڑھائی۔ اور اپنے مواعظ حسنہ سے لوگوں کو مستفید فرمایا۔ آپ کے خطبات سننے کا مجھے بھی شرف حاصل ہوا۔ اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کئے دیتا ہوں۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر واپس چند دوستوں کے ہمراہ اپنے گھر تشریف لاتے۔ ایک دن حسب معمول واپس جو آئے تو ایک دوست سے جو مصافحات لاہور کا ہی رہنے والا تھا۔ فرمانے لگے کہ آج دورانِ جماعت میں آپ نے میری اقتدا کئے ہوئے سارا وقت قمیض و تہبند کے خیال میں اور صابن و کپڑے کے ڈپوؤں کے چکے میں گزارا اور مقابلتہ کبھی کبھی سامنے میری اچکن، شلووار اور عمامہ کا خیال کیا۔ اپنی ساری نماز بھی خراب کی اور کچھ حاصل بھی نہ ہوا۔ سنو۔ میرا لباس جو تم دیکھ رہے ہو اس کے ایک تار کو بھی دل میں جگہ نہیں دی۔ بلکہ اس گھر کو گھر والے پر چھوڑا ہوا ہے۔ پر خلاف اس کے آپ نے اس گھر میں کرتا۔ تہبند۔ صابن کا ڈپو وغیرہ سب گھسیڑے ہوئے ہیں۔ اور گھر والے کے لیے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ فرمانے لگے کہ حملہ خیرات و عبادات اگرچہ بمنزلہ ڈول ہیں جو کوئین کا پانی پاک و

صاف کرنے کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی اس طرح مشروط ہیں کہ پہلے کوٹھیں سے کٹا نکالا جائے۔ پھر ان ڈولوں سے پاکیزگی کا اہتمام کیا جائے اگر کٹا اندر ہی رہا تو ڈول نکالنے سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ چاہے ان کی تعداد شمار میں نہ آئے۔

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
تیری نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سجود

تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں (اقبال)

لذتِ خودی سے سرشار ہوتے ہوئے بھی یہ مرد قلمندراپے سے باہر نہیں دیکھا گیا۔

آپ کے حمبہ پڑھانے اور مواعظِ حسنہ سے مستفید فرمانے کا دور پاکستان بننے کے شروع شروع میں ہی رہا۔ صحت نے اسے تادیر قائم رکھنے کی اجازت نہ دی۔ اہلبآ کے مشورہ پر گلے کی حراش کے لیے بہت مناسب ٹھہرا کہ خطبات بند کئے جائیں اور سچھ چھوڑا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی عمل میں لائے۔ ضبط نے داد نہ دی تو اس صاحبِ امر نے زورِ قلم آزمانا شروع کر دیا۔ اور عمر شریف کے آخری پانچ سات سالوں میں ہی مندرجہ تصانیف کا انبار عالمِ خلق کے سامنے رکھ دیا۔ اس دور میں حلقہ بگوش دوستوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں کیں۔ قبلہ حضرت صاحبِ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کام کے لیے ہم متاخرین دوستوں کی جماعت کو جو کہ زیادہ تر دفتری زندگی پر مشتمل تھی چنا۔ یہ آپ کی ذرہ نوازی تھی کہ اپنا کلام لکھ کر ہم سے پڑھواتے اور سننے کتابت کے بعد تصحیح کے لیے بھی انہی دفتری کلرکوں کو مشرف بنھتے۔ کتابت کے سرورق والی تصویر کے مشورہ سے سرفراز فرمانے۔ چند ایک متقدمین حلقہ بگوش دوستوں نے زعم کیا شاید یہ اشاعت کا سلسلہ ہمارے ہی ایجا پر مہور ہائے۔ اور انہیں

دوسری دوستوں نے ہی اس مرد کامل کو جو پہلے ایک نگاہ میں قطب بنا یا کرتا تھا۔ کتابت و اشاعت کی طرف لگا دیا ہے۔ خیر اس سے کوئی بحث نہیں کتابیں موجود ہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے مقاصد واضح۔ مبتدیوں کے لیے راہ دکھانے والیں اور منتہیوں کے لیے سکون پہنچانے والیں۔ یہاں نہ کوئی کتابوں پر تبصرہ مقصود ہے۔ اور نہ ان کے لکھے جانے کی وجہ پر کوئی تنقید۔ کتاب آخر کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے امر کی حقیقت کا سراغ نہیں ملتا۔ مطالعہ کی وسعت امر کی پہاڑیوں کو گھیر نہیں سکتی۔ تجربہ و حسیں کو بڑھا سکتی ہے۔ لیکن عقل حقیقی سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔ خود اس صاحب امر کے الفاظ ہیں کہ کتاب ہدایت پیش کر سکتی ہے۔ ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتی جس طرح قانون ایک مجرم کو بیڑھیاں پہنا سکتا ہے۔ اور جیل کی تاریکی کو کھڑی میں بند بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اسے مجرم سے باز نہیں رکھ سکتا۔ ہدایت یافتہ بننے کے لیے یا مجرم سے باز رہنے کے لیے نہ کتاب کام آئے گی نہ قانون بلکہ اولی الامر منکم کی وابستگی ہے۔

وہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسمعیلؑ کو آدابِ فرزندہی (اقبالؒ)

جب تک وابستگی نہیں ہوگی جملہ اعمال ایک صفر کی حیثیت سے

زیادہ وقعت نہیں رکھیں گے۔ 'کونوا مع الصادقین' کی تفسیر بیان فرماتے۔ کاغذ پر ایک نقطہ ڈال دیا کرتے تھے۔ اور اسے عمل سے تشبیح دیتے

اس کے ساتھ ہندسہ ۱۱ لگا کر فرماتے کہ اس (۱۱) کے لگنے سے نقطہ کی قیمت

دس (۱۰) ہو گئی۔ اب جتنے نقطے لگائے جائیں گے۔ قدر و قیمت بڑھتی جائیگی

یہ امر کی شان ہے کہ وہ کائنات کا دل چیر کر اس کے پار ہو جاتا ہے۔ کتابیں

وغیرہ وہاں کام نہیں آتیں اور نہ نرم و نازک کلام کتاب و کلام کا اثر بھی جو

قاریین و سامعین ظاہری طور پر محسوس کرتے ہیں۔ دراصل امر کی ہی برکت

ہوتی ہے۔ دیکھا نہیں کہ صاحب امر کی کتاب اور صاحب امر کا کلام زمان
 و مکان کی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ لوگ جو کتاب و کلام کو مؤثر سمجھتے
 ہیں۔ یہ ایک مغالطہ ہے۔ عالم خلق کے لیے یہ لازمی تھا کہ عالم امر تخلیقی لباس
 پہنے کیونکہ واحد امر کا جمل کوئی آسان کھیل نہیں۔ جس قدر امر اپنے میں طاقت
 رکھے گا۔ اس قدر زمانہ کو گھیر لے گا۔ حقیقت امر کے کلام کو قیامت تک کے
 لیے محفوظ آخر کیوں کیا گیا۔ اس طرح صورت امر کے کلام کو بھی زمانہ کی قید
 سے آزاد کر دیا۔ اولی الامر حضرات بھی جو کہہ گئے یا لکھ گئے، عالم خلق نے اپنا
 اور ہمیشہ کے لیے ان کے کلام کے حوالے دے دے کر اس خلق کی تکوین کی لیکن یہ
 عام کی تمام صرف اس وقت کام آئیں جب ان کو کسی صاحب امر کی روشنی میں
 پڑھا گیا یا سنا گیا۔ لکھنے والا یا کلام کرنے والا اگر صاحب امر ہے۔ تو اثر
 رکھے گا۔ ورنہ نہیں۔ میرا قبلہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ
 پر روشنی ڈالنے کا بھی یہی مقصد ہے۔ واقعات کو بیان کرنے سے آپ کے
 کشف و کرامات بتانا مقصود نہیں۔ بیان یہ کرنا ہے کہ کس طرح ایک صاحب
 شریعت و طرفیت و حقیقت و معرفت سے گزرتا ہوا دوبارہ نکرتا
 لباس پہن کر زندگی گزارتا ہے۔ بیوی بچے رکھتے ہوئے حقیقت امر میں کیسے
 گم ہے۔ سب سے متعلق رکھتے ہوئے کیسا بے تعلق۔ شرف اتنا بلند کہ ایک رات
 نماز عشاء کے بعد آپ ایک دوست شاہ صاحب کو شب اسرار کی کیفیات
 جو آپ پر وارد ہوئیں۔ بیان فرما رہے تھے۔ جو میں بھی سن رہا تھا۔ انذار بیان
 سے کیفیت ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ گویا ہم دونوں سننے والے معراج کی خلعتوں
 سے حلقہ لے رہے ہیں۔ عجیب پر اسرار ماحول تھا۔ شاہ صاحب سے نہ رہا
 گیا۔ عرض کیا کہ قبلہ اللہ اتنا شرف اور یہ بلندی فوراً امر کے تحت
 جواب دیا کہ شاہ صاحب یہ کونسی بڑی بات ہے۔ صاحب کے ساتھ
 اس کا گنا بھی کوٹھی میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور اپنی ایسی پستی دکھائی کہ ہم

دونوں چکر ہیں آگے۔ مکمل طور پر القطار اسباب کے ہوتے یہ صاحب امر پر فعل میں سنت کا منبع۔ حق الیقین رکھتے ہوتے علم الیقین کو نہ چھوڑنے والا۔ فقیر می اور درویشی کے معترضین کو نہایت احسن طریقہ سے شریعت کے تحت۔ جواب دینے والا۔ فرمایا کرتے تھے کہ یوسف صاحب ہم ولایت کو گول کر کے میز کے ایک کونے پر رکھ چھوڑتے ہیں۔ اور معترضین کا جواب صورت امر صلعم کی ظاہری شریعت پاک سے ہی دے دیا کرتے ہیں۔ اور یہ علم ان کے اعتراضات کے جواب میں کافی وافی ہوتا ہے۔ ولایت کی ہمیں ان کے ساتھ ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ کوئی سائل اگر کسی عرض کے لیے آیا۔ تو اس عرض کی تکمیل کے لیے اسے سارے ظاہری اسباب بتائے۔ اور اسے ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ نری رسمی دُعاؤں پر چھوڑا۔ دُعا کے لیے بھی سائل کو زیادہ تاکید کرتے اور فرماتے کہ آپ کو میری نسبت زیادہ درد ہے۔ فرماتے ایک شخص نے کسی بزرگ سے درخواست کی قبلہ رات جب تہجد کے لیے گھر سے مسجد روانہ ہوتا ہوں تو راستہ میں کتے کاٹنے کے درپے ہوتے ہیں کوئی عمل عنایت فرمائیں کہ ان سے چھٹکارا ہو جائے اس بزرگ نے کوئی پڑھنے کے لیے عمل فرمایا۔ وہ شخص ابھی اس بزرگ سے جُدا ہو کر واپس اپنے گھر جا رہا تھا۔ کہ اس بزرگ کا لڑکا اسے ملا۔ کہنے لگا کہاں گئے ہو اور کیا لائے ہو۔ اس شخص نے بیان کیا کہ آپ کے آبا جان سے ایک عرض کی تھی۔ آپ نے چند کلمات بطور تعویذ دیئے ہیں تاکہ کتوں سے نجات مل جائے۔ لڑکے نے کہا کہ جو کچھ آبا جان نے کہا ہے۔ عمل کرو لیکن ایک بات میری طرف سے کر لینا۔ کتے عربی کم جانتے ہیں۔ مسجد جاتے وقت ایک ڈنڈا بھی اپنے پاس رکھنا۔ وہ زیادہ کام دے گا۔

صاحب امر ہونے کی حیثیت سے آپ بے شمار انداز رکھتے تھے۔ بہر دوست کے مذاق و فطرت سے ایسی موافقت رکھتے کہ آپ کی نظر کرم

کو اپنے ہی لیے مخصوص جانتا۔ شانِ امر کے ماتحت دینی و دنیوی دونوں امور میں قدرتِ تامہ رکھتے کسی کی اصلاح مقصود ہوتی تو کچھ ایسے لوگ طرائق بروئے کار لاتے کہ مقدرات کو ہی بدل ڈالتے تقریباً پورا ایک سال میری معصیتیں خوابوں کی شکل میں مٹائی گئیں۔ میں خود حیران تھا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ تنگ آ کر عرض حال سنایا۔ فرمانے لگے شکر کرو کہ اجرائے معصیت کی نوعیت خواب میں بدل ڈالی ہے تاکہ مواخذہ نہ ہو۔ میری جان آپ پر فدا ہو۔ تزکیہ ہو تو ایسا ہو۔ کہا نیاں سنا کرتے تھے۔ کہ یہ اولی الامر حضرات سے تیر جُستہ باز گردا شد زراہ، والی شان سے موصوف ہوتے ہیں۔ ہم نے اس مرد قلندر میں اس نوع کی ہزاروں شانیں پائیں اور ایسی ہی بھی کہ واقعی طور پر قلم سیاہی کا غدو غیرہ ان کی مشتمل نہیں عالم خلق کے گمانوں کا مجموعہ یہ بلند نسب سادات رکھتا ہوا اپنے آپ کو فقیر لکھنے والا یہ مرد کامل شناسائے منزلی ہوتا ہوا دوستوں سے مشورہ کرنے والا عوام الناس میں کچھ اس طرح حیاتِ ظاہری گزار گیا کہ بڑے بڑے اس بحر میں شناوری کرنے والے بھی آپ کو نہ پاسکے۔ زیادہ سے زیادہ آپ کو صوفی کا لقب دیا جس سے صرف اپنی ذات کی ہی صفائی ترشح ہوتی ہے عالم خلق کے حصّہ کچھ نہیں آتا۔ ہاں آپ کی کیفیت ابو الفیض نے دعوتِ عام پیش کی اور دکھایا کہ یہ صاف و شفاف آئینہ فیض رساں بھی ہے۔ سے لیے جاتا تھا جو جس کو ملا پیمانہ بھر بھر کے۔

دورانِ سفر و تبلیغ

اصلاحی انداز ایسے کہ ایک دفعہ سفر میں کسی دوست کے گھر قیام فرمایا نمازِ عشاء کے بعد جس کمرے میں آرام فرما رہے تھے۔ میں اور وہ دوست بھی دونوں پاؤں دبانے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ میں بچوں کی طرح بصد تھا کہ قبلہ

کچھ اختیارات سونپ دیں ہیں بار بار اپنی کہہ رہا تھا۔ اور آپ نے حضرت
 ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ ایک شخص انہیں ملنے کیلئے
 حوان کے مکان پر گیا تو اندر سے بجائے ان کے انکی اہلیہ نے جواب میں کچھ آواز
 دینے والے کو اور بہت سی قبلہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو گالیاں
 سنائیں۔ اس شخص کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی وہ سمجھا کہ شاید یہ کسی اور
 کا گھر ہے۔ بھلا اتنے مہنتی فقیر کی بیوی ایسی تند مزاج کیسے ہو سکتی ہے وہ
 چپکے سے واپس چلا گیا۔ اور کسی اور کے بتانے پر معلوم ہوا کہ حضرت صاحب
 باہر جنگل میں لکڑیاں اکٹھا کرتے ہیں اور شام کو واپس یہاں آکر بیچ ڈالتے
 ہیں۔ آپ انہیں باہر ہی مل لیں۔ اچھا رہے گا۔ خیر وہ بچا راستہ سے دور جہاں
 سے وہ لکڑیاں اکٹھا کیا کرتے تھے۔ چلا گیا دیکھا کہ ایک مرد ایک شیر کی لُپٹ
 پر لکڑیوں کا گٹھ لادے ہوئے اس کا کان پکڑے حدود شہر کی طرف آ رہا ہے
 آبادی کی حد تک شیر ساتھ آیا جہاں سے اس مرد نے پشیر پر سے گٹھ اٹھا کر
 اپنے سر پر رکھ لیا۔ اور شیر کی لُپٹ پر ہاتھ پھیر کر واپس کر دیا۔ یہ شخص حیران
 تھا سمجھ گیا کہ مرد تو وہی ابوالحسن خرقانی ہی ہیں اور ان کی ولایت بھی مسلم
 ہو گئی لیکن وہ بیوی والا معاملہ سمجھ سے ابھی باہر ہے۔ قدم بوسی کی۔ آپ
 نے فرمایا کہ دل سے دوسرا دوسرا نکال دیں۔ اسی کی برکت سے تو یہ ولایت
 مجھے ملی ہے کہ ایسی تند خو بیوی سے نبھائے جا رہا ہوں۔ جب قبلہ حضرت صاحب
 کہانی سنا چکے تو میں نے پھر وہی اختیارات والی ہوس شروع کر دی اور کہا
 کہ قبلہ بھلا اس کہانی سے مجھے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے دوست
 سے پوچھیے۔ جب اسے دیکھا تو وہ قبلہ حضرت صاحب کے پاؤں پر سر
 رکھے ہوئے تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ کہ میرا سر گیا۔ مجھے اس کے ان الفاظ سے اور
 حیرانی ہوئی کہ آخر اس کا کیا کام بن گیا۔ خیر رات گئی جب ہم دونوں دوسرے
 کمرے میں سونے کے لیے گئے تو میں نے اس سے پوچھا کہ کیا سر گیا تھا۔ بھئی کچھ مجھے

بھی بتاؤ۔ اس نے کہا کہ اگر آج آپ یہ کہانی نہ سُناتے تو صبح آپ کے روانہ ہونے کے بعد میری بیوی مطلقہ ہوتی۔ آج شام میں نے اپنی بیوی سے حضرت قبلہ کی صبح کو روانگی پر کھانے کے متعلق کچھ باتیں کہیں جنہیں اس نے نہ مانا حتیٰ کہ نوبت تنازعہ تک آگئی اور میں اسے قسم دے کر صاف صاف کہہ آیا تھا کہ حضرت صاحب کو روانہ کر لینے دو فوراً اس کے بعد آپ کو طلاق نامہ لکھ دوں گا۔ اور یہ میرا پکا ارادہ تھا۔ آپ کی اس کہانی نے دل ایسا صاف کر دیا کہ وہ عزم جزم جاتا رہا۔ گھر کی بربادی اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی پریشانی کی نوبت نہ آئی۔ اسی طرح ایک اور دوست اپنی بیوی سے نہایت تنگ آکر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ اگر اجازت دیں تو اسے طلاق دے دوں آپ فرمانے لگے کہ دودھ دینے والی گائے چھڑیں بھی مارا کرتی ہے۔ جو برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ الفاظ کچھ اس انداز سے سائل کے دل میں اثر کر گئے۔ کہ اُس دن کے بعد اس نے طلاق دینی تو درکنار طلاق کا نام تک بھی نہیں لیا۔ یہ دو مثالیں بطور اصلاح پیش کی گئی ہیں۔ تفسیر قارئین کرام پر چھوڑ دی ہے۔ مجھے آپ کی معیت میں مستعد سفروں کی بھی سعادت حاصل ہوئی آپ کا دورہ ظاہری طور پر تبلیغی پہلو لیے ہوئے تھا۔ لیکن دراصل باطنی امور انتظامیہ کی نگرانی مقصود ہوتی۔ اولی الامر حضرات جن جن جگہوں پر مستقیم ہوتے ان کو ہدایت جاری فرماتے۔ یہ حضرات آپ کی خدمت میں اپنے اپنے علاقوں کے حالات بیان کرتے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ سفر میں تھے۔ اور ایک مسجد سے باہر نکل رہے تھے۔ کہ میں نے آپ کی زبان مبارک سے چند ترش الفاظ سنے مخاطب کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے گمان کیا کہ آپ مجھے کہہ رہے ہیں۔ بڑا شرمندہ ہوا۔ دل ہی دل میں کڑتا رہا۔ یہاں پہنچا تھا۔ وہ ایک بڑے امیر دوست کا گھر تھا جس نے بڑے پر تکلف انداز میں دعوت کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ میں کچھ نہ کھا سکا۔ مجھے آپ کے وہی الفاظ جو مسجد کے

باہر نکلتے کہتے تھے۔ یاد آرہے تھے۔ چند دوستوں نے مجھے دیکھا کہ یہ ادا اس سا
 ہے۔ تو قبلہ حضرت صاحب سے بیان کیا۔ آپ نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ مجھ
 سے عرض حال سنا۔ مسکرائے فرماتے لگے کہ آپ خواہ مخواہ اس گفتگو کو اپنے
 پر گمان کرنے لگے۔ وہ جس سے میں مخاطب تھا۔ اس علاقہ کا رپورٹر تھا۔ اس
 کی کارکردگی قابلِ سرزنش تھی۔ جس وجہ سے میں اسے خفا ہو رہا تھا۔ فرمانے
 لگے کہ اس طرح کا گمان ایک دفعہ مولوی غلام مُرشد صاحب خطیب شاہی
 مسجد لاہور کو بھی ہوا تھا۔ جب میں حضرت داتا صاحب کے عرس مبارک
 پر ایک ایسے مرد سے ہم کلام تھا۔ جسکو داتا صاحب کی طرف سے لاہور
 میں ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی۔ میں اسے پیغام دے رہا تھا۔ اور مولوی غلام مُرشد
 صاحب کچھ اپنے اندر ہی اندر بدگمانیاں جمع کر رہے تھے۔ خیر دل سے بوجھ
 دور ہوا۔ قلتِ گنجائش کے سبب میں آپ کے سامنے صرف ایک دورہ کا
 مختصراً خاکہ پیش کرتا ہوں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ اولی الامر حضرات
 کیسے بیک دفت سادہ پر کار ہوتے ہیں۔ عام لباس میں بھی اپنی آستینوں
 کے اندر بدبھنایا لپے ہوئے کیا کچھ کرتے ہیں۔ اپنے دو پوتوں کی سنتِ عقیقہ
 پر ایک مہاجر دوست نے آپ کو دعوت دی۔ اس کا گاؤں منڈھی بورلیوالہ
 کے قریب کوئی تین چار میل کے فاصلہ پر مشرقی جانب تھا۔ ریلوے اسٹیشن
 منڈھی بورلیوالہ سے گاؤں تک کے سفر کا بندوبست بذریعہ دینگن و ہاڑھی
 والے احباب نے کیا تھا۔ آپ کے ساتھ اور دوستوں کے علاوہ آپ کے
 خلیفہ محاذ مرزا غلام محی الدین صاحب اور دو نعت خوان ریاض الدین شاہ
 صاحب اور جان محمد صاحب بھی تھے۔ نمازِ عصر گاؤں پہنچ کر ایک کھیت
 میں ادا کی۔ اس کے بعد وہیں بیٹھے تلاوت قرآن پاک اور نعت خوانی ہوئی
 و ہاڑھی۔ میسری اور منڈھی بورلیوالہ عقیقت مندوں کے ساتھ ان کے اپنے
 دوستوں کی بھی کافی جماعت تھی۔ میزبان کے دیہاتی رشتہ دار اور نزدیک

نزدیک والے دوسرے گاؤں کے اہل ذوق سب مل کر اچھی خاصی روٹی
 محفل بنے ہوئے تھے۔ اس محفلِ لغت خوانی میں قبلہ حضرت صاحب کے
 تصرف نے کچھ ایسا رنگ جمایا کہ ہر قلب رقت آمیز ہوا۔ کس نے ضبط
 کیا۔ اور کوئی پھٹا۔ عجیب کیفیت تھا۔ اس شام رنگین کا۔ عقیدت مند تو پہلے
 سے ہی شکار تھے۔ بہت سے دوسرے حضرات نے بھی تمنائے بیعت ظاہر
 کی جو قبول ہوئی۔ سفر طویل ہے صرف ایک عجیب واقعہ اس گاؤں
 کی رات کا بیان کرتا ہوں۔ میزبان کے دو چار سادہ مکان اس کی اپنی زمین
 ہیں ہی تھے۔ قبلہ حضرت صاحب کے لیے ایک علیحدہ چھوٹا سا سادہ کچا
 مکان جس کی چھت بھی سرسے کچھ محفوظ ہی بلند تھی۔ رات کے آرام کے لیے
 مخصوص کیا۔ آپ کی ذرا لوانڈی تھی۔ کہ آپ نے مجھے اور میرے ساتھ ایک
 وھاڑھی والے منیجر صاحب کو اجازت بخشی کہ اس کمرے میں رات گزاریں
 سرولوں کی راتیں تھی۔ ہم دونوں دوست ایک ہی چار پانی پر تھے۔ آدھی
 رات گئی۔ میرے دوست منیجر صاحب نے مجھے کا پتے ہوئے آہستہ سے جگایا
 اور اشارہ قبلہ حضرت صاحب والی چار پانی کی طرف دیکھنے کو کہا آپ
 چار پانی پر آرام فرما رہے تھے۔ اور ہلکے ہلکے سانسوں کی آواز بھی آ رہی
 تھی۔ ادھر دوسری جانب جو نظر کی تو آپ مصلے پر نماز ادا فرما
 رہے تھے۔ ہم دونوں ڈر کے مارے پسینہ سے شرابور ہو رہے تھے۔ نہ کچھ
 سمجھ میں آئے۔ اور نہ کچھ بول سکیں۔ ڈر کے مارے دونوں نے رضائیاں
 منہ پر لپیٹ لیں اور اس معاملہ کو انہیں پر چھوڑا۔ خیر صاحب امر کے نزدیک
 یہ ایک معمولی بات ہے۔ اسے رہتے دو۔ دوسرے دن وہاں سے اسی دین
 پر منیجر صاحب کی کاٹن فیکٹری وھاڑھی پہنچے۔ اہالیان وھاڑھی جو ق در
 جو ق آئے۔ مختلف اغراض و مقاصد لیے ہوئے۔ آپ سب کی جھولیاں
 بھرتے جا رہے تھے۔ فیکٹری کے ملحقہ کوارٹرز میں سے چند ایک کوارٹر قبلہ

حضرت صاحب اور دوسرے دوستوں کے لیے وقت تھے۔ اس بڑے کو اڑھائی
 میں جہاں قبلہ حضرت صاحب قیام فرماتے تھے۔ رات پھر محفل میلاد شروع
 ہوئی۔ بمشکل کوئی دوست ہو گا۔ جو پھٹا نہ ہو۔ لیکن سب کو دائرہ ضبط
 میں رکھا۔ مجھے یاد ہے۔ جب خاک اڑے میری مدینے کی ہوا ہوا والے
 مصرع پر مرزا صاحب کو وجدانی کیفیت ایسے طاری ہوئی کہ ساتھ ہی
 لے گئی۔ جس کا ذکر ابھی آگے آتا ہے۔ یہ دورہ تو پہلے ہی شاہی تھا۔ محفل ختم
 ہونے کے بعد دوستوں سمیت علی الصباح سلطان شریف حضرت بہاؤ الحق
 زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ معلیٰ پر حاضری کا پروگرام مرتب ہوا۔ قبلہ
 حضرت صاحب خود ایک بڑے پلنگ پر رونق افروز تھے اور میں سرانے
 کی طرف ایک چھوٹے سے موٹڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میری جانب مخاطب
 ہو کر فرمانے لگے۔ کیونکہ سیکرٹری صاحب صبح بڑی سرکار کے حاضری
 کے لیے تیار ہو۔ الفاظ نہایت سادہ۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا۔ زار و قطار
 رونا شروع کر دیا۔ میں اپنا سر قبلہ حضرت صاحب کے سینہ اقدس
 سے لگائے ہوئے بے اختیار رو رہا تھا۔ بغیر کسی وجہ کے جملہ اجباب جو
 اس محفل میں شریک تھے۔ حیران تھے کہ کیا معاملہ ہے۔ دوستوں کی تسلی
 میرے کچھ کام نہ آئی۔ نگاہ اصرار سے ہی کچھ ڈھارس دی۔ آپ نے اس وقت
 میاں محمد کے چند پنجابی اشعار جو دیوان حافظ سے ماخذ تھے۔ دوستوں
 کے سامنے پڑھے۔ کوئی گل و بلبل کا قصہ تھا۔ کہ بلبل گل کو چوتی میں لیے
 رو رہی ہے۔ شاعر اس پر سوال کرتا ہے کہ وصل ہوتے رونا کیا تو بلبل نے
 جواب دیا۔

جنہاں دے سہ عشق اولایا رودن کم اتا ہاے

اکھڈے روندے، بہندے روندے، روندے ٹر دیاں اہاں

یہی ایک شاعر مجھے اب تک یاد ہے اور یاد رہے گا۔ انشاء اللہ رات

کافی ہو چکی تھی۔ فرمایا اپنے اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ علی الصباح نمازِ فجر ادا کرتے ہی روانگی ہوگی۔ میرے کمرے کے ساتھی حاجی محمد دین منیجر صاحب اور سابق حاجی رحیم بخش صاحب تھے۔ میرا حال بدستور تھا۔ انہوں نے مجھے کافی تسلی دی۔ خیر علی الصباح نماز سے فارغ ہو کر وگین میں سوار ہوئے۔ ہم کوئی پندرہ احباب تھے۔ امیر کارواں ڈرائیور کے ساتھ باقی سب پیچھے۔ واپسی سے ملتان کا سفر تقریباً ساٹھ میل کے لگ بھگ تھا۔ میری حالت رات سے ہی خراب تھی۔ اپنی بے بسی اور کم مائیگی کے پیش نظر بھی بہتر جانا کہ رومال سے چہرہ چھپا لیا جائے اور روانگی اشک کو جاری رکھا جائے۔ صاحبِ امر کے تصرفِ عام اور توجہِ خاص سے سب دوست سرشار تھے۔ دوستوں کی گفتگو سے ہی معلوم ہوا کہ اب ملتان آگیا ہے۔ سڑکیں بازار کاٹتی ہوئی وگین روالہ والی تھی۔ دربار والی سڑک پر شہر کے تمام مست استقبال کے لیے پہلے ہی سے حاضر ہو گئے تھے میں نے واپسی پر ان تمام کو دیکھا۔ جاتی دفعہ تو چہرہ پر رومال ہونے کی وجہ سے انہیں نہ دیکھ سکا۔ صرف مجھے ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ۔ جھک جاؤ کی آوازیں ہی سنائی دیں۔ دربار کے دروازہ کے سامنے جب وگین کھڑی ہوئی قبلہ حضرت صاحبِ اترے۔ احباب بھی اور میں سب سے پیچھے۔ قلعہ اور اس کے اوپر سرفلک گنبد کے جلال نے ظاہری آنکھ خیرہ کر دی میری آنکھیں پہلے سے ہی با وضو تھیں۔ احباب کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گیا سبحان اللہ تصرفِ شیخ نے وہ رنگ دکھایا۔ کہ مزارِ اقدس کے پاس بیٹھتے ہی دنیا بدل گئی۔ رقتِ مسرت میں تبدیل ہو گئی بہت کچھ انکشاف ہوا سب احباب کا حال بھی یہی ہوگا۔ واللہ اعلم۔ مراقبانہ حالت سے جب فارغ ہوئے تو کسی دوست نے نعمتِ خوانی کی اجازت چاہی۔ قبلہ حضرت صاحب نے باہر والی ڈیوڑھی میں اس محفل کے اہتمام کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ دروازہ

کے قریب ہی سب دوست دو قطاروں میں بیٹھ گئے۔ صاحبِ امر اپنی شانِ امر کے تحت اس وقت انتہائی منزل پر فائز تھا۔ سید ریاض الدین شاہ صاحب نے حسب ارشاد قبلہ گاہی گواہی سے ملتان پہنچنے تک وہیں میں ہی بیٹھے ایک سلام صاحبِ مزار کے حضور لکھ رکھا تھا۔ وہ کھڑے ہو کر پڑھا۔ میں قبلہ حضرت صاحب کے رُخ انور کو دیکھ رہا تھا۔ چہرہ انور اور عمامہ شریف دونوں سفید اور ایک دوسرے میں جذب ایسا رنگ میں نے پہلے اس ہستی میں کبھی نہ پایا تھا۔ میں دل ہی دل میں حیران تھا کہ یہ کونسی شخصیت ہے۔ جب شاہ صاحب سلام پڑھ چکے۔ تو اس ہستی نے ایک بے پرواہ انداز میں فرمایا کہ شاہ صاحب اس کے پیر کا سلام بھی پڑھ دو۔ آپ کی مراد حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ جن کا سلام شاہ صاحب نے پہلے ہی سے منظوم کیا ہوا تھا۔ ادا شناسی جو قلندر نے عطا کر چھوڑی تھی۔ فوراً کام آئی۔ پہچان لیا کہ اس کے پیر کا سلام کہنے والا خود کہاں ہے۔ وقت تھا کہ جو چاہتا پاتا لیکن جرات نے ساتھ نہ دیا۔ اپنے پاس والے دوست منیجر صاحب کو اس راز سے آگاہی دی اس نے وقت کو غنیمت جانا اور تڑپ کر سامنے آپ کے پاؤں میں گر گیا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ نے اپنا دست مبارک اس ساجد کی پشت پر رکھا۔ اور اسی سال ہی اپنے دیار پاک کی زیارت نصیب فرمائی "نہ چھوئے گی آگ جس نے دیکھا مجھ کو یا دیکھا اس کو جس نے دیکھا مجھ کو (الحديث) بڑے دروازہ کے سامنے وہیں کھڑی تھی۔ شہر کے سمت اب قلندر کے گرد حالہ باندھے ہوئے۔ دست بستہ کھڑے تھے۔ آپ ہر ایک کو ظاہری باطنی خیرات بانٹتے وہیں میں داخل ہوئے۔ آپ کا چہرہ جلال و جمال کا اجتماع سکوت برتتے ہوئے۔ واپسی پر دوپہر کا کھانا اڈہ ٹبہ سلطانپور جو وہاں ہی اور ملتان کے وسط میں ایک قصبہ ہے کھایا۔ وہاں سے راستہ میں ہی موضع لال

سگھو ایک دوست کے اصرار پر نماز مغرب ادا کی۔ آپ کی توجہ کا یہ علم تھا۔ کہ ایک ایک کر کے لپیٹ میں لیا۔ موضع لال سگھو سے واپسی پر سائیں رحیم بخش صاحب (حال مجاور روضۃ اقدس) کی بارہی تھی۔ اس کی چیخ و پکار اور دوڑائی بڑی تھی تو اس نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ دیگ کے ڈھکنے کو اٹھانے سے چاول اچھی طرح نہیں پکتا۔ ضبط و تحمل سے کام لیا کرو۔ اس راہ میں یہ نالے اکثر نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحب کو پہلی سیٹ پر تھے۔ ہم پیچھے۔ اندھیرا بھی کافی ہو چکا تھا۔ یا موٹر کی آواز تھی یا سائیں صاحب کی چیخ و پکار۔ مرزا صاحب نے سائیں صاحب کو کہا کہ ابھی کل رات آپ چوہدری صاحب کو رونے کے نقائص بیان کرتے تھے اور دیگ کے ڈھکنے کی مثال دیتے تھے۔ آپ نے تو دیگ ہی اٹا دی۔ ٹھکانا تو درکنار رہا۔ صبر کرو آپ کو کیا ہو گیا۔ خیر یہ سفر خوب رخص و سرودگریاں و نالہ کشف و کرامات۔ تصرف و قہر سے بھرپور تھا۔ اندھیرا کافی ہو چکا تھا۔ وہاڑی کی حدود پر پہنچے ہی تھے۔ کہ کسی نے وگن روکنے کا اشارہ کیا معلوم ہوا کہ بجائے فیکٹری جانے کے وگن کا رخ شہر کی طرف موڑ لیں۔ وہاں رات کے کھانے کا اہتمام ایک تاجر نے کیا ہے۔ گیسوں سے روشن ایک بڑا کمرہ اور چٹائی پر دیواروں کے ساتھ ساتھ گول دائرہ میں مہانوں کی نشستیں اتفاقاً میرے ساتھ والے مرزا صاحب تھے اور بالکل سامنے دوسری جانب قبلہ حضرت صاحب تشریف فرما تھے۔ میں نے انہیں دیکھا کہ بار بار مرزا صاحب کی طرف اس دوران طعام میں دیکھ رہے ہیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ وگن میں سوار ہوئے اور فیکٹری پہنچے۔ عشاء ہو چکی تھی۔ مرزا صاحب نے حضرت صاحب والے کو ارٹھر میں داخل ہونے ہی اجازت مانگی کہ قبلہ سونے کو جی چاہتا ہے۔ تمہ کا بھڑا ہوں۔ آپ فرمانے لگے کہ اچھا مرزا صاحب جائیے۔ آپ کا کام ہی کیا ہے۔ یا کھانا یا سونا۔ میں

— * کارنگ نرالا تھا۔ اسی رات پہلے جب میں رو رہا تھا

بھی بغیر اجازت لیے مرزا صاحب کے پیچھے ہو لیا۔ کیونکہ میری جگہ بھی ان کے ساتھ اسی کوارٹر میں تھی۔ جہاں مرزا صاحب نے سونا تھا۔ ہم دونوں اپنے کمرے میں لیٹے لیکن مجھے فوراً خیال آیا کہ میں نے اجازت وغیرہ تو لی نہیں۔ مرزا صاحب نے کہا کہ اجازت لے آؤ میں واپس قبلہ حضرت صاحب کے کوارٹر میں جو آیا تو دیکھا تو ایک نورانی محفل سچی ہوئی ہے۔ مشتاق سرنگوں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ مولانا روم کی مثنوی شریف کے پہلے شعرے

نخک مغز و نخک تار و نخک پوست
از کجائے اید این آواز دوست

کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں۔ اجازت وغیرہ کا تو خیال بھول گیا۔ وہیں بیٹھ گیا۔ آپ کی جادو بیانی سے سب مسحور تھے۔ اور محفل پر ایک کیف سا چھایا ہوا تھا۔ کہ باہر والے صحن کے دروازہ سے ایک پُر زور کراہتی ہوئی آواز آئی "روشن میاں" یہ صاحب بھی ہمارے دوستوں میں سے تھے۔ اور اس محفل میں حاضر تھے۔ قبلہ حضرت صاحب نے کلام بند فرمایا۔ فرمانے لگے۔ دیکھو کون ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ مرزا صاحب ہیں۔ اسی دوران کچھ دوست کمرے سے اٹھے۔ قبلہ حضرت صاحب بھی صحن میں تشریف لائے۔ اب تک مرزا صاحب صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ قبلہ حضرت صاحب کے سامنے آکر زور سے چیخ مار کر کہنے لگے۔ سرکار میں مرگیا یہ کہا اور دھڑ سے قدموں میں گر گئے۔ وادی عشق میں تو یہ ایک انوکھا نظارہ ہو گا۔ لیکن میں تو اسے ایک سانحہ عظیم کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہوں۔ ہم سب دوست حیران کھڑے تھے مرزا صاحب گریے مذبولے نہ اٹھ سکے۔ مجھے یاد ہے کہ کوئی دوست ڈاکٹر کی طرف بھاگا۔ کوئی پودینہ لینے ساتھ والی کیاری چلا گیا کہ شاید مہینہ ہو گیا ہے مرزا صاحب کو چار پانی پر لٹایا۔ رضائی اور ہدی۔ سائیں رحیم بخش صاحب اور میں آمنے سامنے چار پانی کے دونوں طرف فرسٹ پر بیٹھے پاؤں مسل رہے تھے

سائیں صاحب نے مجھے اشارہ کیا کہ مرزا صاحب ختم ہو چکے ہیں لیکن میں نے اشارہ ہی جواب سے دیا کہ آپ خاموش رہیں۔ کچھ پانچ دس منٹ گزر جانے کے بعد چہرہ پر سے رضائی اٹھائی تو دیکھا کہ مرزا صاحب اللہ ان پر رحمت بچھا اور فرمائے، مقصد زندگی حاصل کر چکے ہیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون مرزا صاحب کا چہرہ زرد۔ زندگی کے آثار نہ پا کر ایک دوست نے ایک پیچ نکالی لیکن فوراً قبلہ حضرت صاحب نے اسے روک دیا۔ آپ کے الفاظ "مرزا صاحب اچھی نبھائی" مجھے یاد ہیں۔ اشعار میں قدموں کی بلائیں لینا۔ قدموں میں جان دینا۔ آستانہ پر دم نکل جانا۔ وغیرہ وغیرہ سنا کرتے تھے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کیسے ایک محب اپنے محبوب کے قدموں پر نثار ہوا۔ مرزا صاحب کے گھر لاہور میں تار دیا گیا۔ قبلہ حضرت صاحب نے ہمیں آرام کرنے کے لیے فرمایا اور خود نوافل میں مشغول ہو گئے اور فجر سے پہلے ہی اس وگین میں آپ کی میت لیکر روانہ ہوئے۔ بعد دوپہر لاہور پہنچے تار مل چکا تھا۔ سارا سید مٹھ بازار سوگ میں مبتلا تھا۔ ہماری وگین پہنچنے پر عجیب کھرام مچا۔ نماز مغرب سے پہلے آپ کو میانی صاحب والے قبرستان میں سپرد خاک کیا اللہ ان کی تربیت کو نور سے بھر دے۔ تیسرے دن مجھے وٹاری والے دوست منیجر صاحب کا خط آیا کہ میرا حال اس عجیب موت سے قابو سے باہر ہو رہا ہے اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ شاید پاگل ہو جاؤں آپ اللہ میری مدد فرمائیں اور قبابہ حضرت صاحب سے میری تسلی کے لیے عرض کریں۔ میں نے وہ خط قبلہ حضرت صاحب کو دکھایا۔ آپ نے منیجر صاحب کو جواب میں لکھا کہ اگر مرزا صاحب کی موت آپ کے لیے ایک انسانی موت کا اثر رکھتی ہے تو وٹاری میں ہر روز ایسی موتیں ہوتی ہوں گی چاہیے کہ آپ ہر موت پر اس طرح اثر پذیر ہوں جیسے۔ اب ہونے ہیں اور اگر مرزا صاحب کی موت کا اثر جو آپ پر اس وقت مرتب ہے۔ کسی

تعلق کی بناء پر ہے تو جان لو کہ دزدیشی ہر تعلق سے آزاد ہوتا ہے۔ عدم و موجود کو یکساں جانتا ہے۔ مجھے منیجر صاحب نے لکھا کہ قبلہ حضرت صاحب کے اس خط کے آنے سے وہ بحران جاتا رہا اور دل سے اطمینان پکڑا۔ یہ تھی آپ کے ایک سفر کی مختصر داستان۔

تصرف باطنی

آپ اہل جذب اور اہل سکوک دونوں گروہوں کے بادشاہ تھے اکثر امور باطنی اہل جذب کے حوالے کرتے۔ اور ان سے ان کی اپنی زبان میں گفتگو فرماتے۔ جو ہماری سمجھ سے بالا ہوتی۔ قارئین کرام کی تازگی کے لیے میں ایک چھوٹا سا واقعہ اس مست کا جو آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا لکھتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

مجدوب کا نام عبدالرحمن تھا۔ اچھا حسیم۔ گول چوڑی سفید و سیاہ ڈاڑھی پھٹے پرانے کپڑے اوڑھے ہوئے منہ سے رالیں بہہ بہہ کر ڈاڑھی پر پڑتی جلتے وقت کچھ کبڑا سا ہو جاتا۔ چہرہ جلالی لیکن ساتھ ساتھ مسکراہٹ بھی۔ جب بیٹھک میں داخل ہوتا۔ آبا آبا کہتا ہوا سلام کرتا۔ اور ساتھ ہی ہپا ہپا کہتا ہوا بیٹھ جاتا۔ سردیوں میں بھی بیٹھک میں داخل ہو کر ٹیکھے کی طرف اشارہ کر کے اپنی انگلی گھماتا کہ ٹیکھا چلایا جائے۔ ہپا کہنے اس کی مراد کچھ کھانے کے لیے ہوتی۔ پانی سے زیادہ گھبراتا۔ جب اس کا نکالنا مقصود ہوتا تو قبلہ حضرت صاحب فرماتے اچھا پانی لاؤ اسے نہلا دیں۔ وہ فوراً دروازہ کے باہر ہو جاتا ایک دفعہ آپ کسی دوست کو ایک مسئلہ بیان فرما رہے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ میں بھی سُن رہا تھا۔ لیکن اس مست نے اپنے معمول کی آوازوں سے کچھ روکا ڈٹ ڈالی۔ ہمارے بند کرنے پر بھی وہ نہ ہٹا۔ قبلہ حضرت صاحب

فرمانے لگے کہ یہ آپ سے بند نہیں ہوگا۔ آپ نے اسے کچھ کہا۔ اور وہ فوراً خاموش ہو گیا۔ کسی اور صبح میں معمول کے مطابق حاضر خدمت ہوا۔ آپ تھے۔ اور ساتھ والی کرسی پر ایک نوجوان کوٹ پتلون پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔ تیسرا شخص یہ عبدالرحمن مجذوب فرس پر بیٹھا تھا۔ قبلہ حضرت صاحب نے اس نوجوان سے میرا تعارف کرایا۔ یہ نوجوان ایک غزنوی عالم کے جو فرقہ اہلحدیث میں ایک بڑے عالم تصور کئے جاتے ہیں صاحبزادے تھے۔ ابھی دو چار روز پہلے میں نے اس کا نوٹو ایک انگریزی اخبار میں بھی دیکھا تھا۔ کہ یہ نوجوان پاکستان بھر میں اس سال ایم اے عربی میں اول نمبر رہا ہے۔ قبلہ حضرت صاحب سے کچھ تصوف کی راہیں دریافت کر رہا تھا فاضل عربی ہونے کی وجہ سے کلام میں احادیث و آیات کا زیادہ استعمال کرتا تھا۔ دوران گفتگو میں عبدالرحمن مجذوب کو دیکھ کر کچھ ستھارت بھرے الفاظ کہے کہ یہ گروہ عقل نہ رکھنے کی وجہ سے فضول ہوتا ہے۔ قبلہ حضرت صاحب نے نفی کی۔ خیر وہی تصوف والا موضوع جاری رہا۔ اسی اشارہ میں کچھ دیر بعد عبدالرحمن صاحب نے ہپا ہپا کی رٹ لگانی شروع کر دی قبلہ حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ ایسے ایک آنہ دے دیں تاکہ یہ بازار چلا جائے اور کوئی بند وغیرہ لیکر کھالے۔ نوجوان نے فوراً اپنی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نقدی نکالنے کو ہی تھا کہ عبدالرحمن مجذوب نے دو تین دفعہ سر پھیر دیا۔ اور ہاتھ سے بھی کچھ دو تین ایسے اشارے کئے جیسے تمار باز داؤ لگاتے وقت ہاتھ سے پانسے پھینکتے ہیں۔ کیونکہ قبلہ حضرت صاحب نے نقدی دینے کے لیے۔ مجھے فرمایا تھا۔ عبدالرحمن نے رخ میری طرف موڑ لیا۔ میں نے آنہ دیا۔ اور وہ اٹھ کر چل دیا۔ نوجوان نے کچھ کھسیانے سے ہو کر قبلہ حضرت صاحب سے وجہ دریافت کی کہ آخر اس نے مجھ سے پیسے کیوں نہ لیے۔ قبلہ حضرت صاحب مسکرائے اور فرمانے لگے۔ کہ کیا آپ نے

اس کے ہاتھ کے اشاروں کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ شخص جوڑے باز ہے۔ میں اس کے مال کو حرام سمجھتا ہوں۔ نوجوان کی حیرانگی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ابھی کچھ منٹ پہلے اسی مجذوب پر معترض تھا۔ اب جب اس مجذوب کے ایک اشارہ سے اس کی قلعی کھل گئی تو فوراً قائل ہو گیا۔ اعتراف کیا کہ واقعی میں بڑے بڑے ہوٹلوں میں جا کر فلاش (جوڑے کی ایک قسم) کھیلا کرتا ہوں۔ آج سے توبہ کرتا ہوں آپ بھی میرے لیے دعا فرمائیں۔ اس نوجوان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈھلبا رہی تھیں۔ اور قبلہ حضرت صاحب کی کرم فرمائی کی ملتجی تھیں۔ اس حالتِ زار میں اس نوجوان نے قبلہ حضرت صاحب سے یہ بھی کہا کہ میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں ”واللذی نحب لا یخرج الا نکدا“ کا مصداق نہ بن جاؤں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اس کا اشارہ اپنے باپ کی طرف ہے۔ قبلہ حضرت صاحب نے فرمایا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ عزوجل کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ یخرج الذی من الملیتہ پر کلام ختم کیا۔

آپ کی دسترس بین الاقوامی امورِ باطنی پر بھی تھی۔ اس بناء پر کبھی کبھی سرحدوں کا دورہ بھی فرماتے۔ پاکستان کو وجود میں آئے۔ ابھی چار پانچ سال ہی گزرے ہوں گے کہ انتظامیہ میں اچھا خاصہ خلل واقع ہوا آئے دن وزراء تبدیل ہونے لگے۔ تقریباً تمام تر ظاہری افسرانِ بالا خود غرضی کا شکار ہو گئے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک رات عشاء کے بعد میں حاضر خدمت تھا کہ ایک صاحب امر جو عموماً ایسے اوقات میں ہی حاضر خدمت ہوتا۔ اور قبلہ حضرت صاحب سے باطنی مشورے لیتا۔ بیٹھک میں داخل ہوا۔ اور کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے اپنے جلالی انداز میں ایک ایک کر کے وزراء کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ غصہ میں بھرا ہوا قبلہ گا ہی کی خدمت میں انتظامیہ کے خلاف شکایات کے انبار لگا رہا تھا۔ اور ساتھ ساتھ عوام الناس

کی کس مپرسی کا نقشہ بھی کھینچتا جاتا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ سرکار ہم سے یتیموں کی
 آپہن نہیں سنی جائیں اور تہ بیواؤں کے سروں سے دوپٹے اترے ہوئے دیکھے
 جاتے ہیں۔ غصہ کی وجہ سے اس کی آواز کافی بلند تھی۔ میں چونکہ کبھی اس کو پہ
 سے گذرا ہی نہ تھا۔ اس لیے میری موجودگی نے اس کے کلام میں کوئی روکاوت
 نہ ڈالی۔ وہ بے دھڑک صلواتیں سناتے جا رہا تھا۔ میں پتیران تو تھا کہ یہ کس
 قدر بے باک انسان ہے۔ لیکن قبلہ حضرت صاحب کی محل مزاجی اور خامشی
 میری ڈھارس بندھا رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنی بلند آواز میں کہانیاں
 سناتے جا رہا تھا۔ اور قبلہ حضرت صاحب کا چہرہ اثر متغیر ہو رہا تھا۔ اور
 چہرہ پر جوش و جلال کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ آخر اس کا قطع کلام کرتے ہوئے
 فرماتے لگے۔ شرم کرو اور بگو اس کو بند کرو۔ وہ وقت بھول گئے۔ جب آپ
 تمام کے تمام دستہ بستہ میرے پاس آئے تھے۔ اور اس خطہ زمین کے لیے
 درخواست کی تھی۔ اور وعدہ کیا تھا۔ کہ آپ ہمیں پاکستان علیحدہ دلا دیں
 ہم خود اس کے انتظام کے ذمہ دار ہوں گے۔ افسران بالا کی تعیناتی بھی کیا
 میرے لیے چھوڑ رکھی ہے۔ اگر سنبھال نہیں سکتے تو علیحدگی اختیار کرو۔ میں
 نے قبلہ حضرت صاحب کے دوران کلام میں اس شخص کو دیکھا۔ کہ کرسی سے
 نیچے اتر کر فرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا ہے اور دونوں ہاتھ
 جوڑے ہوئے معافی کے کلمات زبان سے نکال رہا ہے۔ اس کا جوش و خروش
 سب ٹھنڈا پڑا ہوا ہے۔ یہی کہے جا رہا ہے کہ موتیوں والی سرکار مجھے معاف
 فرمائیں غلطی ہو گئی ایسی شکایت پھر کبھی زبان پر نہیں لاؤں گا۔

تصویر

دوستوں میں سے اکثر کو تصویر شیخ کی تعلقین فرماتے۔ فرمایا کرتے کہ
 حقیقت امر کے انوار حسب ایک درخت پر جلوہ نگیں ہو سکتے ہیں۔ تو انسان

پر جو اشرف المخلوقات ہے۔ کیوں نہ ہوں۔ ہمارا ایک دوست آٹھوں پر
تصویر میں گم رہتا۔ حتیٰ کہ اس سے جگہ اور اوقات کا لحاظ بھی چھوٹ گیا
آپ نے اسے فرمایا کہ تصور میں احتیاط برتا کریں۔ ہر عمل۔ ہر وقت اور
ہر جگہ اس کے موافق نہیں ہوتی۔ اس سے منظور کو تکلیف ہوتی ہے
اپنا ایک واقعہ بیان فرمانے لگے کہ اس منزل تصور شیخ میں میں ایک
شام اپنے لگاؤں کے کھیت میں چارہ کاٹ رہا تھا۔ چارہ کی ہری بھری
نالیوں کو بائیں منٹھی میں لیتا اور داہنے ہاتھ سے درانی پکڑے ہوئے اور
تصور پکائے ہوئے چارہ کاٹتا جاتا۔ دوسرے ہی دن قبلہ بابا جی کی خدمت
میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا تو فرمانے لگے۔ کہ چارہ کاٹتے وقت تصور
نہ کیا کرو مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ میرا ایک دوست سعادت
بعیت حاصل کرنے کے بعد اپنے کاروباری سلسلہ میں نوک کنڈھی چلا
گیا۔ ابتدائے شوق تھا۔ ہر چیز کو کشش کی کہ جس بستی کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر
آیا ہوں اس کا تصور کبھی تو آئے۔ کافی دیر ایسے ہی حیرت میں گزرنے
پر اس نے مجھے لکھا کہ بقیارزی بڑھ چکی ہے۔ تصور کا عدم ہے۔ قبلہ حضرت
صاحب سے عرض کریں تاکہ کچھ تسلی ہو۔ میں نے یہ خط قبلہ گاہی کی خدمت
میں پیش کیا۔ مسکرائے اور فرمانے لگے۔ کہ آج کے بعد اسے یہ شکایت نہیں ہوگی
آج رات ملاقات کے بعد وہ خود آپ کو لکھے گا۔ کہ مقام قبض کیسے ٹوٹا اور
کشادگی کیسے آئی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خود اپنے عالم تصور کی کیفیات اکثر
بیان فرماتے ایک شام چند دوست حاضر خدمت تھے۔ تصور شیخ ہی
کا باب کھلا ہوا تھا۔ اس ضمن میں آپ نے فرمایا کہ اس کائنات حقیقی کا
لاکھ لاکھ احسان ہے۔ جس نے مجھے راتوں رات حبلہ انبیاء علیہم السلام کی زیارت
سے ایک ایک کر کے مشرف فرمایا۔ اور علیحدہ علیحدہ ہر ایک سے مصافحہ
کا مشرف بھی بخشا۔ یہ صاحب ایک قطار میں دکھائے گئے۔ اور لطف پر

لطف یہ کہ سب سے پہلے صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور قطار
بیتیم ہونے پر سب سے آخر میں بھی انہیں ہی پایا "و صلی اللہ علیٰ عبدہ محمد
والہ واصحابہ وسلم"

اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے اب بھی یہ مقدس جماعت میرے
تصویر میں رہتی ہے۔ اللہ اکبر! یہ تھی آپ کی شانِ تصور۔ میرے رشتہ داروں
میں سے ایک فقیر دوست تھا جو بد قسمتی سے ایک ہندو جوگی کے سلسلہ
"رادھاسوامی" میں پھنسا ہوا تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد یہ شخص قدرتی طور پر
اپنے سوامی کی صحبت سے محروم رہا۔ ایک دن میرے ساتھ قبلہ حضرت
صاحب کی زیارت کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اس شخص سے اس کا
سبق پوچھا۔ اس نے چند کلمات ہندی میں بتائے اور عرض کیا کہ ان کلمات
کے دوران سوامی جی نے اپنے تصور کی بھی تاکید فرمائی تھی۔ قبلہ حضرت صاحب
نے فرمایا اس عمل کا کوئی نتیجہ نکلا۔ کہنے لگا کہ کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح کوراہوں
آپ فرمانے لگے کہ اچھا آج سے اپنے وقت مقررہ پر یہی سبق پڑھ لیا کریں اور
میرا تصور رکھیں۔ میں نے علیحدگی میں عرض کیا کہ سرکار اس شخص کا سبق
برقرار رکھنے کی کیا علت تھی فرمانے لگے کہ وہ ہندی والا سبق ہو بہو کلمہ
تمجید کا ترجمہ تھا جسے رہنے دیا۔ اس شخص کے راستے میں روکاؤٹ متصور
کی وجہ سے تھی جو ایمان سے خالی تھا۔ محض اخلاق کی بناء پر بانی سلسلہ
بنا ہوا تھا۔ آپ کا مقدس تصور میری زندگی کے ہر لمحہ کام آیا۔ واقعات
تو بے شمار ہیں اور تالیف کتاب کو بھی اپنے ذاتی مشاہدہ پر رکھا گیا ہے
جس میں ہر لحظہ ریا کا خطرہ پوشیدہ ہے۔ اس لیے اس صاحبِ امر کے
واسطے سے حقیقتِ امر کے حضور کسی قسم کی نمود و ریا سے پناہ مانگتا ہوں
اللہ محفوظ رکھے۔ پانی آخر پانی ہے۔ چاہے ہزار رنگ بدلے۔ میری بھلا
بساط ہی کیا ہے کہ ایک بھر بیکراں کو گھیر سکوں۔ تصور میں گم ہونے کی خواہش

تھی جو اس تحریر سے پوری ہو رہی ہے اور بات بنی جا رہی ہے۔ تصور کی ابتدائی منازل تھیں۔ شوق بھی تیز تھا۔ یہ قیام پاکستان کے کوئی چند برس پہلے کا واقعہ ہے۔ ان دنوں میں گڑھی شاہو محلہ فیروز دین رہا کرتا تھا ایک اتوار میرے دو دوست میرے مکان پر آئے کہنے لگے کہ قبلہ حضرت صاحبؒ تو سندھ تشریف لے گئے ہیں۔ سنا ہے کہ مسجد نور واقعہ گنج مغلیہ ریلوے لائن کے متصل حضرت پیر اسماعیلؒ گراماں والے تشریف لائے ہوئے ہیں چلو تینوں ان کی زیارت کر آئیں۔ وہ نماز ظہر ادا کر چکے تھے۔ انہیں نے کہا کہ آپ جلدی کریں اسی مسجد میں ہی نماز پڑھ لیں میں نے کہا کہ وہ پیر صاحبؒ ظاہری شریعت کے بہت پابند ہیں۔ سنا ہے کہ دارھی منڈھے کو پاس نہیں آنے دیتے اور اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ مجھے میرے حال پر ہی رہنے دو۔ آپ زیارت کر آئیں۔ لیکن ان کے اصرار پر مجھے جانا ہی پڑا۔ گڑھی شاہو سے ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ مغلیہ اسٹیشن پہنچے۔ وہاں سے ان دونوں دوستوں نے کچھ مالٹے وغیرہ بطور نذرانہ خریدے۔ کچھ دور آگے ریلوے لائن کے ساتھ ہی مسجد مٹھی اس مسجد کے کچھ فاصلہ پر ایک طرف دُور سے ایک محفل دکھائی دے رہی تھی۔ اور ایک بزرگ چار پائی پر بیٹھے بھی دُور سے نظر آ رہے تھے۔ دونوں دوست سیدھے اس محفل کی طرف روانہ ہو گئے اور مجھے مسجد میں نماز ظہر کے لیے چھوڑ گئے۔ میں جب نماز سے فارغ ہوا۔ تو اس محفل کا رخ کیا ساری کی ساری محفل مسجد سے نکلتے ہی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ سر پر انگریزی فیشن کے بال۔ دارھی موچھوں کا صفایا اور آدھے بازوؤں والی قمیض نے ان کی نفرت کو تقویت دے رکھی تھی۔ میرے دونوں دوستوں کو جو تقریباً آدھ گھنٹہ مجھ سے پہلے اس محفل میں شریک ہو چکے تھے میری حالت زار پر رحم آ رہا تھا۔ میں نے جب محفل کے قریب جا کر سلام علیکم

کہا تو مجھے یاد ہے کہ شاید ہی کسی نے جواب دیا ہو۔ ایک دو صاحب بولے
 ارے! جوتے ادھر ہی اتار دو۔ میں مارے شرم کے پانی پانی ہو رہا تھا کسی
 صاحب نے مجھے دُور ہی بلینے کا اشارہ کیا۔ میں فوراً ڈرتا ڈرتا وہیں بیٹھ
 گیا۔ اور صفت تک بھی سمیچنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ چار پائی والے صاحب
 بڑے جلال والے۔ اچھی گھنی داڑھی اور موٹی موٹی آنکھیں مجھے بلینے ہی
 فرمانے لگے۔ کیا نام ہے۔ کہاں سے آئے ہو۔ کس سے ملنے والے ہو۔ شاہ صاحب
 یہاں سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ ان کی آواز بڑی رعب دار تھی۔ میں تو
 اصحاب صفہ سے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ خیر میں نے ان کے سوالوں کا
 جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی کا غلام
 ہوں۔ یہ سن کر یہ صاحب تو کچھ خاموش ہو گئے۔ لیکن دیگر اصحاب نے
 ایک ایک کر کے مجھے تیر چھوٹے شروع کر دیئے۔ کسی نے کہا کہ صوفی قلندر علی
 کے مرید کیا ایسے ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ کسی
 نے کہا کہ کیا آپ کو صوفی صاحب نے شریعت کی پابندی نہیں بتائی وغیرہ
 وغیرہ۔ میں خاموشی سے ان کی باتیں سہتا رہا۔ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔
 کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحب کے ارشادات کہ ہمارے شیر
 کو کسی کی نگری کیسے کھا سکتی ہے۔ ہمارا دوست جہاں کہیں بھی ہو ہم اس
 کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ سب یکے بعد دیگرے دل و دماغ میں جگہ لینے ہوئے
 تھے۔ کوئی اس کیفیت کو پندرہ بیس منٹ ہوئے ہوں گے۔ کہ چار پائی والے
 صاحب نے اس جماعت کو ایسی باتیں کہنے سے روکا اور خود کھیل اُٹھ
 کر فرمانے لگے۔ کہ مجھے پانچ دس منٹ آرام کر لینے دو۔ میں جان گیا کہ
 یہ صاحب اہل شہود سے نہیں ہے۔ اپنے پر عنودگی طاری کر کے کچھ دیکھنا
 چاہتا ہے۔ کوئی پانچ منٹ کے بعد ان کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ بمشکل
 اور پانچ سات منٹ گزرے ہوں گے۔ کہ یہ صاحب فوراً کھیل منہ سے سرکا

کہ اٹھ بیٹھے میری طرف دیکھ کر مسکراتے اور مجھے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ فرمانے لگے کہ بابو صاحب کیا آپ حافظ قرآن بھی ہیں۔ آپ تو نور ہیں ہیں ان دنوں تفسیر مواہب الرحمن کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اور اس میں اچھا خاصہ محو تھا۔ میں نے بتایا کہ حافظ تو نہیں ہوں۔ قرآن کا شوق ضرور ہے۔ ان صاحب کے پاؤں پر کچھ ورم سا تھا۔ فرمانے لگے کہ بابو صاحب ذرا اس پر دم کریں میں نے کہا کہ کبھی دم کیا نہیں۔ یہ صاحب ادھر میری شریف ہیں کلمے کہتے جاتے تھے۔ ادھر میں قبلہ حضرت صاحب کے تصور میں گم تھا۔ اور ان کے قدموں کی بلائیں لے رہا تھا۔ کہ کسی مدد فرمائی ساتھ ہی ساتھ محفل کے پندرہ بیس اشخاص جو چند منٹ پہلے مجھے نفرت کا نشانہ بنائے ہوئے تھے۔ میرے ارد گرد جمع ہو کر مجھ سے محبت بھرے الفاظ میں گفتگو کرنے لگے۔ کوئی میرا پتہ پوچھے۔ کوئی میرا علم میں بے نیازی کے عالم میں کسی کو کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔ اپنے شیخ کے تصرف کے مزے اٹھا رہا تھا۔ یہ چار پائی والے صاحب بعد میں معلوم ہوا کہ اپنے شیخ کرباں والے کے ارشاد کے موجب اس مسجد نور کے امام مقرر ہیں۔ آپ کا نام محمد چراغ شاہ ہے۔ قبلہ حضرت صاحب کے تصرف کی طاقت تو دیکھئے کہ مولوی چراغ شاہ صاحب نے آخر اس بھری محفل میں مجھ سے کہا کہ نماز عصر کا وقت ہو رہا ہے۔ آپ ہم سب کو جماعت کرا دیں۔ میں نے معافی چاہی اور ہم تینوں دوست ایک ایک سے بنگلہ گھر ہو کر واپس آئے۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ میرے ساتھ گولڑہ شریف پیش آیا۔ اس وقت قبلہ حضرت صاحب ظاہری حیاتِ طیبہ سے انتقال فرما چکے تھے مجھے کسی سرکاری کام راولپنڈی جانا تھا۔ وہاں پہنچ کر خیال آیا کہ کیوں نہ ہو۔ رات بجائے پٹری کے گولڑہ شریف ہی گزاروں۔ نماز مغرب کے کچھ بعد وہاں پہنچا۔ سردیوں کے دن تھے۔ وہاں کے کسی خدمت گار نے

مجھے ایک کمرہ دیا۔ اور ایک بستر رات کا کھانا بھی لنگر سے آیا۔ رات بڑھی سہانی تھی۔ رات کی رانی کے پودوں سے ساری فضا مہک رہی تھی مسجد میں نماز عشاء ادا کی۔ اور بعد میں حضرت مہر علی شاہ صاحب کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ کافی رات بیٹھا رہا۔ لیکن کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہوا۔ علی الصبح نماز فجر کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت غلام محی الدین صاحب مدظلہ اس نالہ کے دوسری طرف اپنے دیوان خانہ میں تشریف فرما ہیں۔ سورج نکل چکا تھا۔ دیدار سے مشرف ہوا فرمانے لگے کہ کیا کام ہے۔ میں نے اپنی عورت کی بیماری کا بہانا بنایا۔ فرمانے لگے کہ دربار واپس چلے جاؤ۔ وہاں ایک بزرگ بیٹھے ہوں گے۔ ان سے دوائی اور تعویذ وغیرہ لے لیں۔ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے بلینے کی اجازت نہ ملی۔ میں کچھ کھسیا سا ہو کر واپس آ گیا۔ دربار سے ملحقہ مکان میں سے ایک جگہ کوئی مدنی صاحب رہتے تھے۔ ان کا نیاز حاصل کیا معلوم ہوا کہ ابھی دس بجے سے بارہ بجے تک یہاں بڑے کمرہ دہال میں محفل سماع منعقد ہو رہی ہے۔ چاہا کہ اس محفل کی حاضری کے بعد ہی لاہور واپس جاؤں محفل سماع کا آغاز ہوا۔ صرف ایک ستار اور ایک طبابہ کی سنگت سے دو تین گول قطاروں میں اہل ذوق موجود تھے۔ صاحبزادہ مدظلہ محبوب ستار نواز کی ایک جانب دو سنتوں کے خطوط کے جواب لکھے جا رہے تھے۔ سماع کا سماں بند رہا تھا۔ ستار نواز کے سامنے نوٹوں کا ڈھیر لگا رہا تھا۔ تقریباً تمام عقیدتمندوں نے حصہ لیا۔ میں نے بھی دو سال ہوئے حج کا فریضہ ادا کیا تھا۔ مناسب سمجھا کہ اپنے آپ کو حضور علیہ السلام کی دہلیز کے پاس جگہ دوں اور قبلہ حضرت صاحب کے تصور میں گم ہو جاؤں سماع کے اثر سے صاحبزادہ مدظلہ وادی انکشاف میں آچکے تھے۔ پہلے واقعہ میں جیسے کہ بیان کر چکا ہوں۔ عنودگی انکشاف کا ذریعہ بنی۔ اب ان صاحبزادہ کے لیے سماع خیر جب محفل ختم ہوئی

آپ اٹھے اور ایک پُر رُعب انداز میں آواز دی۔ "عبداللہ جب عبداللہ نامی صاحب نے دست بستہ جاضری دی تو اسے دُور سے ہی میری طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے کہ ان مولوی صاحب کا خاص خیال رکھنا۔ صاحبزادہ خود تو اپنے دیوان خانہ میں تشریف لے گئے۔ لیکن میں نے دیکھا عبداللہ صاحب کے ساتھ ایک جماعت مجھے گھیرے ہوئے ہے۔ میں نے ان سے مزار اقدس کی دوبارہ جاضری کی اجازت مانگی۔ وہاں حاضر ہوا تو صاحب مزار کی توجہ بھی اثر پیدا کرنے لگی۔ ساری رات تو کچھ نہ بنا تھا۔ اب آتے ہی معاملہ شروع ہو گیا۔ فرمانے لگے کیا چاہتے ہو۔ ابھی دل میں خیال آیا ہی تھا کہ کہوں کہ ہمارے آقا و قبلہ حضرت صاحب کے مزار کی رونق بھی ایسی ہی ہو۔ تو فوراً قبلہ حضرت صاحب نے ایسا معلوم ہوا کہ میرے منہ پر دست مبارک رکھ دیا ہے۔ اور خاموشی کا حکم دے رہے ہیں۔ خیر کچھ نہ کہا اور نہ کچھ مانگا۔ فارغ ہونے کے بعد عبداللہ صاحب اور ان کے ساتھی مجھے ایک خصوصی طعام گاہ میں لے گئے۔ اور مہمانِ خصوصی کی حیثیت بخشی۔ کھانے کے بعد ساتھ والے ہوٹل سے چائے پلائی اور بس کا ٹکٹ خرید کر مجھے دیا۔ قبلہ حضرت صاحب کے مزار اقدس کی جگہ پوچھی اور پتہ نوٹ کر لیا۔ مجھے اپنی کم مائیگی اور سچپیدانی کا پوری پوری طرح احساس ہو رہا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ سب کی سب قدر دانی اور عزت افزائی اس گتے کی نہیں بلکہ اس پتے کی ہے جو قلندر نے اس کے گلے میں ڈالا ہوا ہے۔ اور لطف یہ کہ اس پتے کو بھی جو ہر دوست پہنے ہوئے ہے۔ عوام الناس کی نظروں سے اوجھل رکھا ہے اور سوائے اولی الامر حضرات کے کوئی اس پتے کو نہ چھو سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔

کسی مزے کی بھیک بس اس پاک در کی ہے

شکایات و آزمائش

یہ آپ کی ہی شان تھی کہ ہر دوست کا تزکیہ اسی کی طبیعت کے رجحان کے مطابق کر دیتے مجھے حاضری کی پابندی کی تاکید فرماتے۔ اگر کسی دن ناغہ ہو جاتا تو باز پرس کرتے۔ میں حیران ہوتا کہ اکثر دوست کئی کئی دن حاضر خدمت نہیں ہوتے اور ان سے کچھ نہیں کہا جاتا۔ حج کے ڈیڑھ سال بعد جب تک آپ ہمارے ساتھ ظاہری زندگی میں رہے مجھے صبح شام دونوں وقت حاضری کا حکم ہوا۔ دوسرے وقت رات کئی جب گھر جاتا۔ تو بوڑھے والدین سوت گھبرائے ہوئے ہوتے۔ اکثر اوقات مجھے عقدہ میں گالیاں بھی دیتے۔ سارا دن دفتر۔ صبح شام حاضری بھلا ایسے میں بچوں کی تربیت کا کہاں وقت ملے۔ آخر ایک دن کچھ تنگ سا اگر آپ کی خدمت میں پھٹ پڑا۔ آپ میری تیز کلامی نہایت محل مزاجی سے سن رہے تھے۔ فرمانے لگے۔ تسلی رکھیں سب کام انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ والدین کی گالیاں ہی آپ کی ترقی کا سبب بنے گیں۔ والدین کی خدمت کا آپ کو کافی وقت مل جائے گا۔ بچے کی عادات بھی ٹھیک ہو جائے گی۔ سب کچھ سننے کے باوجود میری گرم کلامی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ میری عقل پر پتھر پڑ گئے۔ فرمانے لگے۔ کہ دفتر کی زندگی تو آپ کی پُر آسائش ہے وہاں تو آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں۔ مجھ سے غلطی پر غلطی پھر ہوئی کہ اس تیز روی میں اپنے زور کلام سے دفتری اوقات کو بھی سوہان روح گردانا عرض کیا کہ اس پُر فتن دور میں دفتری بابو بھلا مجھ جیسے مولوی ٹائپ کو کہاں چھوڑتے ہیں۔ میری داڑھی پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ آپ نے مجھے کون سی طاقت دے رکھی ہے کہ ان کی زبانیں بند

کروں وغیرہ وغیرہ سب کچھ بکتا گیا۔ اور سب چھوٹ تھا۔ آپ سر ایا
 خاموش تھے۔ میں نے یہ نہ جانا۔ میں بے ادب و گستاخ ہو چکا ہوں اور
 اور یہی خیال لیے ہوئے کہ قبلہ حضرت صاحب کو میری شکایات کا
 کوئی جواب بن نہیں پڑا۔ سر مغرب ہی واپس دھرم پورہ گھر آ گیا۔ رات
 میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک ریڑھ نما ٹانگہ پر کھڑا ہوں۔ میرے ارد گرد
 دو چار بڑے بڑے صندوق ہیں۔ ٹانگہ کا گھوڑا نہایت تند و تیز اور طاقتور
 ہے۔ اس کی باگیں میرے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑی ہوئی
 ہیں۔ لیکن کمال یہ کہ وہ گھوڑا بجائے آگے دوڑنے کے تیزی سے پیچھے
 رہا ہے۔ ہر دنیاوی رفتار اس کے آگے ماند نظر آتی ہے۔ میں خود اور میرے
 ساتھ والے صندوق، چکولے کھاتے گرنے کے قریب ہوتے ہوئے لیکن
 پھر سنبھلتے ہوئے شرک پر پیچھے ہی پیچھے جا رہے ہیں۔ خدا جانے کتنے
 سو میل کا سفر اس گھوڑے نے مجھے کرایا۔ آخر ایک کھیت میں جس میں مٹی کے
 بڑے بڑے ڈھیلے نظر آ رہے تھے۔ وہ گھوڑا ٹانگہ سمیت رکا۔ میرے ڈر
 کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ میں جب جاگا تو شکر کیا کہ ابھی زندہ ہوں خواب
 بالکل واضح تھی۔ اس لیے قبلہ حضرت صاحب کو سناتے بھی شرم آتی
 تھی بہتر سمجھا کہ جیسے بتایا گیا ہے ایسے ہی معافی مانگی جائے۔ صبح کو حاضر
 خدمت نہیں بلکہ حاضر قدمت ہوا۔ جتنی دیر حاضری دی۔ اپنے سر کو
 قدموں پر ہی تصور میں رکھ چھوڑا۔ شام کو بھی ایسے ہی کیا۔ کئی میل کا
 سفر واپسی تھا۔ کئی دن اپنا عجز و نیاز ایسے ہی پیش کرتا رہا۔ آخر رحمتِ عالم
 جوش میں آئی۔ جہاں سے پھرا تھا۔ وہیں لاکھڑا کیا۔ آپ کے وصال کے
 بعد چھ سال کا عرصہ والد بزرگوارم اور آٹھ سال کی مدت والدہ محترمہ
 کی خدمت کے لیے پائے۔ جیسا کہ کہیں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ آپ کی
 ظاہری بود و باش ایک امیرانہ ٹھاٹھ رکھتی تھی۔ باوی النظر میں ایسا معلوم

ہوتا تھا۔ کہ فقیری و درویشی کا رنگ اس گھرانہ میں نہیں دیا گیا۔ دوستوں کی ظاہری حالت بھی ایسے ہی دکھائی دیتی تھی۔ ہمارے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ وہ اسی غرض سے التجائے بیعت لایا کہ یہ بڑوں کی جماعت ہے۔ اُن سے تعلق پیدا ہو جائے گا۔ اور زندگی کے دن اچھے گزریں گے۔ پیر کا دیوان خانہ بجلی کے ٹکیوں سے آراستہ ہے بمقصد مندوں کو بیٹھنے کے لیے کرسیاں ملتی ہیں۔ نہ اُن کے کپڑے پھٹے پرانے ہیں اور نہ ہی یہ دوزانو ہو کر فرش پر پیر کے سامنے زانوئے ادب نہ کرتے ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں داخل ہونے پر حقیقت امر کا کچھ پتہ چل گیا تو خیر ورنہ دنیا کی سرفرازی تو کہیں نہیں گئی۔ اونچے طبقہ سے تعلق ہو گا۔ اور دنیا وہی آسائش میسر آئے گی۔ مجھے یہاں ایک حدیث شریف یاد آگئی۔ ایک صحابی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا۔ ذرا دیکھ تو کیا کہہ رہا ہے۔ اس صحابی نے پھر وہی الفاظ دوہرائے آپ نے بھی وہی فرمایا کہ ذرا سوچ کیا کہہ رہا ہے۔ جب تیسری بار اس صاحب امر نے یہی الفاظ تین بار بیک وقت یعنی اتنی ایک۔ اتنی ایک اتنی ایک یا رسول اللہ دوہرائے تو فرمایا۔ کہ اچھا فقر کے لیے پاکھڑھار کر چھوڑ۔ قسم ہے۔ اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے نہیں پہنچتا نالہ اپنے سرے کو اتنی جلدی جتنی جلدی پہنچتا ہے فقر اس شخص کو جو دعویٰ کرتا ہے مجھ سے محبت کا + میں نے اس حدیث شریف کا مشاہدہ اپنے قلندر کی وابستگی میں کیا متقدمین دوستوں میں سے بعضوں نے اشارہ کبھی کبھی مجھ سے کہا کہ اس راہ میں ذرا بچ کر چلو اگر اس مرد کی کپڑے میں آگے تو سب کچھ کھو بیٹھو گے۔ دنیا وہی قلندر تو کچھ سچا کرتے ہیں۔ اور یہ روحانی قلندر انسان سچا کرتا ہے۔ اُن کی ظاہریت

کی طرف نہ جانا۔ یہ بڑے سحت ہیں اور جس کو زد میں لیتے ہیں بڑی بے رحمی سے پس ڈالتے ہیں۔ میں نے ان دوستوں کی باتوں پر کوئی خاص توجہ نہ دینی بلکہ اُلٹا ان کو اپنے جواب سے خاموش کر دیتا کہ ہم سے تو قبلہ حضرت صاحبؑ کا سلوک شفقت و پیار سے مہرا ہوا ہے۔ ہم حبیب سے یہاں آئے ہیں بڑے مزے لے رہے ہیں صحبت کے چند سال بعد ہی دردِ کمر شروع ہوا۔ یہ ایک خلوئی درد (DEAD PAIN) تھا جس کی کیفیت صاحبِ درد یا صاحبِ کرم کے سوا کسی تیسرے شخص کو معلوم نہیں تھی۔ حسبِ ارشاد درد کا علاج جاری رکھا اور درد بڑھتا گیا۔ دفتری زندگی میں اس درد سے کوئی روکاوٹ نہ آئی۔ سائیکل پر بیٹھتے سائیکل سے اترتے۔ کرسی پر بیٹھتے۔ اور کرسی سے اٹھتے ان اوقات میں درد محسوس ہوتا۔ ورنہ دوامی حالات میں یہ درد خلوت گزیں رہتا۔ راتوں کو کوٹ بدلتے یہ درد شدت اختیار کرتا۔ اور ساری ساری رات جگائے رکھتا۔ نشتل کے طور پر دوستوں کے مشورہ سے لاہور کے بڑے بڑے ڈاکروں اور حکیموں کی فہرست تیار کر چھوڑی اور یکے بعد دیگرے ہر ایک سے علاج کرایا۔ لیکن کوئی آفاقہ نہ ہوا۔ جب حاضر خدمت ہوتا۔ قبلہ حضرت صاحبؑ کے ہاتھ چومنا چاہتا تو آپ تخت پوش پر بیٹھتے ہی اپنا دست مبارک اوپر میرے منہ کے قریب لے جاتے تاکہ مجھے جھکنا نہ پڑے۔ مسکراتے۔ اس بارگاہ میں تو درد کا رونا روتا ہی تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں ایک روز کسی دوست کے مشورہ پر ایک فاضل حکیم قرشی صاحب کے پاس پہنچا۔ اس نے میرا ہاتھ نبض دیکھنے کے لیے جو پکڑا۔ میری آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔ وہ حکیم صاحب حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ آخر رونے کی کیا وجہ ہے۔ میں نے بتایا کہ یہ ہاتھ جس کے ہاتھ میں دیا ہوا ہے۔ اس کی ستم فلزینی تو دیکھئے۔ کہ اس ہاتھ کو عیروں کے ہاتھ میں پکڑائے

ہوئے ہے۔ حکیم صاحب کچھ نظر رکھتے تھے۔ فرمانے لگے کہ میں آپ کا علاج کرنے سے معذور ہوں۔ اس صاحب کرم کی طرف رجوع کرو۔ یہ درد پورے چار سال رہا۔ اس درد کے دوران آپ نے ایک اور کرم فرمائی کہی فرمانے لگے کہ سورۃ یوسف علیہ السلام حفظ کرو۔ اور اسے بطور وظیفہ پڑھا کرو۔ درد کی وجہ سے نیند تو آنی نہیں۔ درد کا کچھ فائدہ ہی اٹھاؤ۔ فرمانے لگے یہ ہمارے سلسلہ کا ایک سبق بھی ہے۔ چند دنوں میں میں نے سورۃ یاد کر لی۔ اور اسے حسب ارشاد پڑھنا بھی شروع کر دیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اس سورۃ میں گونا گوں کلفتوں کے علاوہ جیل خانہ کی چار دیواری بھی دکھنی ہے۔ میں تو مصر کی بادشاہت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ بڑے ذوق و شوق سے وظیفہ جاری رکھا۔ اس دفتر میں زندگی میں جو کام میرے سپرد تھا۔ اس سلسلہ میں مجھے سہ ماہ میں دو تین بار عدالت سرکار جانا پڑتا تھا۔ اس صاحب امر نے کچھ ایسا چکر چلایا کہ ایک مقدمہ میں ریلوے کی اپیل پر بڑی عدالت نے چھوٹی عدالت کے جج کو جس نے پہلا فیصلہ کیا تھا۔ نظر ثانی کے لیے مثل واپس بھیجی اور اسے اس کے غلط فیصلہ پر کچھ تنبیہ بھی کی۔ اس جج نے اپنا سارا غصہ مجھ پر نکالا۔ مجھے دو چار پیشیوں میں مجبور کرنا رہا۔ کہ بیان کا بوجھ میں خود اپنے ذمہ لوں جب میں نے انکار کیا تو اسی غصہ و غضب میں اس نے حکم دیا کہ اس مولوی کو ہتھکڑی لگا لو۔ میرے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگی ہوئی۔ میرے ساتھ دو پولیس کے سپاہی۔ میں سر اور پاؤں سے ننگا۔ مجھے پیدل عدالت عالیہ سے صنلع کچھری لے جا رہے ہیں۔

بیا جاناں تماشہ کن کہ در انبوه جانبازاں

بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم (عثمان ہارونی)

صنلع کچھری میں ایک تاریک سی کوٹھڑی میں جو پیشاب کے تعفن

سے بھری بڑی تھی۔ کوئی آدھ گھنٹہ ٹھہرانا پڑا۔ میرے ساتھ اور بھی ملزم تھے۔ خیر آدھ گھنٹہ بعد ہماری حاضری ہوئی اور ہمیں ایک بند گاڑی میں سنٹرل جیل پہنچایا گیا۔ تلاشی ہوئی۔ جو اٹیم سے بھرا ہوا اپنے حصہ کا کنبل اٹھایا۔ اور ایک بیرک میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا۔ جمعہ کا دن تھا۔ عصر کے وقت داخل ہوا۔ اور دوسرے دن عصر سے کچھ پہلے ہی ضمانت پر نجات ملی۔ یہ چوبیس گھنٹے جن میں ایک رات اور دو دنوں کے چھتے آتے ہیں میری زندگی کی عجیب گھڑیاں تھیں۔ ان ساعتوں میں جو کچھ مجھ پر گزری اور جو کچھ میں نے مشاہدہ کیا ایک علیحدہ طویل داستان ہے۔ میں اسے اپنی ابتلائے خوف کی انتہائی منزل سمجھتا ہوں جس وقت سے دونوں ہاتھ باندھے گئے تھے۔ اس وقت سے لیکر رہائی تک ہر سب سے صدائے استغفار سنائی دیتی تھی۔ مزے کی بات یہ تھی کہ ایک طرف سارے کے سارے محکمہ ریلوے میں میری اسیری کا شور مچ گیا اور دوسری طرف قلعہ حضرت صاحب نہایت خاموشی سے ایک دن پہلے ہی اپنے آبائی وطن سیالکوٹ تشریف لے گئے اور جاتی دفعہ اپنے چھوٹے صاحبزادے کو کہہ گئے کہ کل یہ واقعہ ہونا ہے۔ اگر بابو پوسٹن کے دفتر کے دوست یا اس کے گھر والے یہاں آئیں تو انہیں تسلی دیں۔ اور کہنا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ اختصار کے پیش نظر صرف ایک دو باتیں تحریر کر دیتا ہوں تاکہ شانِ قلندر کا تقصیر جیل کے اندر معلوم ہو جائے۔ اس ایک بیرک میں جہاں میری جگہ تھی۔ کوئی ڈیڑھ دو سو کے قریب افراد تھے۔ عشاء کے وقت انہوں نے اصرار کیا کہ یہاں نماز باجماعت ادا کی جائے۔ اور مجھ اسیر کو امام بنایا جائے۔ سب کے سب اپنے اپنے مقشروں پر باؤٹھ کھڑے ہو گئے اور میں نے عشاء کی جماعت کرائی۔ دوپہیے سے کوئی بولا کہ مولوی صاحب کوٹھی والوں کے لیے بھی دعا فرمائیں۔ اس کے کہنے سے میں سمجھ گیا کہ ان کی

مراد پھانسی والوں سے ہے۔ اس بیرک میں ایسے چار ملزم تھے۔ پہلوان قسم کے اور اپنے آپ کو حضرت شاہ محمد عوثؒ کے مجاوروں سے ظاہر کرتے تھے قبلہ حضرت صاحبؒ کا تصور کام آیا مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ چاروں بڑی ہو گئے۔ اور وہ مجھے دفتر ملنے بھی آئے۔ اجتماع صندیں تو ملاحظہ ہو کہ ایک طرف اسیری اور دوسری طرف صبح کا ناشتہ معزز بادام کی بردائی اور پرانٹھہ مشقت معاف جو کسی حالت میں بھی ایک حوالاتی سے اٹھ نہیں سکتی۔ اس جیل کے عرصہ میں جو کوئی بھی مجھے ملا اس نے یہی پوچھا کہ کس کے ملنے والے ہو۔ میری اسیری کے متعلق طرح طرح کے الزامات تراشے گئے۔ بہتر جانا کہ ملازمت چھوڑ دوں۔ قبلہ حضرت صاحبؒ سے عرض کیا تو فرمانے لگے۔ کہ اہل دنیا کی باتوں کو دل میں جگہ نہ دو۔ دفتر کے جس کونے میں بیٹھے کام کر رہے ہو۔ وہیں رہنا ہے۔ اور کام کرنا ہے۔ انشاء اللہ ہر چیز راست آئے گی۔ درخواست کی کم از کم اس بدگوہی سے انتقام لیا جائے جس نے بے گناہ کو زیر حراست رکھا۔ فرمانے لگے کہ فقیر کسی کے لیے بددعا نہیں کرتا۔ اور ہر امر رضا کے حوالے کر دیتا ہے۔ وادعی رضا میں اختیارات سلب ہوتے ہیں۔ رہائی کے دس دن بعد تاریخ پستی تھی جب حاضر عدالت ہوا۔ تو فاضل منصف نے بتایا کہ میرے مقدمہ کی کوئی مثل موصول نہیں ہوئی اور نہ ہی میرے خلاف کوئی مقدمہ ہے۔ اس دن سے ابھی تک ضمانت پر ہی رہا ہوں۔

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا

کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

آپکی ظاہری حیات طیبہ کے بعد خیال تھا کہ آزمائشوں والا چکر
شائد ختم ہو گیا۔ اور اب بشارت ہی بشارت ہوگی۔ ضمناً آپ کا ایک
قول جو آزمائشوں سے متعلق ہے۔ تخریر کئے دیتا ہوں۔ ایک دن کا ذکر

ہے۔ کہ آپ بابا غلام محمد ریٹائرڈ مسٹری جو آپ کا درویش تھا اور سارا دن بیٹھک میں رہتا تھا۔ میرے سامنے اسے فرما رہے تھے کہ بابا آپ نے سنا ہوگا کہ اگر ایک خشک مینڈک کو پیس کو اس کا برادہ ہلکی ہلکی بارش کے وقت زمین میں گرا دیا جائے تو ہر ذرہ چھوٹی چھوٹی مینڈکیاں کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جو اس بارش میں زمین پر پھدکتی دکھائی دیتی ہیں۔ بعینہ اگر ہم چاہیں تو کسی ایک سہروردی کو پیس کو روئے زمین پر بکھیر دیں جس سے لاکھوں کی تعداد میں سہروردی نظر آنے لگیں واقعہ یہ ہے کہ ابھی تک ہم نے کسی ایک کو پسپا نہیں کیا خیال ہے۔ میں دل ہی دل میں ڈر رہا تھا۔ خاموش رہا۔ چاہا کہ زبان سے کہلایا جائے کہ قبلہ پیس ڈالیں۔ حاضر ہوں۔ لیکن جرأت نہ ہوئی۔ خیر وقت گزر گیا۔ وصال کے بعد نئی آزمائشی گھڑیاں نمودار ہونے لگیں جن کے بیان سے سکوت اختیار کرنا ہی بہتر جانا۔ آزمائش۔ بلا۔ فتنہ۔ ابتلا یہ سب ہم معنی الفاظ ہیں۔ اپنی نوعیت میں عذاب، عقاب، عتاب سے ملتے ہیں۔ لیکن اپنے اندر ابتداء اور انتہا میں اختلاف رکھتے ہیں۔ پہلے قبیلہ کی علت نامعلوم اور انجام بخیر ہوتا ہے۔ جب کہ عذاب و عتاب وغیرہ کسی گناہ کی پاداش میں ہوتے ہیں۔ اور جن کا انجام رسوائی و سفلی ہوتا ہے۔ دورانِ آزمائش میں توفیقِ توبہ و استغفار شامل حال رہتی ہے لیکن عذاب میں یہ توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ اور اس کی جگہ شکوہ و شکایت حاصل کر لیتے ہیں۔ آزمائش ہو یا عذاب دونوں میں کسی کی مدد کام نہیں دیتی۔ ہاں آزمائش میں عوام الناس کی سہروردی اور اولی الامر حضرات کی طرف سے حوصلہ افزائی ضرور ہوتی ہے۔ جو دورانِ عذاب میں نہیں ہوتی آزمائش میں وارد ہونے والے افعال کے قرائن پکڑ میں آنے والے راہرو کی تسلی کا کبھی کبھی باعث بن جاتے ہیں۔ آزمائش کا بلا واسطہ تعلق حقیقت امر

سے ہوتا ہے۔ برعکس عذاب کے جو صاحبِ امر کی وساطت سے مل سکتا ہے۔ وجہ واضح ہے کہ آزمائش میں درجے بلند ہوتے ہیں۔ اس لیے درمیانی واسطوں کا انتقطاع ہوتا ہے۔ راہ سلوک میں خوف، جوع اور جان و مال مخرات کے نقصان لازمی طور پر آنے ہی ہیں۔ ان کو کوئی مہنہ نہیں روک سکتا اور ساتھ ہی ساتھ یہ ہر ایک کا نصیب مہنہ ہوتا کہ آزما یا جائے۔ یہ صاحبِ امر حضرات مچھو لوں کی خوشبو سونگھا کر کانٹوں میں الجھا دیتے ہیں۔ بی۔ بی۔ کی ڈیل روٹی جب نئی نئی پاکستان میں تیار ہونے لگی تو کسی دوست نے حضرت صاحب سے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سرکار یہ ڈیل روٹی کے ٹلفہ ٹکڑے اپنی ابتدائی حالت یعنی میدہ سے لیکر موجودہ حالت تک بغیر ہاتھ لگائے طیار ہوتے ہیں۔ میدہ والی پوری کو ایک جگہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مشینیں خود بخود اپنا کام کرتی ہیں۔ کہیں یہ میدہ گوندھا جاتا ہے۔ کہیں خمیر ہوتا ہے۔ کہیں پکتا ہے۔ اس طرح یہ مشینی چکروں سے گزرتا ہوا۔ قابل استعمال ٹکڑوں کی شکل اختیار کرتا ہے فرمانے لگے کہ راہِ طریقت میں بھی عین اسی طرح ایک صاحبِ امر کسی ارادتمند کو پکڑ میں لے لیتا ہے۔ یاس و ضرر اس کو خود بخود چھوٹنے لگتی ہیں۔ اور اسے خوب طرح سے چھنچھوڑا جاتا ہے۔ ملت ابراہیمی کا فرو بنانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں طرح طرح کے کلمات سے آزما یا جاتا ہے۔ جبکو پورا کرنے کے بعد امام الناس کہلانے کا حقدار ہوتا ہے یہ آزمائشی ستم گوارا کرنے ہی پڑتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کے سہارنے کی توفیق رفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔ مشکل تو یہ ہے کہ یہ اولی الامر حضرات کا گروہ سب میں ہوتے ہوئے کسی کے مہنہ ہوتے۔ ان واحد میں امید کو یاس سے اور یاس کو امید سے بدل ڈالتے ہیں۔ ان سے محبت کا دم بھرنے والے ایک ہی پرکھ میں دعوتِ محبت تو درکنار کسی ستم کے تعلق کا نام

تک نہیں لیتے۔ اللہ ان کی جوتیوں کے صدقے میں ان کی جوتیوں میں
جگہ دے۔ آمین

وسعت نظر

وہم و گمان سے بالا آپ کی نظر کی رسائی تھی۔ آئینہ مستقبل
میں حالات کا انکشاف ایسے بیان فرماتے جیسے گویا کہ مستقبل خود بخود حاضر
خدمت ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے بنگال میں میرے وطن ریاست
کیپور تھلہ کا ایک صاحب اسماعیل نامی بحیثیت پلٹیر (P.W.I) محکمہ ریلوے
میں ملازم تھا۔ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ ہونے کے باعث اسے دوسری
شادی کرنی پڑی۔ یہ دوسری عورت میری بیوی کی طرف سے اس کی
خالہ تھی۔ میں اور چند ساتھی اکٹھے ایک کرایہ کے مکان میں رہتے تھے
ایک شام ایسا ہوا کہ یہ دونوں عورتیں اولاد کی خواہش دل میں لیے ہوئے
ہمارے مکان پر آگئیں اور کہنے لگیں کہ ابھی ہمارے ساتھ قلعہ گوجر سنگھ
اپنے حضرت صاحب کی خدمت میں چلو ہم نے ان سے کچھ عرض کرنی
ہے۔ نماز مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔ میں نے اصرار کیا کہ اس وقت
قبلہ حضرت صاحب بیٹھک سے اوپر مکان میں تشریف لے گئے ہونگے
یہ ملنے کا مناسب وقت نہیں ہے۔ خالہ نے کہا کہ بے وقت آنے کی معافی
مانگ لیں گے۔ آپ کی طرف سے بھی معذرت خواہ ہوں گے کہ ہمارے
یہاں لانے میں ہم نے اس کا کوئی ارادہ نہیں پایا۔ کیونکہ ہمیں مکان کا پتہ
نہیں تھا۔ اس لیے اسے مجبور کر کے لایا گیا تھا۔ خیر ہم تینوں در اقدس پر
پہنچے۔ شام سو چکی تھی۔ میں بیٹھک میں رہا اور وہ دونوں عورتیں اوپر
مکان میں چلی گئی۔ میں نیچے بیٹھا ڈر رہا تھا کہ بے محل آنے پر شاید قبلہ

حضرت صاحبِ خفا ہوں۔ کوئی ادھ گھنٹہ کے بعد آپ اکیلے نیچے
تشریف لائے۔ فرمانے لگے کہ آپ کی خالہ اور دوسری عورت دونوں سے
بات چیت ہوئی ہے۔ میں نے نماز مغرب سے فارغ ہوتے ہی ان کو تسلی
دے دی کہ بے وقت آنے خیال نہ کریں۔ اور نہ یوسف صاحب کی طرف
سے معذرت چاہیں۔ میں نے آپ کو خود بلایا ہے۔ آج جندی کی اکیس تاریخ
ہے۔ آج رات میں نے آپ کے شوہر کو بنگال کی پہاڑیوں میں کار سمیت
گم کردہ راہ پایا۔ وہ شکار کے لیے باہر دوڑ پہاڑیوں میں نکل گئے تھے اور
راستہ بھول گئے تھے۔ تصدیق کے لیے انہیں خط لکھ کر دریافت کرنا کہ کیا
کوئی بزرگ آپ کو راستہ بتانے کے لیے آج رات فلاں جگہ لے۔ ان کے
پاس ایک بیٹری بھی تھی۔ جس کی روشنی میں انہوں نے مجھے دیکھا۔ رہا ان
کی اولاد والا معاملہ سو میں نے آپ کی خالہ کو بتا دیا ہے کہ اس کے لطن
سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوگی۔ دوسری عورت بانجھ ہو چکی ہے
اس سے کوئی اولاد نہیں ہوگی۔ کچھ دیر بعد دونوں عورتیں چائے وغیرہ پی
کر نیچے اتریں۔ واپسی پر انہوں نے سب کہانی سنائی اور کہا کہ آپ کے
حضرت صاحب نے ہمارے شوہر کی شکل، قدر، رنگ وغیرہ سب کچھ بتایا
ہے۔ خیر وہ خوش خوش واپس گاؤں چلی گئیں اور انہوں نے اپنے شوہر سے
قبلہ حضرت صاحب کی ملاقات بھی تصدیق کرائی۔ کچھ دیر بعد اسی سال
میں نے سنا کہ بنگال والے اسمیل صاحب کار کے حادثے سے جان بحق
ہو گئے ہیں۔ اظہارِ اسوس کے لیے ان عورتوں کے گھر پہنچا۔ ان کی حالت نار
دیکھ کر ترس آیا۔ قبلہ حضرت صاحب والی پیشگوئی رہ رہ کر ہم دونوں
دہیں اور خالہ کے دل و دماغ میں جگہ لیتی۔ لیکن وقت کی نزاکت نے
کچھ کہنے کی جرأت نہ دی۔ جلدی ہی پاکستان معرض وجود میں آیا۔
پہلی عورت راستے میں ہی شہید ہو گئی۔ اور یہ ہماری خالہ کراچی میں اپنے

بڑے بھائی کے ساتھ جو ریلوے میں آفیسر تھا رہنے لگی۔ کبھی کبھار لاہور
 اپنے دیگر رشتہ داروں کو ملنے آتی اور ہمیں بھی مل جاتی۔ قبلہ حضرت
 صاحب کا پوچھ لیتی۔ لیکن حاضر خدمت نہ ہوتی۔ ہمیں معلوم ہوا۔ کہ
 یہ عورت دوسری شادی کرانے سے سخت متنفر ہے۔ شوہر کی جائیداد سے کافی
 حصہ پا چکی تھی۔ اس لیے دنیاوی طور پر مطمئن نظر آتی تھی۔ پاکستان بنے
 سات اٹھ سال گزر چکے۔ خبر ملی کہ خالہ نے اپنے بھائی کے اصرار پر ایک
 اکونٹس آفیسر ریلوے سے نکاح کر لیا ہے۔ اس نکاح کے چالیس دن بعد
 خالہ کا بھائی انتقال کر گیا۔ یہ اب عثمان تبدیل ہو کر آئے تھے۔ میں پھر افسوس
 کے لیے گیا۔ اور خالہ کو اس کے نئے گھر میں ملا۔ اس نے اپنی دوبارہ شادی
 کی لمبی چوڑی داستان سنانی کہ کن مجبوریوں کے تحت اسے یہ نئی زندگی
 اختیار کرنی پڑی اور اشارۃً قبلہ حضرت صاحب کی پیشگوئی کا ذکر بھی
 کیا۔ اور دوبارہ حاضری دینے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ اتفاقاً خالہ کا شوہر
 تبدیل ہو کر لاہور آ گیا۔ اور ہمیں سے ریٹائر ہوا۔ منٹگری روڈ لاہور مکان
 الاٹ کرایا ہوا تھا۔ وہاں یہ جوڑا رہنے لگا۔ اللہ عزوجل نے پہلے بچی دی
 اور بعد میں لڑکا۔ اور یہ سب ڈرامہ قبلہ حضرت صاحب کی ظاہری زندگی
 میں ہی ہوا۔ آج کل خالہ اس کا شوہر اور یہ دونوں بچے جو دسویں جماعت
 کر چکے ہیں۔ اسی مکان واقع منٹگری روڈ رہائش پذیر ہیں۔ یہ تھی آپ کی
 وسعت نظری۔ احباب یہ پڑھ کر حیران ہوں گے۔ کہ اکثر اوقات آپ
 سائیں رحیم بخش صاحب دجال مجاور درگاہ شریف ہنجر وال، کی موجودگی
 میں مجھے فرمایا کرتے کہ یوسف صاحب سائیں صاحب کا خیال رکھنا۔
 ان سے سلسلہ کا کام لینا ہے۔ میں آپ کے اس فقرہ کے دونوں جملوں پر
 معترض ہوتا۔ عرض کرتا کہ میں خیال رکھنے والا کون ہوں۔ اور اس کا کیا
 خیال رکھ سکتا ہوں۔ دوسرے یہ ان پڑھ شخص سلسلہ کا کام کیا دے سکتا ہے،

یہ تعلیم سے بالکل کوراج ہے۔ اور آداب و اخلاق کی پختگی سے بھی محروم ہے۔ بھلا ایسے کو کونسا سلسلہ کا کام سونپا جاسکتا ہے۔ فرمایا آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ میں اس راز سے بالکل بے بہرہ تھا۔ خاموش رہتا۔ آپ کے نظر عالم سے چھپ جانے کے بعد جب سائیں صاحب نے منصب مجاوری سنبھالا تو یہ راز مجھ پر کھلا کہ واقعی آپ سے سلسلہ کا کام والیستہ ہے۔ تیرہ برس گزر چکے ہیں۔ سائیں صاحب سلسلہ منصبی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اتنے عظیم الشان روضہ کی ظاہری حفاظت، احباب کی حاضری کا اہتمام اور ان کی رہائش کی دیکھ بھال، عرائس کا مکمل انتظام، یہ سب سائیں صاحب ہی سرانجام دیتے ہیں۔ اور دوسرے احباب کی طرح جب اس سائیں صاحب نے دلکشی کا دم بھرا۔ دیار پاک کی سیر بھی کرادی۔ اور حاجی بن کر واپس آئے۔ محبت کام کر گئی اور بے مروت سامانی کچھ آڑے نہ آئی۔ یہ آپ کا خاصہ تھا کہ مدعی محبت کو اپنا اصلی وطن دکھا دیتے کسی دوست کو دیار پاک دکھانا مقصود ہوتا۔ اسے کسی نہ کسی چیلے بہانے پہنچا دیتے مجھے وہ وقت یاد ہے۔ جب ایک شام ہم چھ دوست (شاہ محمد صاحب، شیخ سراج دین صاحب، سید ممتاز حسین صاحب، چوہدری لال خان صاحب، میاں نظام دین صاحب اور میں) ایک شام حسن اتفاق سے صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم صیمنت لزوم کی جانب مسجد نبوی میں اکٹھے ہوئے۔ کیونکہ ایک ہی سلسلہ سے منسلک تھے قبلہ حضرت صاحب کا ذکر خیر شروع ہوا۔ میں نے ان دوستوں سے کہا کہ آپ ایک ایک کر کے اپنا اندازہ لگائیں اور بتائیں کہ کیا آپ میں سے کوئی بھی قرعہ اندازی کی بنا پر جو حکومت نے مقرر کی ہوئی ہے یہاں آیا ہے۔ سب نے حیران ہو کر نفی میں جواب دیا۔ اور کہا کہ جب قرعہ اندازی میں ناکامی ہوئی تو در اقدس پر حاضری دی۔ آپ نے ہر ایک کو یہی

فرمایا کہ کراچی چلے جاؤ۔ وہاں جا کر کوشش کرنا۔ اللہ عزوجل کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ انشاء اللہ کام بن جائے گا۔ ہم سب کے سب قبلہ حضرت صاحب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ حکومت کے بھیجے ہوئے نہیں۔ ہر دوست کی ارض مقدس حاضری کی ایک علیحدہ داستان تھی۔ عندی اللہ علیہ وسلم سچو سے نہیں ہے کچھ بعید۔ محمد کو ہو مصطفیٰ کی دید پھیلوں بدینہ پاک میں۔ جلد وہ آئے دن سعید میرا وہیں ہوا انتقال۔ مجلس شہروردیہ نورنبی کا ہے جمال۔ مجلس شہروردیہ (ریاض) قادین کرام سے التماس ہے کہ اس کتابچہ کو مطالعہ کرتے وقت اندھوں کا ہاتھی چھونے والی مثال جو کہیں پہلے لکھ چکا ہوں ذہن نشین رکھیں یہ ناممکن ہے۔ کہ قبلہ حضرت صاحب کی حیات طیبہ کا کوئی پہلو بھی مکمل طور پر بیان کر سکوں۔ بلکہ کوئی دوست بھی ایسا نہیں کر سکیں گے۔ وجہ وہی "شان امر" والی ہے۔ نہ یہ امر گھیرا جاسکے۔ اور نہ اعطاء تحریر میں آسکے مجھے بہت سے دوستوں نے زور دیا کہ قبلہ حضرت صاحب کے کاغذی نال واقعہ بھی تحریر میں لایا جائے۔ لیکن جیسے کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کتابچہ صرف آپ کی اس زندگی سے متعلق ہے۔ جو میں نے مشاہدہ کی۔ اور پھر یہ بھی ناممکن مجھے یقین واقع ہے کہ اس ہستی کی سوانح ایک نہیں لاکھوں کی تعداد میں طبع ہونگی۔ ہر ایک کا رنگ علیحدہ علیحدہ ہوگا۔ زمانہ دیکھے گا ہر آنے والا طالب راہ اپنی اپنی نسبت کی بناء پر ان کے کلام سے فیضیاب ہوگا۔ اور ان کے کلام کی تشریحات میں علیحدہ زور قلم آزمائے گا۔ موضع ہنجر وال مرکز انوار بنے گا۔ اور گنبد معلیٰ کو آبادی گھیرے گی۔ اولی الامر ہونے کی حیثیت سے آپ عوام الناس کے اعتراضات کا نشانہ بھی بنے جس طرف کسی کا دماغ گیا۔ وہی سمجھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ اعتراض

کو نئے والے کو چاہیے کہ پیر کا مقابلہ پیر سے کرے نہ کہ مرید سے بڑی
 بات تھی۔ اور یہ بولی بڑے حوصلہ اور خاص بھروسہ پر ماری جاسکتی ہے
 اکثر فرمایا کرتے کہ صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے محمد ابن عبد اللہ
 جانا کسی نے ابن عبد المطلب کہا۔ کسی نے نور چشم آمدنہ سمجھا کسی نے آپ کو
 امین و صادق کا خطاب دیا۔ کسی نے قریش مکہ کا جوان بتایا۔ کسی نے
 نبی اللہ و رسول اللہ مانا۔ اور اولی الامر حضرات کی افضل ترین جماعت
 کی طرف سے نور من نور اللہ کی صدا آئی۔ واقعہ یہ تھا کہ نبوت کا اپنا
 کوئی مقام نہیں تھا۔ بلکہ یہ مقام گر تھی۔ صدیق بناتی، فاروق پیدا کرتی
 غنا بخشی اور درجات و لائیت عطا فرماتی۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ قبلہ
 حضرت صاحب اپنے معمول کے مطابق چند دوستوں سے کوئی کلام فرما
 رہے تھے۔ کہ آپ کے کوئی پرانے ملنے والے مولوی صاحب بھی بیٹھا
 ہیں داخل ہوئے۔ اتفاق کی بات تھی کہ اس دن میرے سوا ساری محفل میں
 جو کرسیوں پر رونق افروز تھی۔ کوئی بھی بارش نہ تھا۔ مولوی صاحب
 نے سلام عرض کرنے کے بعد ایک خالی کرسی پر بیٹھے ہی سوال کیا کہ قبلہ
 کیا آپ کے حصہ یہ جماعت آئی ہے۔ جو میں سامنے دیکھ رہا ہوں۔ اور
 ان سانپوں کو دودھ پلا رہے ہو۔ جو کوٹ و پتلون میں ملبوس ہیں۔ آپ
 نے مسکراہٹ بھرے لہجے میں فرمایا۔ کہ ان سانپوں کے دانت نکال دیئے
 گئے ہیں۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ یہ جماعت بڑے کام کی ہے۔ یہ ایک راہ
 پر آیا ہوا اپنے کئی ماتحتوں کو راہ پر لاسکتا ہے۔ اور تبلیغ کا کام بڑے
 سہل اور احسن طریقوں پر سر انجام دیا جاسکتا ہے۔ آپ کی طرح نہیں
 کہ گاؤں کے ایک غریب کسان کو آٹے کا پٹیرا دم کر دیا۔ اس کی بھینس راس
 آگئی۔ اور آپ کی دو وقتی روٹی اس کسان کے گھر لگ گئی۔ اور ساری
 زندگی اس پر اکتفا کر بیٹھے۔ مولوی صاحب نے اپنے اعتراض کی معذرت

چاہی۔ اور آپ کے فرمان کا اعتراف کیا۔ دوران گفتگو میں ان مولوی صاحب نے بتایا کہ سرکار میں آپ کے فلاں فلاں مریدوں کو ملاہوں میں نے ان میں سے ہر ایک کو ایک علیحدہ کھلی کتاب پایا ہے۔

یہ آپ کا اعجاز تھا کہ محفل میں جب وعظ فرماتے تو سامعین نے ہمہ تن گوش بن جاتے۔ ساری کی ساری محفل اپنے تصرف میں لے لے ہوتے۔ دوستوں کے حال پر پورا قابو ہوتا۔ آپ کے دربار میں عرض حاجت کی چنداں ضرورت نہ ہوتی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک شام میں دفتری حالات سے افسر وہ حاضر خدمت ہوا۔ ساتھ والی مسجد میں نماز مغرب ادا کر کے جب پھر واپس آیا تو چوہدری امتیاز علی صاحب ڈپٹی ڈائریکٹر اگسائز (EXCISE) بھی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے قبلہ حضرت صاحب کے سامنے اپنے کسی افسر کی شکایات شروع کر دیں۔ ان کی کہانی اپنے افسر کے خلاف میرے دفتری واقعہ کے مشابہ تھی۔ اس لیے میں بھی بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔ جب چوہدری صاحب کہانی ختم کر چکے تو آپ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ صبح تک سب کام درست ہو جائے گا۔ وہ بڑے خوش ہوئے۔ ادھر میں اپنے دل ہی دل میں خیال کر رہا تھا۔ کہ وقت کافی ہو چکا ہے۔ اگر میں بھی اپنی دفتری شکایت چھیڑ دوں تو شاید خاطر اقدس پر گراں گزرے۔ آپ مسکرائے اور فرمانے لگے کہ یوسف صاحب آپ بھی تسلی رکھیں آپ کا کام بھی کل صبح آپ کی حسب منشا ہو جائے گا۔

عرض حاجت در حریم حرمت محتاج نیست
راہ کس مخفی نکند بر سر رخ رائے تو حافظ

کسی ایک اور شام انگریزی ماہ کی پہلی تاریخ تھی۔ سردیوں کے دن تھے۔ ان دنوں میری ماہوار تنخواہ - ۱۱۵ روپیہ تھی۔ میں نے تنخواہ لی شام کو معمول کے مطابق حاضر خدمت ہوا۔ دفتر سے قلعہ گوجر سنگھ تک اور

وہاں حاضر خدمت ہو کر بھی اپنی مفلسی کا احساس ہو رہا تھا۔ مغرب کے بعد میں آپ کے تخت پرش والی کرسی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اپنی اچکن کی داہنی جیب میں ایک روپیہ تنخواہ سے علیحدہ رکھ لیا تھا۔ اپنے داہنے ہاتھ کو جیب میں ڈالے ہوئے اور روپیہ کو ہاتھ میں پکڑے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ اتنی بڑی شخصیت جو میرے سامنے رونق افروز ہے اسے اتنا قلیل نذرانہ پیش کروں یا نہ کروں۔ دل و دماغ دونوں مجاہد کر رہے تھے۔ ادھر قلب حضرت صاحب کسی کتابت میں مشغول تھے۔ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ یوسف صاحب راہ خدا میں دیتے وقت قلت و کثرت کو ترک کرنا چاہیے۔ اللہ عز و جل خلوص و نیت کو دیکھتا ہے۔ مٹھی میں جیب کے اندر روپیہ تو پہلے ہی سے دبایا ہوا تھا۔ فوراً جیب سے ہاتھ باہر نکالا اور روپیہ پیش خدمت کر دیا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے اس حقیر نذرانہ کو قبول فرمایا۔ اور پھر کتابت میں مشغول ہو گئے۔ میں ذرا کھسیانا سا ہو کر واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ چند ساعت بعد میرا دل دھڑکنے لگا۔ اور مجھے ڈر محسوس ہونے لگا۔ چاہا کہ اجازت مانگ لوں اور باہر چلا جاؤں لیکن جرأت نہ ہوئی۔ میرے دل کی حالت بڑھتی گئی۔ خوف رقت میں تبدیل ہونے لگا۔ قریب تھا کہ دل کی کیفیت آنسوؤں کی شکل میں نظر آنے لگے۔ آپ لکھتے جا رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے کہ یوسف صاحب کا دل بہت ہی چھوٹا سا ہے اس میں کیا ڈالیں۔ توجہ اپنا کام کر چکی تھی۔ اور بیچ بویا جا چکا تھا۔ کافی رات ہو چکی تھی۔ گھر جانے کی اجازت ملی۔ اس بیخودی کے عالم میں سائیکل پر سوار ہوا۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ کہ میں ہوا میں اڑا جا رہا ہوں۔ گڑھی شاہو پولیس چوکی کے سامنے ایک سپاہی نے سیٹی دے کر مجھے سائیکل سے نیچے اترا ہی تھا کہ ایک نامعلوم مرد ثالث نے سپاہی کو زبردست

ڈانٹ دے کر کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ یہ سہ کار ہی آدمی ہے۔ اور مجھے کہنے لگے کہ آپ جائیں۔ میں اپنے اسی عالم میں سوار ہو گیا۔ گھر پہنچا۔ اپنے ہمسایہ دوست سے ملا۔ اس سے بھی میں نے بے معنی اور سبکی سبکی باتیں کیں اور بتایا کہ میں کل سے دفتر نہیں جا رہا۔ ملازمت وغیرہ ترک کر دی ہے۔ میں آزاد ہوں وغیرہ۔ اُس دوست نے میرے اندازِ بیان سے ورودِ کیفیت کا اندازہ لگایا۔ اور مجھے آرام کرنے کے لیے کہا۔ صبح جب اٹھا تو میں بالکل باہوش تھا۔ معمول کے مطابق دفتر گیا۔ قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ حیاتِ گڑھی سے توجہ کی قسمیں سُنی ہوئی تھیں کہ اتحادی۔ انصالی۔ انعکاسی و معکوسی وغیرہ ہوتی ہیں قبلہ حضرت صاحب نے یہ سب کی سب مشاہدہ کرادیں

ذمہ لایحزون کے سردار ہونے ہوئے اور اختیارات کا نلہ رکھتے ہوئے بھی وادئی رضا کے شہسوار رہے۔ فرمایا کرتے کہ فقیر کی زندگی کیا ہے کہ بیٹھنا اپنا نہ اٹھنا اپنا۔ نہ اسے ہونے کی خوشی نہ ناہونے کا غم۔ پہلے پہل تو میں آپ کے اُن الفاظ کو کہنے تک ہی تصور کیا کرتا۔ لیکن آپ کی صحبتِ فیضِ یاب کے اثر سے مشاہدہ کر لیا۔ کہ آپ ان الفاظ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ہیں۔ دوپہر کا وقت تھا۔ بیٹھک میں بھری محفل چھوڑ کر فوراً تخت پوش سے نیچے اترے۔ فرمانے لگے کہ میں ذرا اوپر ایک کام کے لیے جا رہا ہوں۔ ابھی واپس آیا۔ آپ تشریف رکھیں۔ ابھی آپ آخری سیڑھی پر ہی گئے ہوں گے کہ بیٹھک میں ایک خوبصورت نوجوان عورت جو گیان لباس پہنے اور ہاتھ میں اوسط درجہ کا عصا لیے ہوئے نمودار ہوئی۔ آتے ہی پوچھا کہ کہاں ہیں سرکار۔ اس عورت کی آنکھیں سُرخ تھیں۔ اور اندازِ خطاب حکمانہ۔ اُس کی اس بے باکانہ طرزِ کلام سے ہم سب دوست کچھ مرعوب سے ہو گئے۔ آخر

ایک نے جواب دیا کہ سرکار ابھی اوپر تشریف لے گئے ہیں۔ جلدی واپس آنے کو کہہ گئے ہیں۔ اس عورت نے یہ سنتے ہی فوراً سیڑھیوں کا رخ کیا اور بالا خانہ میں چلی گئی۔ وہاں بھی قبلہ حضرت صاحب کا پوچھا جواب ملا کہ نیچے ہیں۔ اوپر نہیں آئے۔ وہ عورت واپس جوش میں عصا کو سیڑھیوں سے ٹکراتی ہوئی بیٹھک میں داخل ہوئی اور کہنے لگی کہ میں اوپر دیکھ کر آئی ہوں وہاں کہیں نہیں ہیں۔ یہ کہتے ہی وہ باہر چلی گئی اور بازار کا رخ کیا جاتی دفعہ بولی کہ اچھا خیر پھر ملاقات ہو جائیگی۔ ابھی وہ بازار تک شاید ہی پہنچی ہوگی کہ قبلہ حضرت صاحب مسکراتے ہوئے سیڑھیوں سے واپس تشریف لے آئے۔ ہم سب حیران تھے۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اجنبی عورت آئی اوپر بھی گئی۔ ایک دوست نے عرض کیا کہ سرکار ایسے ایسے ایک عورت آئی تھی۔ بات کاٹ کر فرمانے لگے کہ رہنے دو۔ اس عورت کو بلنے کا حکم نہیں تھا۔ اسی لئے اسکی نظروں سے اوجھل ہونا پڑا۔ سبحان اللہ۔

جیسا کہ پہلے کہیں تحریر کر چکا ہوں آپ رسمی دعاؤں کے قائل نہ تھے۔ دعا کرانے والے کو خود دعا مانگنے کے لیے زیادہ تاکید کرتے اور فرماتے کہ آپکو میری نسبت زیادہ درد ہے۔ اسلئے آپ خود بھی دعا مانگیں۔ احباب اچھی طرح جانتے ہونگے کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب پر آپ ایک سالانہ جلسہ منعقد فرماتے۔ دُور دراز سے تمام احباب اس جلسہ میں شریک ہوتے۔ جلسہ ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ربیع الاول تین دن رہتا۔ رات کئی پچھلے پہر آپ کے ارشادات عالیہ کا جب وقت آتا تو محفل پر عجیب کیفیت ہوتی۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے اور مسنون دعاؤں کے علاوہ تقریباً ادھار وقت ہاتھ اٹھائے خاموش کھڑے رہتے۔ آپ کا یہ سکوت ہاتھ اٹھائے ہوئے کچھ ایسا سمان باندھتا کہ بارگاہ اینرڈی سے قبولیت اُترتی محسوس ہوتی اور احباب کی تھولیاں بھرتی جاتیں احباب تقریباً تقریباً سچان گئے

تھے۔ کہ اس دربار میں عرضِ دُعا کی حاجت نہیں۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ قبلہ آپ کی خدمت میں روزانہ ہر طرح کے آدمی آتے ہیں۔ اور دُعاؤں وغیرہ کی التجائیں بھی کرتے ہیں۔ آپ ان کی تسلی کے لیے یہ بھی فرما دیا کرتے ہیں کہ اچھا دُعا کریں گے۔ آپ فرمائیں کہ آپ ان کے لیے کیا اور کونسے وقت دُعا فرماتے ہیں۔ فرمانے لگے یوسف صاحب ساری عمر میں کبھی کسی کے لیے دُعا کی ہی نہیں۔ میں کچھ حیران سا ہو گیا کہ یہ کیا جواب ہے۔ فرمایا کہ بس اُس بارگاہِ معلّٰی میں صرف ایک ہی عرض کر چھوڑی ہے۔ اور وہ قبول ہو چکی ہے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ عرض کروں وہ کونسی دُعا ہے۔ جو ایک ہی دفعہ مانگے جانے کے بعد کافی ثابت ہوئی خود ہی فرمانے لگے کہ اللہ عزوجل قادر مطلق ہے۔ ہر ایک کی تقدیر ثبت ہو چکی ہے۔ اس کی رضا میں کسی کو ایک رائی برابر اختیار نہیں کہ کمی بیشی کر سکے۔ دینی و دنیوی ترقیاں سب لوح محفوظ پر قلمبند ہو چکی ہیں۔ اور وساطت بھی مقدر ہیں۔ ایک ہی دُعا جو اس بارگاہ میں کر دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یا اللہ مجھے اس گروہِ خلق کا واسطہ بنا۔ جن کی کامیابی و کامرانی تو اپنی رضا میں پہلے سے ہی مقدر کر چکا ہے۔ اس دروازہ پر صرف اس کو بھیجنے کی توفیق عطا فرما۔ جس کا کام تیری رضا میں ہونا ہے۔ نہ اس کو جس کے مقدر میں مخلوق لکھی جا چکی ہے۔ فرماتے کہ کیا کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم جو لوح محفوظ کو مثل کف دست مشاہدہ فرماتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ رضائے مولیٰ میں ایک ہی عمر کے نصیب میں دولت اسلام آئی ہے۔ تو بارگاہِ ایزدی میں دونوں ہاتھ اٹھائے دُعا مانگی کہ اے بارالہ ان دو عمروں میں سے ایک عمر کو اسلام لانے کی توفیق بخش۔ دونوں کو اس لیے نہ فرمایا کہ دیکھا ایک گیا تھا۔ دوسرے کو محروم پایا تھا۔ ان الذین کفروا وسواء علیہم اأخذتہم الخ

والا گروہ بھی ازل میں ہی ازل کا فرہونے کی وجہ سے مشاہدہ کرادیا گیا تھا
 تاکہ میرا محبوب انکے راہ راست پر نہ آنے سے بیدل نہ ہو جائے۔ تبلیغ کے
 مشن کو جاری رکھے۔ و لا اذخنة خيلك من الاواني کی شان پائے۔

جس طرح حقیقت امر کا کلام جامع ہے اور ہر رطب و یابس کو گھیرے ہوئے

ہے اسی طرح صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہر موضوع کا احاطہ کرتے
 ہوئے ہے اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی عملی حیات طیبہ زندگی کا ہر پہلو پیش کرتی
 ہے۔ میں نے یہ وصف قبلہ حضرت صاحب کی بیس سالہ صحبت میں پایا

کسی قسم کا مسئلہ ہو دینی ہو یا دنیاوی جب کبھی پیش آیا فوراً مرد قلندہ کے
 اسوۂ حسنہ کا خیال کیا یا اس مسئلہ میں آپ کے اس ارشاد کو یاد کیا جو اس اکھن
 سے متعلق ہو۔ فی الفور مشعل راہ بنا۔ چھوٹی چھوٹی روزمرہ کی باتیں اور

حرکات و سکنات سے لیکر انتہائی منازل زندگی تک آپ نے رہبری فرمائی
 بیٹھنا۔ اٹھنا۔ کھانا کھانے کے آداب لباس وغیرہ یہ سب کچھ آپ نے سکھایا
 دفتر زندگی میں عموماً ہر عقیدہ کے افراد ہوتے ہیں اور اکثر بخت و مباحثہ

کا بازار گرم رہتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مخالف کا جواب اپنے خیال سے
 نہ دیا کرو۔ بلکہ جواب کو حقیقت امر کے کلام سے ڈھونڈنے کی کوشش کیا کرو
 اگر اس میں تلاش نہ کر سکو تو صورت امر کے کلام یعنی حدیث شریف کی طرف

رجوع کرو۔ وہاں سے بھی نہ مل سکے تو بزرگوں کے اقوال جواب میں پیش
 کرو۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہر بد عقیدہ کا جواب ان تینوں میں ضرور پاؤ گے
 گفتگو میں آسانی اور میانہ روی برتو۔ آپ کا معمول تھا کہ جب کلام فرماتے

انداز نرم رکھتے معترض کا جواب اس کے سوال ہی سے نکال لیتے۔
 ایک روز ایک مرزائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کا نام
 دریافت فرمایا تو کہنے لگا آفتاب الدین فرمانے لگے کہ نام ہی غلط ہے

لفظ آفتاب جو فارسی زبان کا ہے اسے اصناف دیگر الدین جو عربی لفظ ہے

مرکب کیا گیا ہے۔ اس بچارے کی کوئی جرات نہ پڑی کہ کچھ آگے سوال کرے۔ اس طرح محرم کے ایام تھے۔ ایک شیعہ حضرت جو ساتھ والے بازار میں دوکاندار تھے۔ حاضر خدمت ہوا۔ ہاتھ میں ایک کانڈا لکڑا پکڑا ہوا تھا۔ سلام عرض کرنے کے بعد کہنے لگا۔ کہ قبلہ میں یہ ایک مرثیہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدح میں لکھ کر لایا ہوں سماعت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا شیخ صاحب رہنے دیجئے مرثیہ تو کسی موت پر ہوتا ہے۔ ہمارا حسین علیہ السلام زندہ ہے۔ کیونکہ شہید مریتا نہیں۔ شیخ صاحب خاموش ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ قبلہ آپ کے سامنے کچھ جواب بن نہیں پڑتا۔ مجھے ایک حدیث شریف یاد آگئی یحضور پر نور علیہ السلام نے ایک روز جماعت میں بجائے چار رکعت کے تین رکعت پر سلام پھیر دیا صحابہ کرم رضوان اللہ علیہ اجمعین میں سے ایک بولا۔ یا رسول اللہ آپ نے بجائے چار کے تین رکعت پڑھائی ہیں۔ کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم ہو گئی ہے آپ نے فرمایا کہ نہ میں بھولا ہوں نہ نماز کم ہوئی ہے۔ صحابہ کرام سب حیران ہو گئے۔ کہ پڑھی تین گئی ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ نماز نہ کم ہوئی ہے اور نہ ہی میں بھولا ہوں۔ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھولا نہیں ہوں بلکہ بھلا یا گیا ہوں تاکہ آپ کو تعلیم دوں کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے۔ پاکستان بننے کے بعد عید الفطر کی تقریب تقریباً سال متنازعہ فیہ رہی۔ رویت ہلال کا مسئلہ ۲۹ رمضان کے بعد گزرتا ہے پڑ جاتا۔ چند مولوی ایک طرف کہ آج عید ہے۔ دوسرا گروہ دوسری طرف کہ چاند دیکھا نہیں گیا۔ حکومت اپنا زور لگا رہی ہے کہ آج ہی عید کرو وغیرہ وغیرہ۔ ایک سال ایسا ہوا کہ حکومت کے کہنے پر عید یعنی پہلی شوال اسی روزے پورے کرنے کے بعد منانی قرار پائی۔ قلعہ گوجراننگھ کے پاس ہی شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ والی مسجد ہے۔ اتفاق سے قبلہ

حضرت صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ جم غفیر تھا۔ سب نے کہا کہ قبلہ
 عید کی نماز پڑھا دیں۔ مولوی تو کوئی آج کے دن پر رضا مند نہیں ہے
 حکومت کہہ رہی ہے کہ چاند فلاں فلاں جگہ دیکھا گیا۔ القصد قبلہ حضرت
 صاحب نے جماعت عید کرائی۔ دوسرے دن بھی عید منائی جانی تھی
 نماز عید سے فارغ ہو کر چند مولانا حضرت صاحب کے در اقدس پر
 تشریف لائے۔ میں بھی وہاں حاضر تھا۔ اور یہی عید کی باتیں ہو رہی تھیں
 انہوں نے سوال کیا کہ آپ نے کل عید کیسے پڑھ لی جب کہ رویت ہلال
 کے لیے کوئی شرعی حجت قائم نہیں ہو سکی۔ آپ نے فرمایا میں نے
 نماز عید نہیں پڑھی۔ میں پاس بیٹھا تھا۔ اور سن چکا تھا کہ کل آپ نے
 مسجد شاہ ابوالمعالیٰ نماز عید ادا کی ہے۔ میں حیران سا ہو گیا۔ پوچھنے والوں
 سے بھی نہ رہا گیا۔ سب نے کہا کیا شاہ ابوالمعالیٰ والی مسجد میں آپ نے
 نماز عید نہیں پڑھی۔ آپ نے پھر فرمایا کہ کہہ جو رہا ہوں کہ نہیں پڑھی ہو سکتا
 ہوئے زمانے لگے میں نے تو عید پڑھائی ہے۔ پڑھی نہیں اور اس کی تصحیح
 وغیرہ کا بار حکومت پر ہو گا۔ جس نے اعلان کرایا۔ مجھے فوراً حدیث
 مندرجہ بالا یاد آگئی۔ دل نے فتویٰ دیا کہ کیوں نہ ہو یہ کمال بیانی آخرنگ
 صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کا چڑھا ہوا ہے۔

ایک شام کا واقعہ ہے کہ نماز مغرب کے بعد میں اکیلا حاضر خدمت
 تھا۔ آپ تخت پوش پر رونق افروز تھے۔ میں میز کے ساتھ والی کرسی پر
 بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے میز پر سے ایک لفافہ (پوسٹل) اٹھایا۔ اور اس
 پر پتہ تحریر فرمایا۔ لفافہ کے ساتھ ہی میز پر ایک کتابچہ از قسم حامل تشریح
 پڑا ہوا تھا۔ آپ نے یہ کتابچہ کسی دوست کو پارسل کرنا تھا۔ اس کتاب
 کا سائز مشکل لفافہ کے برابر ہو گا۔ بلکہ یہ کتابچہ کچھ بڑا ہی معلوم ہوتا تھا۔
 نے اسے بھی اٹھایا۔ اور لفافہ کے اندر داخل کرنے کی سعی کی میں سامنے بیٹھا

خاموش دیکھ رہا تھا۔ آپ سر چنپسعی فرماتے لیکن کتابچہ لوجہ حسابت لٹافہ کو قبول نہ کرتا۔ لٹافہ میں کتابچہ کی کبھی اس طرف سے کبھی اس طرف سے سعی پیہم رائگاں معلوم ہوتی۔ لٹافہ کے کنارے پھٹے تو نہ لیکن پھٹنے سے یہ ہوتے۔ آپ پھر رکتے اور دوسری طرف کتابچہ لوٹا کر داخل کرتے۔ اس کش مکش میں کافی وقت گزر گیا۔ میں نے سامنے بیٹھے دل ہی دل میں خیال خام کیا کہ ایک مردِ کامل کا عمل چاہیے وہ عمل کتنا ہی قلیل ہو فضول نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ صاحبِ امر کی شان ہے کہ ناممکن و محال پر وقت ضائع کرے۔ ظاہری طور پر نہ میں قبلہ حضرت صاحب کی طرف متوجہ تھا۔ اور نہ آپ میری طرف۔ میرا یہ دل میں خیال ہی کرنا تھا۔ کہ آپ نے فرمایا اچھا یہ بات ہے تو لو پھر۔ اس کے ساتھ ہی کتابچہ دستِ اقدس کی ایک ہی جنبش سے لٹافہ کے اندر بالکل محفوظ تھا۔ ادھر میں اپنے ناپاک وسوسہ پر شرم سے ڈوبا جا رہا تھا۔ ادھر قبلہ حضرت صاحب لٹافہ کی گوندھ کو تر کر کے اسے بند کر رہے تھے۔ اور مسکرائے جاتے تھے۔ آپ کے اس چھوٹے سے فعل نے میری بدگمانی کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اور مجھ پر منع ہو گیا کہ صاحبِ امر کے لیے کوئی شے محال و ناممکن نہیں۔ لٹافہ میں کتابچہ کیا۔ یہ صاحبِ امر طاقت رکھتے ہیں کہ کوزہ میں دریا بند کر دیں۔ اور ابھی لبِ جام بھی تر نہ ہونے پائے۔

وسعتِ ظرف

شاید کہیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ صاحبِ امر بڑے صاحبِ ظرف ہوتے ہیں۔ عوام الناس کی طرح یہ پابند نہیں ہوتے۔ ان کی نظر بغیر شیں ہماری عبادتیں ہوتی ہیں۔ یہ مَادِصِيَّتٍ اِذْ دَمِيَّتٍ کی شان رکھنے

والے کے نکل میں پرورش پاتے ہیں۔ میں نے اپنے قبیلہ حضرت صاحبؑ
 کی ذات میں اس وسیع طرفی کی شان کا اکثر مشاہدہ کیا۔ کیونکہ ان اولی الامر
 حضرات کے ایسے افعال عوام الناس کے سامنے بطورِ حُجَّت پیش نہیں کئے
 جا سکتے کہ خلل کا اندیشہ لاحق ہے۔ صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں
 تاکہ احباب تازگی حاصل کریں۔ دفتر سے فارغ ہو کر معمول کے مطابق ہر
 روز حاضر خدمت تو ہوتا ہی تھا۔ اور اکثر اوقات اپنی سائیکل پر ایک اور
 دوست کو بھی بٹھالے جاتا۔ ایک شام جب دفتر بند ہوا۔ میں نے اپنے
 دوست بھائی سے کہا کہ ذرا ٹھہریں۔ قبیلہ حضرت صاحبؑ کے لیے چند سفید
 کاغذ بھی لیتے جائیں۔ تعویذ وغیرہ لکھنے کے کام آئیں گے۔ وہ مولف القلب
 بھائی ابھی نیا نیا سلسلہ میں داخل ہوا تھا۔ ظاہری شریعت پر سختی سے پابند
 تھا۔ میرے کاغذ سنہالنے کی ہی دیر تھی کہ اس نے مجھ پر برسنا شروع کر دیا
 اور حرام و حلال سب گن مارا۔ کہنے لگا کہ شرم کرو۔ پیر صاحب کو بھی لپیٹ
 میں لے کر ملوث کر رہے ہو۔ اور گورنمنٹ کے مال کی چوری کر کے کاغذوں
 کو بطور تعویذ استعمال کرتے ہو۔ مہللا ان تعویذوں کا کیا اثر ہو گا۔ وغیرہ وغیرہ
 ادھر وہ مجھے سنائے جا رہا تھا۔ ادھر میں اپنی عقیدت کے ماتحت اپنا کام
 کر چکا تھا۔ اسے سائیکل پر بٹھایا۔ اس سے کچھ نہ کیا۔ سارا راستہ قلعہ گوپونگ
 تک اس کی ہی سنتا گیا۔ جب در دولت پر پہنچے تو قبیلہ حضرت صاحبؑ
 بلیٹک میں نہ تھے۔ بلکہ اوپر گھر آرام فرما رہے تھے۔ اور ابھی نیچے تشریف
 نہ لائے تھے۔ ہم دونوں بھائی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ گرمیوں کے دن تھے۔
 نیچھا چلا یا۔ بھائی جان اب بھی وہی شرعی تیر چلا رہے تھے۔ اور میں
 خاموش سن رہا تھا۔ اتنے میں قبیلہ حضرت صاحبؑ کے سیڑھیوں سے اترنے
 کی آواز آئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے رخ انور کا رنگ متغیر سا ہے تشریف
 فرمائی کے فوراً بعد اس دوست کا نام لے کر بولے کہ آپ بتائیے کہ گدھا

کنوئیں میں گر جائے تو کیا اس کا پانی پاک رہے گا۔ ایسے مسائل بھائی صاحب کو پہلے ہی سے اذہر تھے۔ فوراً جواب دیا کہ سرکار کنواں بالکل ناپاک ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہی گدھا سمندر میں گر جائے تو پھر بھائی جان کچھ کھسیانے سے ہو گئے۔ اور جواب نہ دے سکے۔ نہ ہی انہوں نے فقہ میں یہ مسئلہ کبھی دیکھا تھا۔ قبلہ حضرت صاحب نے دوسرا سوال ساتھ ہی کر دیا فرمایا کہ تنور کا ایندھن اگر گھریلو چولہے میں ڈالا جائے تو کیا چولہا ثابت و سالم رہے گا۔ ساتھ ہی فرمایا دیکھو ہم سیاہ کسبل پوشوں کو داغوں کا ڈر نہیں۔ ڈر ہو گا آپ لوگوں کو جنہوں نے سینہ چادر اوڑھی ہوئی ہے۔ بھائی جان ہوش میں آئے۔ اپنے کہے پر نادم ہوئے اور منہسی کی بات ہے کہ جب دوسرے دن ہم دفتر سے قلعہ گوجر سنگھ روانہ ہونے کو تھے۔ تو آپ اصرار کر رہے تھے کہ کاغذ پینسل اور ربڑ وغیرہ قبلہ حضرت صاحب کے لیے آج بھی لے جائیں۔ انہیں ضرورت رہتی ہے۔ میں کل والی بات دہرا رہا تھا اور وہ زور دینے جا رہے تھے کہ اور بھی کچھ دفتر سے قبلہ گا ہی کے لیے لے جائیں۔

اتباع سنت

اجتماعِ صدیق کے پیش نظر اگر ایک طرف آپ سے ایسے افعال ظہور پذیر ہوتے جو عوام الناس کی نظر میں ظاہری شریعت پر پورے اُترتے دکھائی نہ دیتے تو دوسری طرف اتباعِ سنت میں وہ سنجلی دیکھی جاتی کہ آپ کی ہر ادا سنت صورتِ امرِ صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینہ دار ہوتی تیری کے دن تھے۔ قبلہ حضرت صاحب کا ذکر و رد زبان رہتا تھا۔ ایک ہفتہ کے روز دفتر میں چند کلرکوں سے جو راہِ طریقت سے بالکل بے بہرہ

تھے۔ قبلہ حضرت صاحب کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ میں آپ کے
 محاسن بیان کرتا۔ اور یہ مخالف جماعت آپ پر کیچڑ اچھالتی۔ کسی نے کہا
 دیکھا ہے۔ آپ کا پیر۔ عورتوں سے بغیر حجاب کے باتیں کرتا ہے۔ دوسرا
 بولا کہ اس کے سوا کہ اس نے تعویذوں کا کاروبار چلا یا ہوا ہے۔ اس کے
 پاس اور کچھ نہیں۔ کسی نے کہا کہ اس کے گھر کے ساتھ ہی مسجد ہے۔ لیکن
 نماز گھر میں ہی پڑھتا ہے۔ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی تکلیف گوارا
 نہیں ہوتی۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ میں نا جنسوں میں پھینسا ہوا خاموش
 ہو گیا۔ دل ہی دل میں ٹھان لیا کہ آج ہفتہ ہے۔ دفتر دوپہر کو بند ہو جائیگا
 سیدھا قبلہ حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں پہنچوں۔ اور انہیں جس
 حالت میں بھی پاؤں زبان اعتراض کھولوں۔ وہ ضرور سخت پوش پر رونق
 ہوں گے۔ جاتا ہی سوال کرونگا کہ کیا حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی
 تخت پوش پر رونق افروز ہوئے تھے۔ اگر کسی پر ہوں گے تو پھر بھی
 یہی اعتراض کرونگا۔ سائیکل پر سوار اکیلا دل میں بدگمانیاں لیے ہوئے
 قلعہ گوجہ سنگھ پہنچا۔ دیکھا کہ آپ بیٹھک میں پنکھے کے نیچے ایک چار پائی
 پر آرام فرما رہے ہیں۔ کرسیاں ایک طرف کی ہوئی ہیں۔ شمالاً جنوباً
 داہنی کروٹ لیے ہوئے۔ داہنا ہاتھ زیر سر کئے ہوئے۔ اور بائیں ہاتھ
 کوران پر رکھے ہوئے۔ چہرہ مبارک مشرقی دیوار کی طرف تھا۔ بابا غلام محمد
 آپ کا خادم آہستہ آہستہ دبا رہا تھا۔ میں نے ابھی اسی صبح مشکوٰۃ شریف
 سے یہی حدیث شریف پڑھی تھی کہ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم بند
 تھا۔ آپ چشمہائے ظاہر میں بند کئے ہوئے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے
 جب اپنے پیر بھائی کو دیکھو تو سمجھو کہ اپنے شیخ کو دیکھ رہے ہو۔ جب
 شیخ کو دیکھو تو یہ خیال کرو کہ گویا تم حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
 دیدار سے مشرف ہو رہے ہو۔ اور جب کبھی بلند سختی میں حضور علیہ السلام

کے آرام فرمانے کا انداز ایسا ہوتا ہے اس نظارہ کے ساتھ ہی بدگمانیاں تو دلہیز کے پیچھے کلی میں ہی رخصت کر دیں۔ آگے بڑھ کر قدم پوی کی
 آپ نے اس حالت میں مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یوسف صاحب سنت میں عین عین کیا کیا۔ بابا غلام محمد کیسی تھی بیٹھ گیا اور
 دبا مترواح کیسا ملیں بھی آہستہ آہستہ دبا کے جارہا

کا دیدار نصیب ہو تو جان کو کہ آپ حقیقتِ امر کے مشاہدہ میں غرق ہیں اس فرمان کے تحت میں آپ کو دبائے جا رہا تھا۔ اور خیال کر رہا تھا کہ میں حضور پر نورؐ کی خدمت پر معمور ہوں۔ میں نے دیکھا کہ آپ آنکھیں بند کئے ہوئے مسکرا رہے ہیں۔ فرمانے لگے بس یہی خیال درست ہے جو دل میں لئے ہو۔ اللہ جزا دے۔

آپ داد و ستد کے کھرے۔ حتیٰ کہ راہِ خدا میں خرچ کرتے وقت بھی مانگنے والے کی حیثیت کو دینے سے پہلے ہی ملاحظہ فرما لیتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک فقیر کندھے پر بھولا ڈالے ہوئے دروازہ پر آیا۔ کہنے لگا کہ راہِ خدا کچھ دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ کس خدا کی راہ میں چاہتے ہو فقیر بولا کیا دو خدا ہیں؟ فرمایا کہ مجھے تو دوسری معلوم ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس نے آپ کے کندھے پر سیروں بوجھ لادیا ہوا ہے۔ اور آپ کو در بدر مارے مارے پھرا رہا ہے اور ایک وہ جو مجھے یہاں بیٹھے بٹھائے دے رہا ہے۔ فقیر کچھ صاحبِ دل تھا۔ اندر داخل ہو گیا اور سامنے والے بڑے بیچ پر آسن مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کیں اور اپنے حال کی کند کو قبلہ حضرت صاحبؐ پر پھینکنا چاہا۔ قبلہ حضرت صاحبؐ فرمانے لگے کہ اس کند کا اثر میں محسوس کر رہا تھا۔ ادھر آپ نے بھی جوابی کارروائی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ جب اُس فقیر کی کند ٹوٹی تو معاً وہ بیچ سے معہ آٹے والے جھولے کے اٹا گر پڑا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کھڑا ہو کر دستِ بستہ عرض کرنے لگا۔ کہ سرکار میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس لباس میں جو معمول کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ فقیری نہ کریں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اپنا کام کرو۔ اور درویشوں کی جانچ پڑتال سے باز آؤ۔

کسی اور دن ایک فقیر دروازہ پر آیا۔ صدائیں دیتا رہا۔ لیکن آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ میں ساتھ والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور

اس انتظار میں تھا۔ کہ آپ جیب سے کچھ نکالیں گے۔ وہ پیسے میں فقیر کو دے آؤں گا۔ کافی دیر کے بعد بڑی مشکل سے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالتے ہوئے فرمانے لگے کہ اچھالے جاؤ آپ کو دینے کا حکم تو نہیں ہے۔ میں یہ کلام سن رہا تھا۔ ادھر یہ فقیر بھی جیب میں ہاتھ ڈالنے کے ساتھ ہی دروازہ سے ہٹ چکا تھا۔ آپ نے کچھ نقدی نکال کر مجھے دی اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ۔ اس فقیر کو ڈھونڈ کر دے آؤ۔ میں جھٹ گلی میں گیا۔ بازار تک دیکھا۔ وہ فقیر غائب تھا۔ میں نے وہ پیسے واپس لا کر حاضر خدمت کئے فرمایا اچھا ہوا۔ اس کو نہیں دینا تھا۔ اس طرح لینے کے معاملے میں بھی بڑی احتیاط برتتے۔ بادی النظر رکھنے والا معترض ہوتا کہ اتنی حیثیت کے مالک ہوتے ہوئے سودے میں اس قدر چھان بین کیوں کر رہے ہیں۔ ایک دن ایک بوڑھا آدمی کدوؤں کا ٹوکروں سر پر اٹھائے ہوئے صدائیں دیتا ہوا اس گلی سے گزرا۔ آپ نے دروازہ میں کھڑے ہو کر اس بوڑھے سے کدو لینے کو کہا۔ بوڑھے نے ٹوکروں زمین پر رکھا۔ اور کدو دکھانے شروع کر دیئے میں ساتھ کھڑا دیکھ رہا تھا۔ آپ کبھی کسی کدو کو اور کبھی کسی کو اٹھانے اس کی قیمت پوچھتے۔ اس زمانے میں درمیانے کدو کی قیمت ایک آنہ چھ پینسہ تھی۔ جب بابا چھ پیسے والا کدو دکھاتا تو آپ اسے ایک آنہ پر رضا مند کرنے کی کوشش کرتے۔ اور جب وہ ایک آنہ والا دکھاتا تو آپ دو پیسے فرماتے۔ میں دل ہی دل میں پاس کھڑا معترض تھا کہ آخر ایک آدمی پیسے کی کیا بات ہے۔ دوپہر کا وقت ہے۔ بوڑھا بیچارہ خبر نہیں کس مصیبت سے یہ پیشہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ پیسے ٹکے کی کمی بستی سے قبل حضرت صاحب کو کیا فرق پڑیگا۔ خیر آپ نے کدو خرید کر لیے۔ اور واپس تخت پوش پر رونق افروز ہو گئے۔ فرمانے لگے کہ دیکھو خواہ مخواہ کی بدگمانی دل میں نہ لایا کرو۔ آپ کو حدیث شریف یاد نہیں کہ سودے خریدتے وقت

تقاضا کیا کرو۔ یہ اچھا ہوتا ہے۔ میں شرمندہ ہو گیا۔ اور اپنے خیال کی
مذرت چاہی۔

بازار سے سووا منگوانا ہوتا تو بڑے اہتمام سے پیسے دیتے۔ نرخ و
جنس کی پوری تسلی فرماتے۔ اکثر اوقات دیکھا تھا۔ کہ مسئلہ کو بند فرما دیتے
اور حساب پورا لینے دینے کے بعد پھر مسئلہ شروع کرتے۔ نقدی عموماً رومال
کے ایک کونہ میں باندھی ہوتی۔ عجیب انداز سے گرہ کھولتے۔ آنہ کے کونوں
کو انگلی سے چھوتے ہوئے دیتے۔ صبح کا وقت تھا۔ اوپر سے بشیر د ملازم (لڑکا)
اُترا۔ ناشتہ کے لیے ایک انڈا اور درکار تھا۔ قبلہ حضرت صاحب سے پیسے
مانگے۔ آپ مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام والے تخت بلقیس کی تفسیر بیان
فرما رہے تھے۔ چن نے کہا کہ میں اس تخت کو آپ کا اجلاس ختم ہونے سے پہلے
لا سکتا ہوں۔ سلیمان علیہ السلام خاموش رہے۔ ایک اور صاحب امر بولا کہ
میں آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لا سکتا ہوں۔ چنانچہ تخت حاضر کیا گیا۔ فرما
رہے تھے۔ کہ صاحب امر کی خواہش کرنے سے پہلے ہی چیز موجود ہونی چاہیے
ان کا ارادہ وقت کا پابند نہیں ہوتا۔ ادھر ملازم پیسے لینے کے لیے ہاتھ بڑھا
رہا تھا۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ ایک ایک انڈا کیوں لا رہے ہو۔ ابھی جیب سے
رومال نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالا ہی تھا۔ کہ ایک شخص انڈوں کا کریٹ اٹھائے
حاضر خدمت ہوا۔ اس نے کریٹ قبلہ حضرت صاحب کے جوتوں کے پاس
رکھ کر سلام کیا۔ اور عرض کیا کہ یہ انڈے وزیر آباد والے پلٹیر صاحب
نے آپ کی خدمت میں بھیجے ہیں۔ مجھے فرمانے لگے کہ کریٹ پر سے کپڑا اٹھاؤ
حسب ارشاد کپڑا اٹھایا۔ کریٹ کو انڈوں سے بھرا پایا۔ آپ نے دیکھتے ہی
وہی حضرت سلیمان علیہ السلام والے الفاظ دہرائے۔ فرمایا ہذا من فضل دینی۔
بشیر کو کہنے لگے کہ تم ایک انڈا مانگتے تھے۔ ہمارے رب نے انڈوں کا کریٹ
بھیج دیا۔ سر پر اٹھاؤ اور اوپر لے جاؤ۔ مجھے انڈوں کے آنے سے اتنی حیرانی

نہ تھی۔ جتنی حیرانی کہ اس واقعہ کو تفسیر کی مطابقت سے ہوئی۔ خدا جانے آپ کس مقام پر فائز کلام فرما رہے تھے۔

دعوتِ طعام

حضر میں ہوں یا سفر میں جب کبھی بھی، کہا گیا کہ سرکار کھانا طیارہ ہے تو میں نے یہ فرماتے کبھی نہیں سنا کہ ذرا ٹھہر جائیں یا ابھی بھوک نہیں۔ میں آپ کا یہ فلسفہ نہ سمجھ سکا۔ آخر ایک روز مناسب موقع پا کر عرض کیا کہ آپ کھانے کی دعوت پر کبھی التواء نہیں فرماتے۔ تو فرمانے لگے کہ رزق کی دعوت منجانب اللہ ہوتی ہے۔ اسے نہ نہیں کرنی چاہیے۔ کھانے میں ہر نعمت پاتے ہوئے احتیاط برتتے۔ فرمایا کرتے کہ ہمارا حال تو ویسے رہا پہلے ملتا نہ تھا تو قناعت تھی۔ اب ملتا ہے تو کھا نہیں سکتے۔ دانت کمزور ہو چکے ہیں اور مرغین غذائیں ہضم نہیں ہو سکتیں۔ گرمیوں میں برف کا استعمال زیادہ کرتے۔ میز پر پانی والا گلاس برف سے ہی بھرا ہوتا۔ کئی ناواقف دیکھنے والوں کو حیرانی ہوتی کہ اتنا ٹھنڈا پانی کیسے نوش فرماتے ہیں مجرم راز اس ادا سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔

قطرہ دودِ دلِ حبا می بدریا انگنی

سینہ سوزاں دل تپاں ماہی ز آب آید بول

جب کبھی کوئی دوست کھانے کی دعوت دیتا۔ آپ قبول فرماتے

احباب شناسا تھے۔ کہ اس مہمان کے لیے جتنا بھی اہتمام کریں منظور ہے۔

اگر کوئی غیر شریک دعوت ہوتا۔ تو کوئی طرح کے وسوسوں کو دل میں جگہ

دیتا۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ایک ہمسایہ دوست نے اپنے ایام مفلسی میں آپ

کی ایک پُر تکلف دعوت کی۔ آپ تشریف لائے۔ چند ایک اور ہمسایہ

دوستوں نے جو میزبان کے رشتہ دار بھی تھے۔ دعوت میں شریک ہونے سے کسی ذاتی ناراضگی کی بناء پر انکار کر دیا۔ جس کی خبر قبلہ حضرت صاحبؒ کو بھی کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ شریک نہیں ہوتے تو انہیں رہنے دو۔ ان کو یہ علم نہیں کہ دعوتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہاں ذاتیات کا کوئی قصہ نہیں۔ جب سے مجھے پتہ چلا کہ آپ کی دعوت ایک خصوصی اہمیت رکھتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہاڑی میں آپ نے چند روز اپنے ایک دوست منیجر صاحب کے ہاں قیام فرمایا۔ میں ساتھ تھا۔ تینوں وقت بڑے اہتمام سے پرتکلف کھانا آنا۔ منیجر صاحب میرے پہلے سے ہی بے تکلف دوست بھی تھے۔ ایک شام ہم دونوں نے مشورہ کیا کہ روزانہ مرغ۔ پلاؤ۔ مکھن اور ملائی وغیرہ کھاتے پیٹ میں جلن سی محسوس کر رہے ہیں قبلہ حضرت صاحبؒ تو کھاتے وقت اعتدال برتتے ہیں اور بہت کم کھاتے ہیں۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کیوں نہ ہو کہ آج شام دال یا ساگ وغیرہ پکالیں تاکہ شکموں کی جدت کم ہو۔ ہم دونوں بھائی یہ مشورہ فیکٹری کے میدان میں ہی کھڑے کر رہے تھے۔ کہ دُور قبلہ حضرت صاحبؒ نے ہمیں اشارہ سے بلایا فرمانے لگے۔ کیا باتیں کر رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ قبلہ کھانے کے پروگرام میں تبدیلی کا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں کرنا۔ جس معیار پر پہلے کھانا طیار ہوتا ہے۔ وہی معیار رکھو۔ بلکہ اس سے بڑھاؤ۔ منیجر بھائی پہلے ہی کھلی طبیعت کا انسان تھا۔ فوراً قبلہ حضرت صاحبؒ کے سامنے ہی ایک ٹوکہ کو کہنے لگا۔ کہ بکری کے دو بچوں میں سے ایک بچہ ذبح کرو۔ اور گھر کہہ آؤ کہ یہ بچہ آج شام پلاؤ میں استعمال ہو گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میرے بتانے سے منیجر صاحب بھی جان گئے۔ کہ یہاں دعوتوں میں کچھ اور راز ہے۔ نری شکم پروری اور تنومند ہونا ہی مقصود نہیں۔ میں چونکہ اکثر قبلہ حضرت صاحبؒ کے ساتھ سفر میں ہوتا۔ ان دعوتی کیفیات کا علم و تجربہ مجھے کافی ہو گیا تھا۔ میں

نے ہر دعوت میں ایک نیارنگ پایا۔ میزبان نے جتنا زور مہمان کی دعوت
 پر لگایا۔ اس سے کئی گنا زائد میزبان نے فی الفور پایا۔ جس دوست کو بھی قبلہ
 حضرت صاحب کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا۔ وہ خوب جانتا ہے
 کہ یہ سودا کتنا سود مند رہتا تھا۔ کار پر سوار و گاڑی میلسی۔ ٹبہ سلطانپور ہوتے
 ہوئے ایک دفعہ آپ نے ملتان شریف ایک انجنیئر دوست کے ہاں بھی
 ایک رات ٹھہرنے کا ارادہ فرمایا۔ انجنیئر صاحب کو اس آمد کی پہلے سے کوئی
 اطلاع نہ تھی۔ کار مل کے بڑے دروازہ کے سامنے کھڑی ہوئی۔ ہم اترے
 چونکہ کیدار کو کہا کہ اندر سے انجنیئر صاحب کو پیغام دو کہ قبلہ حضرت صاحب
 شریف لائے ہیں۔ انجنیئر صاحب دروازہ پر آئے۔ قبلہ حضرت صاحب کو
 ملے اور بعد میں مجھے ملتے وقت آہستہ سے کان میں کہا کہ آپ نے قبلہ حضرت
 صاحب کو لا کر یہ کیا ستم ڈھایا ہے۔ میں آج شام بذریعہ ریل گاڑی پشاور
 والی فلور مل میں جا رہا ہوں۔ مالکان مل کی طرف سے پرسوں کا حکم پہنچ
 چکا ہے۔ خیر بھی باتیں کرتے ہم انجنیئر صاحب کے مکان تک آگے
 دیکھا کہ دو چار بستریں بند میں لپیٹے ہوئے ہیں۔ ایک دو چار پانی کھڑی
 کی ہوئی ہیں۔ دوسری کمرے میں بچے درہی بچھا کر بیٹھ رہے ہیں۔ اور
 وقت کے انتظار میں ہیں کہ کب ٹانگہ آئے اور ریلوے اسٹیشن پر
 پہنچیں تاکہ بروقت پشاور والی گاڑی سوار ہو جائیں۔ انجنیئر صاحب
 نے ایک چار پائی قبلہ حضرت صاحب کے لیے بچھا دی۔ ماحول کا
 اندازہ جتنا احساس سے ہو سکتا ہے۔ اتنا بیان سے نہیں ہو سکتا
 میری حیرانی تو ایک فاصلہ حقیقت رکھتی تھی۔ انجنیئر صاحب کا
 حال قابل دید تھا۔ تبدیلی اس کے لیے سولان روح بن چکی تھی۔ قبلہ
 حضرت صاحب نے بڑے اطمینان سے پوچھا پوچھ رہی صاحب کیا
 بات ہے۔ انجنیئر صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ ملتان شریف

کا دانہ پانی اُن کے لیے ختم ہو چکا ہے۔ فرمانے لگے بستر کھولو اور گھر میں کہو کہ کھانا تیار کریں۔ آپ نے کہیں نہیں جانا۔ اسی مل میں رہنا۔ انجنیر صاحب کا خوشی سے چہرہ کا رنگ بدلا۔ حسب ارشاد کھانا تیار کیا گیا۔ ابھی منیر پر کھانا پُچھا ہی جا رہا تھا کہ ایک نامہ رساں تار والا لفافہ لے آیا۔ لفافہ کھولا۔ یہ تار بالکان مل کی طرف سے لاہور سے آیا تھا۔ جس میں درج تھا کہ تبدیلی کا حکم ثانی معطل سمجھی جائے۔ انجنیر صاحب اور اُن کے گھر والوں کی جان میں جان آئی۔ سب کے سب قبلہ حضرت صاحب پر خدا ہورہے تھے۔ سرشام ہی ملتان شریف کے مشہور تھالفت چادریں تیل وغیرہ انجنیر صاحب کی طرف سے قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوتی شروع ہو گئیں۔

چونکہ مضمون دعوتوں کا چھڑ چکا ہے۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ ایک آدھ اور واقعہ لکھ دوں اور ہر واقعہ کا سبق احباب کے فہم رساں پر چھوڑوں ہیں ایک سفر میں شاید کراچی سے واپس قبلہ حضرت صاحب کے ساتھ آ رہا تھا ساہیوال ریلوے اسٹیشن پر جب گاڑی کھڑی ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے لیے ایک گلاس پانی سامنے والے تل سے لاؤ۔ میں گلاس لے کر پانی لینے جا رہا تھا۔ کہ ایک شخص نے مجھے روکا۔ اور کہنے لگا کہ پانی رہنے دیجئے۔ میں قبلہ حضرت صاحب کے لیے بوتل لاتا ہوں۔ یہ شخص اُس ڈبہ میں کہیں ہمارے پاس بیٹھا تھا۔ اور قبلہ حضرت صاحب کے کلام سے مخطوط ہو چکا تھا۔ میں نے اُس کی نہ مانی۔ خیر وہ شخص کچھ میری سونت کلامی سے مرعوب سا ہو گیا۔ اور واپس میرے ساتھ ہی ڈبہ میں آ گیا۔ قبلہ حضرت صاحب نے پانی کا گلاس ہاتھ میں لیے پوچھا کہ یہ نوجوان کیا کہہ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا آپ کے لیے بوتل لانی چاہتا تھا۔ میں نے اچھی طرح روک دیا۔ کہ آپ خواہ مخواہ پیو میرے ہیں آ رہے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحب فرمانے لگے کہ کیا

یہ شخص ہمارا واقف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا تو پھر آپ نے اسے بوتل لانے سے کیوں منع کیا۔ یہ نوجوان تو اپنا سودا اپنے رت سے کر رہا تھا۔ آپ کیوں دخل انداز ہوئے۔ اسے فرمایا کہ جاؤ بھیجی اپنی خواہش پوری کرو۔ وہ نوجوان خوش خوش گیا۔ اور بوتل قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ جن دوستوں کی اصلاح مقصود ہوتی یا ان کو کسی خاص طریق پر لانا ہوتا تو آپ ان سے زبردستی بھی خراج مال وصول فرماتے کسی عید الضحیٰ کے دوسرے دن ہیں صبح صبح سلام کے لیے حاضر خدمت ہوا آپ تھے۔ اور ساتھ والی کرسی پر مولانا مہر دین صاحب فاضل اجل بھی تشریف فرما تھے۔ دست بوسی کے بعد میں اٹھی کرسی پر بیٹھا بھی نہ تھا کہ فرمانے لگے۔ کہ کل عید کے بعد آپ کیوں نہیں آئے۔ اور ہمارا حصہ کیوں نہیں لائے۔ گوشت کی دان وغیرہ۔ میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ کل عید کا دن تھا۔ گوشت وغیرہ بناتے وقت نہ مل سکا۔ دوسرے آپ نے خود دُنبہ قربان کیا ہے۔ اس لیے آپ کو دان وغیرہ پہنچانے کا خیال نہ آسکا آپ نے بڑی بے تکلفی سے فرمایا کہ یہ بات نہیں۔ اچھا اس کا جرمانہ ادا کرو۔ میں بڑا حیران تھا کہ اتنے بڑے عالم و فاضل کے سامنے میرے ساتھ یہ کیسی گفتگو ہو رہی ہے۔ یہ مولانا صاحب کیا خیال کرتے ہوں گے لیکن وہ خاموش ایک اپنی تازی تصنیف شدہ کتاب "رد و افض" ہاتھ میں لیے ہوئے ہماری گفتگو سن رہے تھے۔ میں نے کھڑے کھڑے اپنے تھیلے سے بٹوایا۔ پانچ روپے روپے والے نئے نوٹ جو میں نے واپسی پر گھر مٹھائی لے جانے کیلئے رکھے تھے نکالے۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ میں نے کانپتے ہوئے وہ پانچوں نوٹ تخت پوش پر قبلہ حضرت صاحب کے قدموں کے پاس رکھ دیئے۔ اس تھر تھرا ہٹ میں میرے ہاتھ سے خالی بٹوا فرش پر آپ کی پا پوش مبارک کے قریب جاگرا۔ دل میں خیال آ رہا تھا کہ آج بٹو

خالی ہو گیا ہے۔ پہلے تو کبھی قبلہ حضرت صاحب نے ایسا انداز نہیں برتا۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ دراصل رزق کی فراوانی آج سے شروع ہو گئی ہے وہی پر ریلوے ہیڈ کوارٹرز کے قریب مجھے ایک صاحب ملے۔ جنہوں نے میرے بلیں روپے دینے تھے۔ انہوں نے یہ رقم ادا کی۔ جس سے میرا مٹھائی والا پروگرام بھی بحال رہا۔ اور وہ دن جائے اور آج کا آئے۔ کبھی قلمت رزق کا خیال تک بھی دل میں نہیں گزرا۔

راہبر علمائے کرام

مولانا مہر دین صاحب مدظلہ کی حاضری میرے لیے ایک لطیف نکتہ بحث گئی۔ انہوں نے بیان کردہ کتاب قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا تھا۔ کہ قبلہ میں یہ کتاب تو لکھ چکا ہوں اور طبع بھی کرائی جا چکی ہے۔ لیکن یہ کوئی اتنی مقبول نہیں ہوئی۔ آپ کتابیں چھپواتے ہیں۔ اور وہ ہاتھوں ہاتھ بک جاتی ہیں۔ آپ مسکراتے اور فرمایا کہ مولانا صاحب کتاب کے ساتھ پڑھنے والوں کو روشنی بھی عطا فرماؤ۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے۔ تو نرہی کتاب کیا کرے گی۔ "لقد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین" کے تحت فرمایا کہ جب تک نور والی بات نہ ہوگی۔ کوئی دل کتاب سے موثر نہیں ہوگا۔ مولانا مہر دین صاحب کے علاوہ اور بڑے بڑے چوٹی کے عالم بھی آپ سے فیض یاب ہوئے۔ اپنے جلسوں میں قبلہ حضرت صاحب کو کرسی صدارت پر بٹھاتے۔ تقریب کے دوران میں قبلہ حضرت صاحب کی طرف رخ پھیر کر آپ سے مسئلہ کی تصدیق چاہتے۔ اگر انہیں کوئی الجھن آتی تو قبلہ حضرت صاحب سے حل حاصل کراتے۔ مجھے یاد ہے کہ ابھی نیا نیا پاکستان بنا تھا۔ ایک دن حضرت پیر امانت علی شاہ

صاحبِ چشتی رحمۃ اللہ علیہ حاضر خدمت ہوئے اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی
 قیادت پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ اس کی وضع قطع۔ اُس کے لباس اور
 اس کے عقیدہ پر تنقید کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ایسے شخص کی قیادت مسلمانانِ
 پاکستان کے لیے انجامِ بخیر نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ شاہ صاحب ایک سوال
 کا جواب دیجیئے۔ فرض کریں کہ آپ اس گلی سے گزر رہے ہیں۔ کچھ دور جاتے
 کے بعد آپ کی گلی کی نالیاں صاف کرنے والا جمہدار اپنے پھٹے پڑانے کپڑے
 پہنے ہوئے اور کچھ بھرے ہاتھوں سے آپ کا دامن تمام لیتا ہے۔ اور کہتا
 ہے کہ مولانا صاحب آگے نہ بڑھیں۔ وہ دیکھو ایک اڑدھا سامنے کی نالی
 کی موری سے ہرنکالے ہوئے ہے۔ اگر اس نالی پر سے گزریں گے۔ تو نقصان
 ہوگا۔ آپ دور سے ہی اڑدھا کو دیکھ کر اس جمہدار کا ضرور شکریہ ادا کریں گے
 اس وقت نہ آپ کا خیال اُس کے پھٹے پڑانے کپڑوں کی طرف ہوگا۔ نہ
 کچھ بھرے ہاتھوں کی طرف جس خطرۂ عظیم سے اس جمہدار نے آپ کو
 اطلاع دی ہے۔ اُس کے مقابل میں اُس کے تمام تر عیوب آپ کی نظر
 میں کالعدم ہوں گے۔ ہندو قوم نے مسلمانوں کا نشان مٹانے کے لیے جو منصوبہ
 طیار کر رکھے ہیں۔ ان سے محمد علی جناح نے آگاہ کر دیا۔ شاہ صاحب کو
 آپ کے کلام سے تسلی ہوئی۔ اور قائدِ اعظم زندہ باد کے زمرہ میں شمولیت
 فرمائی۔ کسی عالم کی تشبیہ مقصود ہوتی تو اس کا اندازہ بھی ایک نرالا نکالتے
 ایک صبح آپ ٹانگے پر سوار دہلی دروازہ کے قریب سے گزر رہے تھے۔
 دیکھا کہ مولانا ابوالحسنات محمد احمد (بھیا صاحب) عالم ابن عالم اور
 شیخ الحدیث قبلہ ابوالبرکات سیّد احمد صاحب مدظلہ کے بھائی بغل میں
 ایک موٹی سی مثل دباے دہلی دروازہ کے موڑ پر کھڑے ہیں اور ایسا معلوم
 ہوتا تھا کہ کسی کے انتظار میں ہیں۔ یہ دن قادیانی تحریک کے تھے۔ اور
 بڑے بڑے خود غرض سرمایہ داروں نے علماء کی جماعت کو مرزائیوں کے

خلاف آمد کار بنا رکھا تھا۔ بھیا صاحب کو اس طرح کھڑے دیکھ کر قبلہ حضرت صاحب نے مرزا صاحب کو ٹانگہ کھڑا کرنے کا کہا۔ ٹانگہ عین بھیا صاحب کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔ قبلہ حضرت صاحب اور بھیا صاحب آپس میں بے تکلف دوست بھی تھے۔ اور دونوں اکٹھے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ چکے تھے۔ قبلہ حضرت صاحب نے پوچھا۔ مولانا صاحب کدھر کا ارادہ ہے۔ بھیا صاحب بولے کہ ذرا ڈیڑھی کمشنر کی کوٹھی تک جانا ہے۔ کسی ٹانگے یا بس کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ نے شکرانے ہوئے فرمایا بہت خوب ذرا دیر سے ہوش آیا ہے۔ باقی پارٹیاں تو اپنی جلب منفعت حاصل کرنے کے لیے دوڑ لگا کر بہت آگے نکل چکی ہیں پتھر کوئی بات نہیں مولوی ہونا! ان سے مل جاؤ گے۔ بلکہ سبقت لے جاؤ گے۔ بھیا صاحب کچھ کھسیانے سے ہو کر بولے کہ صوفی صاحب آپ ایسے ہی مذاق کرتے رہے۔ کیا کریں ان کے ساتھ ملنا پڑتا ہے۔

بہنیں تیسرا نشین قصر سلطانی کہ گہند پر
 تو شاہین ہے بسیرا کہ پہاڑوں کی چٹانوں پر (اقبال)

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سالانہ اجلاس میں آپ بڑے بڑے جید علماء کو دعوت دینے احباب اچھی طرح واقف ہیں کہ جو عالم بھی سٹیج پر آنا اپنی تقریر کے آغاز میں قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں اپنا نیا پلٹ کر کرنا اور دوران تقریر میں آپ کی توجہ خاص کا مستحق رہتا۔ جتنا آپ اُسے چلاتے وہ چلتا۔ کئی ایک مقرر تو اپنے نفس مضمون کو قبلہ حضرت صاحب کی بیان کردہ تصانیف سے ہی اخذ کر لیتے۔ اور اسی کو جلسہ میں پیش کر دیتے۔ تاکہ کہیں اکھڑنے کا موقع ہی نہ آئے۔ آپ عالم کی قدر فرماتے جلسہ میں تقریر ختم کرنے کے بعد اگر کوئی عالم آپ سے رخصت طلب کرتا تو آپ مجھے اشارہ اس کی خدمت کے لیے اس کے پیچھے بھیجتے۔ اس موقع

کی مناسبت پر اس عالم کی سواری وغیرہ کا انتظام کرتا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ صدر مدرس نعمانیہ جو کہ تقسیم پاکستان کے بعد ہندوستان سے آکر اس عہدہ پر فائز ہوئے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے صبح کا وقت تھا۔ میں اور ایک اور دوست عرفانی صاحب موجود تھے وہ صدر مدرس انڈر تشریف لائے۔ تو آپ تخت پوش سے اتر کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور مصافحہ لیا۔ آپ کے کھڑے ہونے سے آنے والے کی قدر و منزلت بھی معلوم ہو گئی۔ وہ صاحب کسی حکم کے ماتحت آپ تک پہنچے تھے۔ اور اپنا پیغام لینے آئے تھے۔ قبلہ حضرت صاحب نے اہمیت سے ان کا پیغام ان تک پہنچایا جس کے لیتے ہی وہ صاحب اجازت طلب کر کے واپس تشریف لے گئے۔ ہمیں بعد میں بتایا کہ یہ صاحب صدر مدرس نعمانیہ ہیں۔ ان کو بلایا گیا تھا۔ تاکہ ان کی امانت انہیں دی جائے

ترتیب تصانیف

عمر شریف کے آخری حصہ میں آپ تقاریب کا سلسلہ قطع کر چکے تھے اس کی بجائے آتش عشق کو روشنائی کا جامہ پہنا کر صفحہ قرطاس پر نمودار کیا۔ علم دوست احباب نے آپ کے کلام میں عواصی کی۔ اور اپنے کلام میں بطور محبت ان کتابوں کا حوالہ دینا شروع کیا جو آپ کی تصنیف شدہ ہیں۔ تصانیف کتب آپ کے اہم کارناموں سے ایک ہے۔ کسی دوست نے بھی آپ کو کتاب کا مسودہ لکھتے نہیں پایا۔ دن میں آپ کے لیے کوئی ایسا وقت نہ تھا۔ جس میں کچھ لکھا جاسکے۔ فرماتے تھے کہ نماز فجر سے پہلے ایک آدھ گھنٹہ لکھنے کو مل جاتا ہے۔ تین چار پنسلیں گھڑ کر سامنے رکھ لیتا ہوں۔ اور ایک کیف کے ماتحت لکھے جا رہے ہوں۔ ایک پنسل کا سر منہ

ہونے پر دوسری اٹھا لیتا ہوں۔ تسلسل اپنے آپ قائم رہتا ہے۔ ایک دفعہ
 آپ شرح قصیدہ غوثیہ کا مسودہ لکھ رہے تھے کہ کسی جگہ حضرت داتا گنج بخش
 رحمۃ اللہ علیہ کے قول نقل کرنے کی ضرورت پڑی۔ آپ نے جب ان کا
 کلام نقل فرمایا۔ تو غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 فی الواقع سامنے تشریف لے آئے۔ فرمانے لگے کہ کسی کا قول نقل کرتے وقت
 پورا پورا حوالہ بھی ساتھ دے دیا کریں یعنی کس کا قول ہے۔ کس کتاب میں
 ہے۔ اور کون سے صفحہ وغیرہ پر۔ قبلہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ آپ کی
 تشریف آوری پر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اللہ عزوجل کا
 شکر گزار ہوا کہ میری کتاب سیدی غوث الثقلین کی نگرانی میں لکھی جا رہی
 ہے۔ اس طرح دعائے معنی میں جو حضرت اولیس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
 منسوب ہے بہت سے اشعار کی تصحیح بنفس نفیس حضرت اولیس قرنی رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ نے فرمائی۔ اور کیوں نہ ہو۔ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے
 مرتبہ قلندری جو ملنے والا تھا۔ اس کی پیش قدمی کے لیے اولیاء و اصفیاء آپ
 کی ہر طرح سے اعانت فرماتے رہے۔ یہ دونوں تصانیف آپ کے زمانہ
 اول سے متعلق ہیں۔ آپ کی تصانیف کی ترتیب ہی آپ کے بلندی درجات
 کی آئینہ دار ہے۔ وادی فقر کی پہنائیوں میں گم ہوئے تو کتاب الفقر مخزی
 لکھ دی۔ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کی خلعت زیب تن کی تو کتاب
 "جمال رسول" صلی اللہ علیہ وسلم ظہور میں آئی۔ اس خلعت نے جو حقیقت امر
 سے شناسا کرایا تو "جمال الہی" عزوجل کو کتابی رنگ دیدیا۔ جس مقام پر
 فائز اس کی بات کی۔ نہ پہلے آگے بڑھے اور نہ آگے بڑھ کر پیچھے آئے۔

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے

فرمایا کرتے تھے کہ جس انداز سے کتاب لکھی جاتی ہے اگر اسے اسی
 انداز و ماحول میں پڑھا جائے تو سود مند ہے ورنہ نہیں۔ آپ کی پینل سے

تحریر منشیانہ اور شکستہ تھی۔ جیسے عدالتی محرموں کی ہوتی ہے مجھے اپنے والد ماجد کی طرف سے جو عدالت میں ناظر رہ چکے تھے۔ ایسی تحریر پڑھنے کا حکم حاصل تھا۔ عموماً نماز مغرب کے بعد قبلہ حضرت صاحبؑ بالا خانہ سے کسی کتاب کا مسودہ ساتھ لے آتے اور مجھے پڑھنے کے لیے فرماتے ہیں پڑھتا جاتا اور ساتھ ساتھ آپ کے چہرہ انور کی کیفیات کا مشاہدہ بھی کرتا جاتا۔ اگر میں کہیں رک جاتا یا تسلسل توڑتا تو یہ آپ کی طبع مبارک پر گراں گزرتا۔ خاموشی سے مجھے آگے پڑھے جانے کا اشارہ فرماتے۔ میری غلطیوں پر تفسیح فرماتے مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے بجائے نور اللہ مرقدہ کے نور اللہ مرقدہ یعنی اقلید نور کو بغیر تشدید کے پڑھا تو فرمانے لگے۔ روویں بی اے نوں یہ لفظ نور اللہ ہے نہ کہ نور اللہ سالانہ جلسہ کے اشتہار کے نیچے میرا نام محمد یوسف چوہدری لکھواتے۔ ایک دفعہ میں پوچھا بیٹھا کہ اس لفظ چوہدری کو نام کے بعد خطوط ودانی میں ڈالنے کا کیا مجید ہے۔ فرمایا کہ نام کے بعد ایسے چوہدری لکھنے سے ظاہر ہوتا کہ آپ اپنے کو چوہدری نہیں کہتے بلکہ آپ کو چوہدری کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ مجھے ایک دفعہ ایک سفید کاغذ دیا اور فرمایا کہ اسے ادھا بھاڑ دو۔ کچھ لکھنا مقصود تھا۔ ایک حصہ سے دوسرے حصہ کو خوب چمٹا کر اور درمیانی حصہ کے دونوں سروں کو انگوٹھے سے خوب چمٹا کر بھاڑنے کے لیے دوبارہ کاغذ کھولا۔ کاغذ کے اندر والے حصہ کو رو کر کے دونوں طرف سے جب کاغذ کھینچا تو دونوں ہاتھوں میں بجائے پورے ادھا کاغذ آنے کے ایک ہاتھ میں $\frac{1}{2}$ اور دوسرے میں $\frac{1}{4}$ آیا۔ آپ مسکرائے میرے ہاتھ سے کاغذ کے ٹکڑے پکڑ لیے۔ ایک ٹکڑے کو نئے سروے سے کیا۔ درمیان کو انگشت مبارک سے دبایا اور کاغذ کو اس طرح اٹا رہا دیکر بھاڑا۔ اور ایسا انصاف بیتا کہ میں شرمندہ ہوا۔ یہ آپ کی چھوٹی پیاری ادا چھٹی ابھی تک سرور بخش رہی ہے۔ جب کبھی کاغذ بھاڑنے

موقعہ آتا ہے قبلہ حضرت صاحبؑ کی یہ ادا سامنے آجاتی ہے۔ دیکھنے میں یہ بات کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتی۔ واضح یہ کرنا ہے کہ اس مردِ کامل کی شانِ امر کیسے تفریط و افراط کو گھیرے ہوئے تھی۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑے سے بڑے مقام تک کی تمام صلاحیتیں احباب میں ولایت کرنے پر قدرت بھی رکھتے تھے۔

واہ سنگی قرآن

سمرندہ میں پنجاب میں آپ طرہیت سہروردیہ کے مجدد ہیں۔ آپ ہی کے دم قدم سے اس سلسلہ کا از سر نو آغاز ہوا۔ مختلف سلسلوں کے طریق ذکر و عبادات میں امتیازات کا "تبلیغ اسلام اور صوفیائے کرام کے تحت اپنی کتاب "الفقر فشری" میں تحریر فرماتے ہیں۔ اس طریق سہروردیہ میں سانس بند کر کے اللہ ہو گا ورد کرنے کا بڑا رواج ہے۔ اس سلسلہ سے منسلک ذکر جلی اور ذکر عسفی دونوں کے قائل ہیں۔ سماع سے اعتداعی برتتے ہیں۔ اور تلاوت قرآن پر خاص طور پر زور دیتے ہیں۔ ایک اور جگہ اسی کتاب "الفقر فشری" میں اسباق سلسلہ کے تحت تلاوت قرآن کو ہی مقدم رکھا ہے۔ اور اسے اس طرہیت کا امتیازی نشان بیان فرمایا ہے۔ اس سے پہلے کہ احباب کو قبلہ حضرت صاحبؑ اور قرآن سے وابستگی کے تحت اپنے مشاہدہ کی بنا پر آگاہ کروں۔ احباب کی خدمت میں مندرجہ ذیل دو احادیث شریفہ نقل کرتا ہوں تاکہ فضیلت کلامِ حقیقتِ امر واضح ہو جائے۔ حدیث نمبر ۱: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ليقول الرب تبارک و تعالی من شغلک القرآن عن ذکرى و مسئلتى اعطيتك افضل ما اعطى السائلین۔ و افضل کلام اللہ علی سائر کلام کفضل اللہ علی خلقہ۔ دواة

ترمذی و دہلی و بیہقی فی شعب الایمان - ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتا ہے پروردگار برکت والا اور بلند سخن کو باز رکھے قرآن میری یاد سے اور مانگنے میرے سے تو دیتا ہوں اس کو بہتر اس چیز سے کہ دیتا ہوں مانگنے والوں کو۔ اور بزرگی کلام الہی کی تمام کاموں پر ایسی ہے جیسے بزرگی اور بہتری اللہ عزوجل کی اس کی تمام مخلوق پر اللہ اکبر ذرا لفظ "عن ذکرہ میں گم ہو کر دیکھو۔"

ترجمہ حدیث نمبر ۲: روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "تلاوت قرآن فی الصلوٰۃ افضل ہے۔ تلاوت غیر الصلوٰۃ کے اور پڑھنا اس کا غیر الصلوٰۃ افضل ہے۔ تسبیحات و تکبیرات سے اور پڑھنا تسبیحات کا بہتر ہے۔ خیرات و صدقات سے اور خیرات و صدقات بہتر ہیں روزہ سے۔ اور روزہ ڈھال ہے آگ و زرخ کی سے۔" ان دونوں حدیثوں کی تشریح شرح مشکوٰۃ مظاہر الحقی میں ملاحظہ فرمائیں حقیقت امر کا قرآن صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم اور صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن یہ مرد قلندر رحمۃ اللہ علیہ احباب کو معلوم ہو گا۔ کہ آپ بلیمک میں جس تخت پوش پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ اس جگہ کے اوپر دیوار کے ساتھ کوئی دو مرتب ایک بلوری سنہری چوکھٹہ آویزاں تھا جس میں سارا قرآن الحمد سے والناس تک لکھا ہوا تھا۔ یہ بار ایک عکسی خوب مصری سنہری مائل کاغذ پر مجھے ایسا معلوم ہوا کرتا جیسے کہ ایک گہرے سمندر کا پانی۔ فن کار کی شوخی نے ہر سورت کا شروع سرخ رنگ کی چھوٹی سے مستطیل سے کیا ہوا تھا اور ایسی ۱۴ سرخ مستطیلیں اس ہرے گہرے سمندر میں کشتیوں کی طرح دکھاتی دیتی تھیں۔ بہت ہی بار ایک ہونے کے باعث اس تخریب کو بغیر خورد بین کی مدد کے پڑھنا محال تھا۔ خیر نظرآ رہے ہی شوخی تخریب ٹپکتی تھی۔ سارے کمرہ میں سوائے اس چوکھٹے کے کوئی اور جگہ نہ تھا۔ اور اسی منقش قرآن کے نیچے

مجسم قرآن جلوہ فگن تھا۔ جو اس کا غذبہ پر نقش تھا۔ وہ اس ہستی میں عیال بجزیرہ
 شاہد ہے کہ صاحب خانہ کا مزاج، اس کے اطوار و اخلاق اور اس کی پسندگی
 اس کے ڈرائینگ روم سے ہی پھانپ لی جاتی ہے جس قماش کا آدمی ہو اس
 انداز کا ظہور اس کے کمرہ میں پایا جائے گا۔ کمرے کا معیار آرائش صاحب خانہ
 کی طبیعت کے رجحان کا عموماً آئینہ دار ہوتا ہے۔ آپ کے کتب خانہ میں
 قرآن مجید کی تفاسیر کے علاوہ مختلف سائز کے بہت سے نسخجات موجود تھے
 میرے شوق کے پیش نظر آپ نے ایک بہت ہی عمدہ چھوٹے سائز کا نسخہ
 مجھے عطار فرمایا۔ جو ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے۔ آپ کی نظر فیض اثر سے
 مجھے کلام پاک کا شوق ہو گیا۔ آپ کے فرمان کے مطابق میں کوئی سورۃ حفظ یاد
 کر لیتا۔ اور آپ کو سنا دیتا۔ آپ مجھے کوئی دوسری سورۃ حفظ یاد کرنے کا
 حکم دیتے۔ کوئی ہفتہ عشرہ بعد وہ بھی حفظ کر کے سنا دیتا۔ کافی عرصہ ایسے
 ہی گزرتا رہا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں نے حفظ کردہ سورۃ سنائی اور کسی
 دوسری سورۃ کے لیے اجازت مانگی تو فرمانے لگے۔ کہ کیا اچھا ہو اگر تم شروع
 سے ہی حفظ کرنا شروع کر دو۔ اللہ عزوجل کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اللہ
 آپ کی مدد فرمائے۔ یہ کوئی ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہو گا۔ اس وقت سے حسب ارشاد
 حفظ کرنا شروع کیا ہوا ہے۔ تقریباً ایک تہائی سمندر پار کرچکا ہوں۔ حافظ
 کہلانے کا شوق نہیں ہاں یوم الدین میں زمرہ حفاظ میں سے شمار ہونے کی تمنا
 ہے۔ جس کے پورے ہونے کی سند صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے
 مل چکی ہے۔ کہ جو کوئی قرآن حفظ یاد کرتا۔ انتقال کر جائے۔ تو اللہ عزوجل اس
 کو قیامت کے روز گروہ حفاظ میں سے اٹھائے گا۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ
 قرآن پاک کے پڑھتے یا سنتے وقت آدمی کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اس ماحول
 میں لے جائے جس ماحول میں آیات کا نزول ہوا ہو۔ احباب ذرا ان الفاظ پر
 غور فرمایں کہ کونسی زبان ان الفاظ کو اپنے پر لانے کی جرأت کر سکتی ہے

سوائے اس کے جو صورتاً امر صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو۔ میں نے اکثر یہ کیفیات آپ کے چہرہ انور پر مشاہدہ کیں جب آپ کبھی کسی میلاد شریف میں یا کسی ختم شریف میں شرکت فرما ہوتے اور اپنے چہرہ کا ایک پارہ اپنے سامنے رکھ کر آہستہ آہستہ پڑھنا شروع کرتے۔ آپ کے ساتھ ساتھ بیٹھے والے دوست آپ کے چہرہ اقدس سے پہچان جاتے کہ آیت وعدہ کی ہے یا وعید کی کوئی امر بالمعروف ہے یا نہی عن المنکر اسی مجلس میں اگر کسی آیت کے مفہوم کو کسی پاس والے دوست کو بتانا مقصود ہوتا تو بڑے اعلیٰ انداز سے اسے پڑھنے پڑھنے اپنے فریب آنے کا اشارہ فرماتے اور اس آیت پر انگشت مبارک رکھ اس کے معانی آہستگی سے اسے بتاتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ کسی ختم شریف پر ہم چند دوست ایک دوست کے ہاں گئے۔ قبلہ حضرت صاحب ساتھ تھے۔ پڑھنا شروع کیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے بڑے صاحبزادے داہنی جانب بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ اور آپ کی بائیں جانب میں بھی تھا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے کو اشارہ سے قریب کیا۔ اور سورۃ المنافقون میں بیان آتا ہے "وہم لایفقہون" اس پر انکلی رکھ کر فرمانے لگے کہ اس آیت سے فقہ کا ثبوت ملتا ہے۔ ایسے ہزاروں نکات ہیں جو آپ نے مجھے سکھائے اگر میں ایک ایک کر کے انکو تفصیلاً بیان کرتے لگوں۔ تو یہ ایک علیحدہ کتاب بن جائے۔ اس کتابچہ میں صرف آپ کا حال پیش نظر ہے۔ اس لیے صرف چند آیات کے معنی جیسے ماحول میں ظاہر کئے گئے۔ عرض کرتا ہوں۔ آپ ایک شام اپنی بیٹی کے دروازہ سے باہر گلی میں کھڑے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک دو اور دوست بھی تھے۔ دیکھا کہ گلی میں سے آپ کی بھینس دوسرے مکان سے جہاں وہ بندھی ہوئی تھی۔ زنجیر توڑ کر بھاگی چلی آ رہی ہے۔ اس کی تندگی کے پیش نظر قبلہ حضرت صاحب جھٹ گھبرا کر اندر کمرہ میں داخل ہو گئے اور ہمیں بھی اندر آنے کو فرمایا۔ خیر بھینس کو تو کسی نے سنبھالا۔ لیکن میرے دل

میں فوراً وسوسہ پیدا ہوا کہ اس مرد کی گھبراہٹ اور اندر داخل ہونا خوفناک
 سے خالی نہیں۔ اُدھر کلام پاک میں اُن کے لیے لاخوفٌ علیہم ولا هم
 یحزنون آیا ہے میں نیا نیا سلسلہ میں داخل ہوا تھا۔ اور کلام پاک کے مطالعہ
 سے بھی ابھی پوری طرح واقفیت نہ تھی۔ یہ بھی حیرت نہ تھی کہ قبلہ حضرت صاحب
 کے روبرو اس آیت کے معانی پوچھ سکوں۔ خیر یہی وسوسہ دل میں لائے کہ
 اگر یہ مرد ولی اللہ ہوتا تو اس طرح بھینس سے ڈر کر اندر داخل نہ ہوتا۔ گھر
 واپس آیا۔ رات کو مجھے خواب میں کلام پاک میں سے ایک آیت جلی حروف
 میں لکھی ہوئی کہ الیوم لاخوفٌ علیکم ولا انتم تحزنون دکھائی گئی۔
 اور جس پارہ اور سورت میں یہ آیت تھی۔ وہ بھی ظاہر کیا گیا۔ صبح میں نے
 کلام پاک کھول کر یہ آیت نکالی اس کی تفسیر بھی پڑھی تو معلوم ہوا کہ لاخوفٌ
 علیہم ولا هم یحزنون کا اطلاق اگلے جہان میں ہے نہ کہ یہاں اس
 طرح ایک تفسیر کی عبارت جو لاہور کے نکتہ وروں سے حل نہ ہو سکی۔ آپ نے
 مجھے خواب میں بتائی۔ آپ کی ظاہری حیاتِ طیبہ کے بعد تفسیر دُنیوی میرے زیر مطالعہ
 تھی۔ اس تفسیر کا اردو بڑا جامع اور دقیق ہے۔ ایک دن سورہ یسین شریف پر
 جب پہنچا تو صاحب تفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ یسین کے تحت لکھا کہ
 "یا حرف ندا ہے۔ اور کسی صورتِ امر کا خطاب ہے یہ اس لئے کہ یہ حرف
 نِس اپنے میں سویتِ اعتدالیّت رکھتا ہے کہ درمیان زُبر اور بیانات اسکی کے
 موافقت اور برابری ہے۔ جو کسی اور حرف میں نہیں پائی جاتی۔ لہذا مختص
 بجنور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔" معنوں پر غور کیا۔ لیکن کچھ حاصل نہ ہوا
 دوستوں سے پوچھا لیکن کوئی نہ بتا سکا۔ آخر علمائے کرام کی طرف رجوع کیا
 بلکہ ہر عقیدہ کے بڑے عالم کو یہ عبارت لکھ لکھ کر بھیجی لیکن کسی طرف سے تسلی بخش
 جواب ملا۔ کسی نے کہا عبارت ہی غلط ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ حرف نِس بجمالی ہے
 جلالی نہیں۔ کسی نے کچھ کسی سے کچھ۔ ایک بڑا عالم لہذا کہ یہ زُبر بیانات سورت

کی اصطلاحات ہیں۔ لیکن کچھ پتے نہ پڑا۔ نہ زبر و بیئات کی تفسیر آئے نہ کوئی حل نکلے۔ زبر و بیئات کے نرے معنی کچھ کام نہ دیں۔ اس چکر میں کوئی چار چھ ماہ گزر گئے۔ ایک اتوار روضہ اقدس حسب معمول حاضری کے لیے گیا۔ وہاں یہ مہتمم بھی پیش کر دیا۔ رات تا خواب میں دیکھا کہ قبلہ حضرت صاحب تشریف فرما ہیں اور ایک تختہ سیاہ پر مجھے حرف "و" لکھنے کو فرمایا۔ ایک چاک کا ٹکڑا بھی آپ نے خود ہی جیب مبارک سے نکال کر دیا۔ فرمایا کہ اس حرف "و" کے سامنے "زبر" لکھو۔ پھر فرمایا کہ "الف" ایسے لکھو اور اس کے سامنے بیئات لکھو یعنی

و = زبر

الف = بیئات

میری آنکھ کھل گئی۔ میں خوشی سے مچھولا نہ سما یا مجھے معلوم ہو گیا کہ "س" ہی ایک ایسا حرف ہے جو زبر و بیئات میں موافقت اور برابری رکھتا ہے۔ کسی اور حرف کو یہ شرف حاصل نہیں۔ صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شخص اس لیے کہ آپ بھی ظاہری و باطنی ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں آپ کے اوامر و نواہی کی پابندی سب کے لیے یکساں ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ عزوجل نے اپنی کائنات میں سے کسی شے کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھایا۔ سوائے اپنے کلام پاک کے۔ اس کی طرف سے یہ ذکر اُترا اور وہی اس کا محافظ ہے۔ پس یاد رکھو کہ جو چیز محافظت میں رکھی گئی ہو۔ اسکی وابستگی سے بھی محافظت لازم آئے گی "نحن نزولہ ذکر و نالہ لحافظون" والی آیت مبارکہ کے تحت تفسیر کرتے آپ ایک بڑی مزیدار کہانی بیان فرمایا کرتے تھے۔ جنگ عظیم کے ایام تھے۔ سیالکوٹ چھاؤنی سے دو پاکستانی آزاد قبائل کے پٹھان ایک ہندو میجر دگیل کو پکڑ کر اپنے علاقہ کی جانب اٹھالے گئے۔ سرحد پار کرنے کے بعد اس میجر صاحب کو ایک گدھے پر بٹھا

دیا اور دونوں پٹھان گدھے کے دونوں طرف ساتھ ساتھ چلے۔ ادھر اس
 میجر کی حراست کی خبر بذرلیہ وائرلیس ہیڈ کوارٹرز دہلی پہنچائی گئی۔ وہاں
 سے ایک مسلح ہوائی جہاز میجر صاحب کے لیے حسب نشانہ ہی روانہ ہوا
 جہاز کے کپتان نے دیکھا کہ ایک لٹ ووق میدان میں سے دو پٹھان میجر
 صاحب کو گدھے پر سوار لیے جا رہے ہیں۔ پٹھانوں نے بھی جب ہوائی
 جہاز کو اپنے اوپر منڈلاتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ دشمن ہمیں گولی کا نشانہ بنانے
 والا ہے۔ فوراً گدھے کے ساتھ دونوں طرف چھوٹ گئے اور اس طرح
 چھٹے گدھے کو بھی ہانکتے گئے۔ جہاز کا کپتان اگر گولی چلائے تو میجر و گھل بھی
 ساتھ جائے کیوں کہ میجر صاحب کی حفاظت مقصود تھی۔ اس لیے اس
 کے ساتھ والے گدھے اور گدھے کے ساتھ والے پٹھانوں کی بھی جانیں
 محفوظ ہو گئیں۔ میجر صاحب کو لڑائی منہم ہوتے کے بعد زکثیر بطور جاں بہا
 دے کر واپس لیا گیا۔ اسی طرح آیت "ولا توتون والانتہم مسلمون" کی تفسیر
 بیان فرماتے آپ اس مجذوب کا واقعہ ضرور دوسرا تے میں نے آپ کے
 ساتھ ہی اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں کچھ عرضہ گزارا تھا
 ایک دن طلبانے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عدم موجودگی میں اس مجذوب
 کو کہا کہ اس آیت مبارکہ "ولا توتون" الخ کی تفسیر بیان فرمائیں۔ کہ یہ کیسے
 لازم ہے کہ ایک آدمی کو موت آئے اور وہ اس وقت ضروری طور پر مسلمان
 ہی ہو۔ مجذوب صاحب نے پہلے تو ٹالا لیکن لڑکوں کے اصرار پر وہ رضامند
 ہو گیا۔ کہنے لگا کہ دل چاہتا تھا۔ کہ کچھ دن اور جیٹس لیکن یہ چھو کرے زندگی
 کے دن پورے کرنے نہیں دیتے۔ اچھا میرے لیے پانی لاؤ۔ تاکہ وضو کر لوں
 وہ مجذوب صاحب وضو کر کے لیٹ گئے اور لڑکوں کو کہا کہ میرے اوپر
 ایک چادر اوڑھا دیں۔ بعد میں تفسیر بتاؤں گا۔ حسب ہدایت لڑکوں
 نے اس مجذوب صاحب پر کپڑا اوڑھا۔ اور اس انتظار میں تھے کہ اب

کچھ بیان فرمایاں گے۔ لیکن چند ساعت تک جب وہ نہ بولے تو
 آپ کے چہرہ سے چادر سدر کافی دیکھا کہ آپ کی روح نفسِ عنفوی سے
 پرواز کر چکی ہے۔ چہرہ پر مسکراہٹ تھی۔ ہم سب کے سب حیران تھے۔
 کسی نے قبیلہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی خبر کر دی۔ جب آپ تشریف
 لائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا کہ یہ مجذوب
 آپ کو آیتِ ولا تموتن الا وانتم مسلحون کی عملی تفسیر بتا گیا ہے
 جو آپ کو کبھی نہیں بھولے گی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ موت و حیات
 قبیلہ تخلیق سے ہیں اور ان میں سب سے افضل و اشرف حضرت انسان
 اشرف المخلوقات ہونے کے باعث باقی تمام خلقت پر حاوی ہے اور
 اس میں موت و حیات بھی شامل ہے۔ یہ جب چاہے مر جائے۔ اور جب
 چاہے جی اٹھے۔ سندھ کے علاقہ میں ایک مجذوب کا واقعہ بیان فرمایا
 کہ جب وہ مجذوب انتقال کر گیا۔ اسے ایک چار پائی پر لٹایا ہوا تھا۔ اور
 وہاں کے چند لوگ اس گے گرد بیٹھے کچھ دن و تدفین کا بندوبست کر رہے
 تھے۔ کہ ایک مائی بڑھیا عورت پاس سے گزری۔ پوچھا کہ کون مر گیا ہے
 جواب ملا کہ فلاں مست۔ بولی کہ مست صاحب آدمی تو اچھے تھے لیکن
 مرنے کا دن منگل، لیا ہے اور یہ منگل کا دن کوئی اچھا شگون پیش نہیں کرتا
 اس بڑھیا عورت کا یہ کہنا ہی تھا۔ کہ مست صاحب چار پائی سے اٹھ بیٹھے
 فرمانے لگے کہ مائی صاحبہ کو سادہ اچھا ہوتا ہے۔ ان کے اٹھ بیٹھنے سے
 خوف تو لازمی تھا۔ ڈرتی ہوئی بچاری بڑھیا بولی کہ حمبرات کا دن اچھا
 ہوتا ہے۔ فرمانے لگے کہ اچھا اب حمبرات کو ہی مریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی
 ہوا۔ بدھ کا دن اور بیٹے اور حمبرات کو چل بسے اور ولا تموتن الا وانتم
 مسلحون کی تصدیق کر گئے۔ آپ کی صحبت فیض یاب ہوتے ہوئے
 کسی تفسیر کے مطالعہ کی ضرورت تو نہ تھی۔ لیکن میری لاعلمی کے پیش نظر

آپ نے تفسیر "مواہب الرحمن" کی تمام جلدیں اپنے کتب خانہ سے نکالیں اور مجھے ایک ایک کر کے مطالعہ کرنے کا ارشاد فرمایا۔ میں نے یہ ساری تفسیر تقریباً پانچ سال میں آپ کی ظاہری حیات طیبہ میں ہی ختم کی جو حقائق مجھے اس تفسیر کے مطالعہ میں پیش آئے قبلہ حضرت صاحبؒ سے انکا حل حاصل کرنا۔ آپ ایسے ایسے نکات بیان فرماتے جو کسی تفسیر میں بھی نہ پائے جاتے۔ آپ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ یوسف صاحب اللہ تعالیٰ نے ذہن رسا بخشا ہے۔ زورِ قلم بھی عطاء کیا ہوا ہے۔ دل چاہتا ہے۔ کہ آپ دوستوں کی ملازمت وغیرہ چھڑائی جائے۔ اور کسی کھلی فضا میں علیحدہ ہو کر حقیقت امر کے کلام کا ترجمہ اور تفسیر لکھی جائے۔ اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے ترجمہ اگر اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے افضل نہیں تو بفضلہ تعالیٰ کسی درجہ کم بھی نہیں ہوگا۔ صاحب امر بغیر دیکھے نہیں کہتا۔ آپ کو کھلی فضا مل چکی ہے۔ ذہن رسا اور زورِ قلم دیکھیں کس کو بخشا جاتا ہے۔ اور یہ تفسیر والا کام کس سے اور کب لیا جاتا ہے۔ آپ کے زیر سرپرستی انشاء اللہ یہ کام ہونا ہی ہونا ہے۔ قید اوقات صرف ہمارے لیے ہے یہ اولیٰ الامر حضرات ایسی پابند یوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ آپ دوستوں کی درخواست پر ہر ایک کی طبیعت کے موافق کلام پاک سے کوئی آیت یا سورۃ بطور ورد۔ وظیفہ یا چلہ پڑھنے کو فرماتے اور ساتھ ساتھ ایسے وظائف کی تکمیل تک آپ اس دوست کی خاص نگہبانی رکھتے مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے شوق ظاہر کیا کہ کوئی چلہ کاٹوں آپ نے مجھے سورۃ منزل تشریف کچھ ایسے تکرار سے پڑھنے کو فرمایا کہ سبوح کا ایک شمارہ کوئی آدھ پون گھنٹہ لے جانا۔ مجھے ایسے شمارے گیارہ کرنے تھے۔ اور

مفسر کردہ وقت نمازِ عشاء اور نمازِ فجر کے درمیان تھا۔ میعاد
چلے کشتی وہی اکتالیس روز تھے۔ آپ کا ارشاد ترکیب سن رہا
تھا۔ کہ کیوں ایسی درخواست پیش کی۔ نہ کرتا نہ مشقت میں پڑتا
آپ نے فرمایا گھبرائیے نہیں چند روز تک رمضان المبارک
شروع ہونے والا ہے۔ فجر سے پہلے سحری کے لیے تو جاگنا
ہی ہے۔ ذرا کچھ وقت اور پہلے بستر چھوڑ دینا۔ تیس دن یہ تو بڑی
آسانی سے گزر جائیں گے۔ رہ گئے باقی۔ گیارہ دن اللہ عزوجل کی مدد
سے وہ بھی پورے ہو جائیں گے۔ فکر مت کریں۔ کمر باندھیں اور اس
چلے کے لیے طیار ہو جائیں۔ جب یہ چلے پورا کر لیں تو روزانہ ایسے
ہی تکرار کے ساتھ کسی معینہ وقت پر اس سورۃ شریف کو پڑھ لیا
کریں۔ دین و دنیا کی بہتریاں پاؤ گے۔ چلے کشتی کے متعلق فرمایا
کرتے تھے کہ یہ صورتِ اموصلی اللہ علیہ وسلم کی ایک غارِ حرا
والی ادا کی تقلید ہے۔ تہذیبِ نو کے راندے ہوئے جو ایسے طریق
عبادت سے چڑتے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ آپ اپنی اولاد کو
عمر کے ایک حصہ تک اعلیٰ تعلیمی معیار دیتے ہیں۔ اور اس دوران
تعلیم میں آپ ان سے کوئی ایسی توقع رکھتے ہیں۔ آپ کو یہ معلوم ہے
کہ ان کا زمانہ تعلیم کسی دنیاوی اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے لیے
ہے۔ جہاں پہنچ کر یہ ہمیں اور اپنے آپ کو بھی نفع پہنچا سکیں گے دنیاوی
منصب کے لیے اگر ان کے بچے بیس پچیس سال بغیر کمائے گزار دیں
تو ٹھیک ہے۔ اگر کوئی راہرو اپنے پیدا کرنے والے خالق کی معرفت
میں چند محدود ایام تنہائی میں گزارے تو اس پر آوازے کئے شروع
کریں :-

ع بااید
بریں عقل و دانش بیاد گریست

بچہ اپنی اولاد سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہی آپ

آپ کلام پاک کی سیاہی اور اوراق کو لباسِ قرآن کا نام دیتے۔ اور ان اوراق و سیاہی میں جو حقیقتیں پوشیدہ ہیں۔ انہیں قرآن کہتے۔ کلامِ حقیقتِ امر کے تحت میں نے اسی کتابِ اجتماعِ صدیقین کے پہلے حصہ میں جو نکات بیان کئے ہیں۔ وہ سب کے سب قبلہ حضرت صاحبِ کبریٰ کی ہی نظرِ فیض اثر کا صدقہ ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ افسوس ہے اس شخص کی دانش پر جو رقعہ کی تو تصدیق کرے اور رقعہ لائے والے پر شک رکھے۔ اس کے ذکر کو مکروہ جانے۔ اس کی فصل کاٹنے کے درپے رہے۔ اور اسی رقعہ میں سے اس کے عیوب ڈھونڈھنے میں لگا رہے۔ یہ عجب نہیں تو اور کیا کہ ایک محب اپنے محبوب کو پیغام دے۔ اور اس پیغام میں اپنے محبوب کی ہی تنقیص کرے۔ عیاذاً باللہ یہ اپنی عقل کے گز سے نبوت کی پنہائیوں کو تاپنے والے فاوحی الی عبدہ ما اوحی کی نشان رکھنے والے کو کیا سمجھ سکیں۔



مشغلہ تعویذات

صاحبِ امر حضرات صاحبِ جذب ہوتے ہیں اور یہ توفیقِ رفیقِ حقیقتِ امر کی طرف سے انہیں کو عطا ہوتی ہے جو اس امانت کو کما حقاً نبھاسکیں۔ احبابِ بخوبی واقف ہوں گے کہ یہ مردِ واحدِ رازِ حقیقتِ امر سنبھالنے ہوئے ہزاروں دوستوں کے رازوں کو اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ کوئی دوست دعوتے سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے دوست کا تعلق قبلہ حضرت صاحب سے کیسا تھا اسے کیا سبق دیا گیا۔ اسے کیسے اس راہ پر لایا گیا اور چلایا گیا۔ جیسے طبیعتوں میں اختلاف ایسے سے قبلہ حضرت صاحب کے ساتھ تعلق میں اختلاف میں نے علیحدہ علیحدہ احباب کی کہانیاں سنیں۔ ہر ایک کو یہی کہتے پایا۔ کہ میری طبیعت کا فلاں فلاں رجحان قبلہ حضرت صاحب کی طبیعت سے موافقت و برابری رکھتا تھا۔ اس لئے قبلہ حضرت صاحب مجھے زیادہ محبوب تھے اور ان کو میں زیادہ پسند تھا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ قبلہ حضرت صاحب سراجِ اولی الامر حضرت تھے۔ مخلوق کی طبائع کے جامعہ لیکن سب سے الگ۔ میں اس جذب والی صلاحیت سے بالکل گورا تھا۔ آپ اکثر اوقات مجھے اس کمزوری سے آگاہ کرتے فرماتے خبر نہیں کہ تیرے پیٹ میں کوئی بات کیوں نہیں پختی۔ آپ کا معمول تھا کہ جب صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر نیچے تشریف لاتے۔ تو دوپہر تک آپ خلقِ خدا کی حاجت روائی فرماتے۔ مردِ وزن اپنی اپنی غرض لئے حاضر ہوتے۔ آپ نے تعویذات کا مشغل بھی رکھا ہوا تھا۔ کسی کو جب تعویذ عنایت فرماتے اگر وہ پوچھ لیتا کہ قبلہ

پر میز و غیرہ تو نہیں ہے تو خوش طبعی کے ماتحت فرماتے کہ کھانا کھانا
 نہیں اور لباس پہننا نہیں۔ اگر کوئی عورت تعویذ سے کر بوجھتی کہ کتنے
 پیسے دوں تو فرماتے کہ کبھی مانگ کر لیا نہیں یا کسی سے بے تکلفی کی بنا پر
 فرمادیتے کہ حج کے پیسے نکال دیجئے تاکہ یہ فریضہ ادا کر لیں۔ عورتیں
 طرح طرح کے سوالات کرتیں آپ ہر ایک کو ان کے مزاج کے مطابق
 جواب دیتے۔ اگر کوئی عورت کہتی یہ میرا بچہ بڑا شرارتی ہے نہ چلا
 نہیں رہ سکتا تو فرماتے کہ بندر اور بچہ دونوں شرارتی ہوتے ہیں وہ عورت
 کچھ کھسیانی سی ہو جاتی۔ اگر کوئی عورت تعویذ و غیرہ سن بھال کر فریضہ دعا
 کے لئے کہتی تو فرماتے کہ بس یہی دعا اور یہی بددعا ہے جیسے بتایا گیا ہے
 جا کر عمل کرو۔ زیادہ وقت ضائع نہ کرو۔ ایک دن ایک میاں بیوی
 اپنے ایک تین چار ماہ کے کمزور بچے کو لیکر حاضر خدمت ہوئے اور
 تعویذ کی درخواست کی آپ نے انہیں تعویذ دے کر فرمایا کہ بچہ کی حالت
 پر آپ خود بھی رحم کریں تاکہ اس کی صحت بحال رہے۔ مجھے یاد ہے کہ موصوع
 سمسانی یا منجر وال سے ایک بہت بوڑھی گوالن جو شہر میں اُپلے بیچنے کے
 لئے آیا کرتی تھی وہ اکثر اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر خالی ٹوکروں کے قریب
 حضرت صاحب کی خدمت میں آجایا کرتی۔ ٹوکروں ایک طرف رکھ دیتی اور
 تحت پوش کے سامنے وہ بڑھیا فرش پر ہی بیٹھ جاتی۔ اور اپنے اوزار بند
 سے نقدی کھولتے قبلہ حضرت صاحب سے دوسے مولوی، کا خطاب دیتی بہت
 سے تعویذات کی درخواست کرتی۔ قبلہ حضرت صاحب سے اسے اماں جی کہتے
 اور اس کی لڑکی۔ اس کی بہو۔ اس کے بیٹے اور اس کے خاوند کو علیحدہ علیحدہ
 تعویذ دیتے وہ بھی علیحدہ علیحدہ ان تعویذوں کو باندھ لیتی۔ آپ فرمایا
 کرتے کہ اس اماں کا اخلاص سے دوسے مولوی، کہہ کر پکارنا آپ کے ان خطابات
 سے جو تصنع و بناوٹ کی آمیزش لئے ہوتے ہیں کہیں بہتر ہے بارہ ایک بچے

دو پہر تک میز فروٹ وغیرہ کے تذرانوں سے لدی ہوتی۔ بشیر کو فرماتے کہ اوپر سے جاؤ۔ تخت پوش سے نقدی اکٹھی کر کے ٹوپی میں ڈال لیتے مسکراتے اور مجھے فرماتے کہ اب دوکان بند کر لیں۔ کھانے کا وقت ہوتا تو اوپر سے پیغام آجاتا۔ کھانا کھانے کے بعد قبیلہ فرماتے اور شام کو دوبارہ محفل ہوتی جو نماز عشاء تک رہتی۔ روز مرہ کے معمول سے ایک عام انسان جو آپ کا اندازہ لگائے تو کیا حاصل کرے۔ تعویذات میں نہ کوئی درویشی پوشیدہ ہے۔ اور نہ ہی یہ درویش کے لئے لازم ہے کہ لوگوں کو تعویذ دے خو فرمایا کرتے تھے کہ تعویذات میں تعویذ دینے والے کی کیفیت کام کرتی ہے۔ نہ کہ سیاہی۔ حضرت بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک روز آپ اپنے خادم اور گدھے کے ساتھ کسی قریب کی مسجد میں ٹھہرے۔ ساری رات نہ کوئی مسجد میں آیا اور نہ کسی نے کھانے کا پوچھا۔ علی الصبح خادم نے کسی چوہدری کے گھر صدا دی تو سخت جواب ملا اور معلوم ہوا کہ چوہدری صاحب کی عورت دروزہ میں مبتلا ہے۔ دو چار روز سے کراہی ہے بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ خادم نے اپنے قبلہ پیر و مرشد کا بتایا کہ رات کے مسجد میں آئے ہوئے ہیں چوہدری صاحب حاضر خدمت ہوئے۔ ساتھ ہی پر تکلف کھانے حضرت صاحب کے لئے اور ہر اچھا چارہ گدھے کے لئے بھی لے گئے۔ آپ نے اور خادم نے کھانا کھایا۔ گدھے کو بھی چارہ ڈالا۔ اور خوشی میں یہ لکھا۔

سے مراجعہ شد خرم و انیز جاشد

زن دہقان بزاند یا نہ زاید

اور اس چوہدری کو دیا کہ اپنی عورت کی بائیں ران پر یہ کاغذ کا ٹکڑا کسی کپڑے میں لپیٹ کر باندھ دیں۔ چنانچہ حسب ارشاد عمل کیا بچہ پیدا

ہو گیا اور آپ کی کیفیت کا وہ زور تھا کہ اب تک یہ شعر لکھ کر اگر کسی
 ورورہ والی عورت کو باندھا جائے اللہ تعالیٰ تکلیف کم پائے۔ فرمایا
 کرتے تھے کہ بنفشتہ و پھی وانہ میں تو اثر ہو اور کلام پاک میں اثر نہ ہو یہ
 کہاں کا فلسفہ ہے۔

مزارت اولیاء کرام

بچے آپ کی معیت میں مزارت اولیاء کرام پر حاضری کا شرف
 بھی حاصل ہوا۔ قبلہ حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ مٹان شریف
 والوں کی حاضری کا ذکر کہیں بچے لکھ چکا ہوں۔ سالانہ عرس شریف کے
 موقع پر داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار کی حاضری بھی آپ کی
 معیت میں نصیب ہوتی۔ عرس کے دن شروع تھے۔ کسی دوست
 نے آکر کہا کہ قبلہ داتا صاحب کی حاضری کے لئے کس وقت جانا ہے تو
 فرمایا کہ جب پیغام آئے گا چلے جائیں گے۔ بن بلائے کسی کے پاس جانا
 اچھا نہیں ہوتا۔ فرمایا کرتے تھے کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند
 خصوصی مہمان جن کی گنتی بمشکل چھ تک ہوتی ہے اس عرس شریف پر آئے
 ہوئے ہوتے ہیں حسب ارشاد داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی دیکھ
 مجال کرنی ہوتی ہے جس کے لئے جانا پڑتا ہے۔ باقی مخلوق سب طفیلی
 ہوتی ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ داتا صاحب کی حاضری پر
 اللہ عزوجل سے یہ کیوں نہیں مانگتے کہ جیسے یہ مرد کامل پیدا کیا ہے ایسا
 ہمیں بھی بنا دے۔ سبحان اللہ آپ کی علو مرتبت۔ ہم دوستوں کو
 تقریباً ہر مزار پر جہاں مراقبانہ حالت میں بٹھاتے تو یہی فرماتے کہ اگر
 کوئی کشف ہوا تو اللہ سے اللہ ہی مانگنا۔ دنیا کی طرف نہ آنا۔ دنیا

سب کی سب جھونگے میں ہی آجاتی ہے۔ داتا صاحب سے آپ
 کے گہرے تعلق تھے۔ ایک روز ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ کہنے
 لگا کہ رات مجھے داتا صاحب خواب میں ملے ہیں اور انہوں نے میری
 اصلاح کے لئے آپ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ آپ قبول فرمائیں۔ قومی
 کوئی چالاک منسٹ تھا اور بزرگوں کی آزمائش اپنا معمول بنا لے ہوئے تھا
 قبلہ حضرت صاحب نے جواب میں فرمایا۔ داتا صاحب نے اگر آپ
 کو آگاہی دی تھی تو قلعہ گوجر سنگھ کوئی دور نہیں تھا مجھے بھی یہاں فرما
 سکتے تھے کہ فلاں فلاں شخص بھیج رہا ہوں اُسے نگاہ رکھیں۔ مجھے آپ
 کی بابت کچھ آگاہی نہیں لہذا تشریف واپس لے جائیں اور یہی عادت
 سے باز آئیں۔ عرس شریف کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی آپ داتا
 صاحب کے مزار اقدس پر جاتے۔ عموماً آپ کا وقت عراس کے موقع
 پر مغرب و عصر کے درمیان ہوتا۔ سرانے کی جانب چند منٹ کے
 لئے تشریف فرما رہتے اور واپس آجاتے۔ عرس کے دنوں میں آپ
 بھی وہ جگہ سہروردھی اجباب کے لئے مخصوص ہے اور اس کا اہتمام پہلے
 تو مرزا غلام محی الدین صاحب مرحوم کے سپرد تھا۔ اب ان کے چھوٹے بھائی
 مرزا غلام حسین صاحب یہ فرض انجام دے رہے ہیں و عابے کہ
 اللہ عزوجل تا ابد اسے بھانے کی توفیق اسی خاندان میں رکھے۔ آمین۔
 ایک دفعہ یوم صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقع پر آپ مزنگ
 (لاہور) کی کسی مسجد میں واعظ فرما رہے تھے رات بارہ ایک بجے واعظ
 شریف ختم ہونے پر واپس قلعہ گوجر سنگھ آئے میرے ساتھ چوہدری
 محمد مدین صاحب منیجر و ہاڑی والے بھی تھے۔ آپ نے قلعہ پہنچنے
 پر فرمایا۔ کہ آپ دونوں دھرمپورہ جا کر کچھ آرام کر لو اور علی الصبح کوئی
 ٹانگہ وغیرہ لے کر واپس یہاں آجانا یہاں سے تینوں اکٹھے حضرت میا نمبر

صاحب رحمۃ اللہ علیہ جانتیں گے۔ حسبِ ایشاد ہم دونوں بھائی دھڑ مہوڑ
گھر پہنچے۔ نیند وغیرہ تو نہ آئی فیصلہ کیا کہ ساتھ واسے ہمسایہ کو جس
کے پاس ٹانگہ ہے چکا دیں اور قلعہ پہنچیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ کوئی
دوڑھائی بچے قریب واپس قلعہ پہنچ گئے۔ ٹانگہ بازار میں کھڑا کیا اور
خود دونوں اونچی سیڑھیاں چڑھتے جب مکان کے قریب پہنچے۔ ہم
نے دیکھا کہ بالا خانہ کی مٹی جل رہی ہے۔ آپ نے ہماری آہٹ پاتے
ہی چہرہ انور کھڑکی سے باہر نکالا۔ فرمایا۔ اچھا ہم آ رہے ہیں۔ ہم حیران
تھے کہ آپ نے کب آرام کیا ہوگا۔ خیر ہم معیت حضرت صاحب ٹانگہ
پر سوار حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر آگئے۔ حسبِ ایشاد
روشنی بند کی اور مراقبانہ حالت میں بیٹھ گئے۔ صبح کی افان ہونے پر
آپ اُٹھے اور میں بھی اُن کے ساتھ باہر آ گیا۔ آپ میاں میر صاحب
کے مزار شریف کے تحت والی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے
ہو گئے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا جو بدری صاحب کو بلا لاؤں تو فرمایا کہ
اسے رہنے دو۔ وہ خوب مزے لے رہا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ وہ
بڑے دروازہ سے جو آدمی باہر گزر رہا ہے۔ ہمارے ساتھ آندے بیٹھا
تھا اس نے قبلہ حضرت میاں میر کے حضور کوئی روٹی کا مسئلہ پیش
کیا ہوا تھا۔ حضرت میاں میر نے مجھے فرمایا تھا کہ اس کا آٹے والا کام
کر دیا گیا ہے۔ اسے اطلاع دے دیں آپ اس شخص کو حضرت
میاں میر کی طرف سے یہ خوشخبری دے آؤ۔ ہمیں باہر آتے یہ یاد
نہیں رہا۔ میں بھاگا بھاگا اس شخص کے پاس پہنچا۔ میرے دریافت
کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی وہ ایک آٹے کی چٹکی کی درخواست کر رہا تھا
میں نے اسے خوشخبری دی کہ آپ کا کام بن گیا ہے۔ اُس نے وہیں خوشی
میں اچھلنا شروع کر دیا۔ میں نے واپس آکر قبلہ حضرت صاحب سے

چوہدری محمد دین صاحب کی بد نظمی کی شکایت کی اور عرض کیا کہ قبلہ یہ باز نہیں آتا کوئی ایسا ہاتھ پھیرو کہ اس کی شہوانی طاقت سب جذب ہو جائے آپ نے ایک عجب انداز سے سر مبارک پھیرا اور فرمایا کہ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کا ماحول سامنے لاؤ اور اس اصحابی دو کاندہ کی کچھوروں والی حدیث شریف یاد کرو۔ باوجودیکہ نوزنبوت کی شعاعیں جلوہ ریز تھیں۔ لیکن ایک غیر ارادی لغزش پھر بھی سرزد ہوئی۔ احساس زیاں کام آیا اور یہ شفقت نبوی قیامت تک کے لئے اس امت مرحومہ کے سارے غلاموں کو باعث استغاثہ ہوئی۔ جب آیہ مبارک نازل ہوئی۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ جان لو کہ احساس منزل کی سیڑھی ہوتی ہے چوہدری صاحب کا احساس کہ وہ بڑے افعال کا مرتکب ہوتا ہے اور آپ کو اپنی اصلاح کے لئے سفارشی لاتا ہے۔ اس امر کی دلیل ہے کہ کسی دن وہ ایسے افعال سے باز آئے گا۔ ہم دونو تخت والی دیوار سے اوٹ لگائے آئے سامنے یہ گفتگو کر رہے تھے کہ چوہدری صاحب بھی اندر سے باہر آگے نماز فجر وہیں ادا کی اور دوپہر تک قبلہ حضرت صاحب نے دھرمپورہ میں ہی میرے عزیز خانہ پر آرام فرمایا۔ یہ اتوار کا دن تھا سب سے پہلے مجھے آپ کی معیت میں جس مزار پاک کی حاضری کا شرف حاصل ہوا وہ حضرت شاہ جمال سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ یہ آرام گاہ اچھرہ کے قریب نہر اور فیروز پور روڈ کے درمیان ایک اونچے دہرے پر واقع ہے۔ قبلہ حضرت صاحب مرزا صاحب مرحوم اور میں تینوں سر شام وہاں پہنچے۔ آپ نے مجھے مراقبہ سکھایا۔ والیسی پر ہمارا ٹانگہ حضرت شاہ عنایت کے مزار اقدس سے گزرا۔ آپ نے اشارہ کرتے فرمایا کہ یہ آپ کی برادری کا مرد ہے حضرت بٹھے شاہ صاحب کا پیر۔ میں نے بٹھے شاہ صاحب کی طرز زندگی کوئی بات کہی۔ فرمانے لگے کہ لا تقربوا الصلوة وانتم مسکرا۔

والی آیت کا ترجمہ یاد ہے۔ خود ہی فرمایا کہ جب دھالیں ڈالی جائیں تو عبادات نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب خود ٹانگہ چلا رہے تھے یہ تفسیر سن کر بے خود ہو گئے اور سارا راستہ قلعہ گوجر سنگھ تک چھوڑتے ہی گئے۔

ایک دفعہ آپ کے ساتھ کسی کام کے لئے شاید رہ جانا تھا۔ واپسی پر فرمانے لگے کہ جہانگیر کے مقبرہ سے ہوتے جائیں۔ چند منٹ جہانگیر کی قبر پر مراقبہ کیا۔ فرمایا کہ میں نے جہانگیر کو دیکھا۔ ایک خوبصورت نوجوان مرد۔ موٹی موٹی سرنگیں آنکھیں جن میں آنسو ڈبڈب رہے تھے۔ میں نے اُس سے ایک سوال کیا کہ مرنے کے بعد کیسا پایا ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ۔ ایک شام ابھی دفتر بند ہونے میں چند منٹ باقی تھے مجھے کسی نے پیغام دیا کہ باہر سڑک پر آپ کے قبلہ حضرت صاحب ٹانگہ میں تشریف فرما ہیں اور آپ کو بلا تے ہیں۔ میں جب چند دفتری دوستوں کے ساتھ باہر نکلا تو آپ ٹانگہ سے اتر کر فیکٹری کے بڑے دروازہ کی طرف آرہے تھے میں نے سلام عرض کیا۔ فرمانے لگے حضرت اسماعیل شاہ صاحب المروت ”وڈے میاں“ کے مزار پر حاضر ہی کا ارادہ تھا۔ خیال کیا جاتی دفعہ راستہ میں آپ کو بھی ساتھ لے جائیں آپ کے ساتھ کوئی صاحب یابین قریشی کراچی سے کسی اپنے مطلب کے لئے آتے ہوئے تھے۔

ابھی ہم سڑک پر ٹانگہ تک نہیں پہنچے تھے کہ ایک مجذوبہ مانی جو روزانہ ان ورکشاپوں کے ارد گرد چکر کاٹتی دیکھی جاتی تھی ایک آدھو سیر گرم چلیپاں کاغذیں پیٹے ہوئی حاضر خدمت ہوئی۔ سلام عرض کیا اور وہ چلیپاں پیش کیں۔ میں اور میرے ساتھ والے دفتر کے ساتھی حیران یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے نذرانہ قبول فرمایا اور ہمیں بانٹ دیا۔ اس دن کے

بعد ہم نے اس مجذوبہ مائی کو اس علاقہ میں نہ پایا مزار اقدس پر پہنچے
آپ نے اہل مزار کی مختصر سی زندگی کے حالات بیان فرمائے۔ یاقین
صاحب کا سوال بھی پیش کیا گیا جو حل ہوا اور اسے خوشخبری دی گئی۔
میں نے ایک ایک حاضری اختصار کے پیش نظر بیاں کی ہے تاکہ
قارئین کو ہم اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق حظ اٹھا سکیں۔ آپ فرمایا کرتے
تھے کہ کسی اہل مزار کی حاضری سے پہلے موتو قبل انت موتو والی کیفیت
وارد کریں۔ جس کا مشاہدہ مطلوب ہو وہ مشہود کی صفات اپنے میں
لائے۔ دیکھا نہیں کہ ڈنگل وغیرہ دیکھنے کے لئے دور دور سے گاؤں
کے نوجوان ٹولیاں بنا کر نکلتے ہیں اور سارا راستہ شانے ہلاتے اور
چھلانگیں لگاتے اس ڈنگل تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کو دیکھا
ہوگا کہ جب انہیں کسی مرگ پر افسوس کے لئے کسی دوسرے گاؤں جانا ہوتا
ہے تو گاؤں کی حد آنے پر بین کرنے شروع کر دیتی ہیں۔ ان اہل اللہ نے
بھی اقطاع اسباب کیا ہوتا ہے۔ انکے ملنے کے لئے بھی تمام اسباب
سے اقطاع لازمی آتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اول الامر حضرات
اپنے انتقال کے بعد اپنی آرمگاہ خود پسند فرماتے ہیں اور اپنے مزار
کی تعمیر وغیرہ بھی اپنی منشا کے مطابق کراتے ہیں۔ ہم نے اس ارشاد کی
تصدیق اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی۔ آپ کے ان طاہری آنکھوں سے
پردہ فرمانے کے بعد پورے چار سال بلکہ اس سے بھی کچھ اوپر دوستوں
نے دیکھا ہوگا کہ آپ کا مزار پاک مسطح رہا۔ نہ کوئی خاص نشان قبر نہ کوئی
تعویذ قبر۔ ختم شریف میں مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات پڑھتے وقت
جب یہ مصرع -

”بعد مردن قبر میری ہو وے کاخ“

سننا تو ہیں دل ہی دل میں سوچتا کہ نہ آپ کے مندرجہ بالا ارشاد کی

بجا آورے اور نہ ہی اس مصرع کی کوئی تکمیل ہو رہی ہے جگہ کا پسند فرمائے تو اس انتقال والے دن ہی ثابت ہو گیا تھا۔ جب قبرستان فی بی پاک و امنوں میں قبر کو لحد تک پہنچایا گیا۔ بلکہ کچھ اینٹیں بھی درست کی گئیں لیکن آپ نے کسی دوست کی زبان سے اس جگہ کو منسوخ فرمایا کھلی فضا ہنجر وال شریف کا اشارہ کر دیا۔ وہی اینٹیں ٹرک میں لا دھیں گئیں اور رات کے پہلے حصّہ میں ہی جگہ بالکل طیارہ کر لی گئی۔ یہ تعمیر والا مسند و لوں میں چکر کاٹ رہا تھا اور ہر دوست اس کے انتظار میں تھا کہ ”بعد ہر دن قبر میری ہووے کا رخ“ کب پورا ہوگا۔ آخر ہم سب نے وہ بھی پورا ہوتے دیکھا اور انشاء اللہ قیامت تک یہ بے مثال روضہ اپنے حسن و کمال میں درجوں بلند ہوگا۔ اور بقول قبلہ حضرت صاحب ”گہوارۃ محاسن“ بنے گا۔

مجھے آپ کی معیت میں آپ کے پیر و مرشد حضرت قبلہ بابا جی حیات گڑھی کے مزار انور پر حاضری دینے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ بمطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۵۱ء بروز بدھ وار ہوا قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے سالانہ عرس مبارک پر ہم کافی دوست قبلہ حضرت صاحب کی ہمراہ لاہور سے گجرات پہنچے وہاں سے ناشتہ وغیرہ کر کے کچھ پھل و مٹھائی خریدی اور دیہاتی ٹانگوں پر سوار موضع حیات گڑھ نزد جلال پور جٹاں قبل دوپہر پہنچ گئے۔ فروٹ و مٹھائی علیحدہ دو ٹوکروں میں رکھی گئی تھی تاکہ قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں صاحبزادوں کو برابر کا حصّہ ملے۔ دوپہر کا کھانا آپ کے چھوٹے صاحب زاوے فضل الہی صاحب کے ہاں تھا۔ دیہات کے چند معزز حضرات بھی کھانے میں شامل تھے۔ ایک دلچسپ تعارف جو کھانا کھانے کے بعد اسی کمرے میں کرایا گیا وہ ہندوستان سے آئے ہوئے

ایک مہاجر سے تھا۔ یہ لکھنوی وضع کا ایک نوجوانی موچھیں بڑھائے ہوئے۔ دائرہ منڈھائے ہوئے۔ شیروانی زیب تن کئے ہوئے اور لال ٹوپی سر پر رکھے ہوئے حاضر خدمت جو ہوا تو کسی نے وہ بات والوں میں سے کہا کہ قبلہ یہ ہمارے بڑے عالم و فاضل شاعر لکھنؤ سے آئے ہیں آپ کی زیارت کا شوق رکھتے ہیں۔ وہاں قبلہ باباجی کے ہزار پر حاضری دیتے وقت یہ کچھ اپنا کلام بھی سنائیں گے بڑے فصیح و بلیغ شاعر ہیں۔ یہ صاحب کچھ ایسے نظر آ رہے تھے کہ اپنے خوشامدی الفاظ سن کر خوشی سے پھولے نہیں سمارہے۔ قبلہ حضرت صاحب نے آہستہ سے اپنے انداز میں فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ ”فی کل وادی یھیمون“ وہ صاحب پہلے ہی اپنے تعریفانہ الفاظ سن کر آپ سے باہر تھا۔ جب قبلہ حضرت صاحب کے یہ الفاظ سنے تو اس نے خیال کیا کہ شاید آپ نے بھی میری ہی تعریف میں یہ عربی الفاظ بولے ہیں۔ بہت چھوٹا اور شاعرانہ انداز میں واہ واہ قبلہ صاحب واہ واہ کی واہ دینے لگا۔

قبلہ حضرت صاحب میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ اور اس مسکراہٹ میں ہی بتا گئے کہ یہ کتنا جاہل شاعر ہے۔ خیر یہ لطیفہ ضمناً لکھ دیا ہے وہاں سے کوئی ایک آدھ فرلانگ مشرقی جانب قبلہ باباجی کی آرام گاہ ہے۔ قبلہ حضرت صاحب تعمیر روضہ اور گنبد وغیرہ مکمل کرا چکے تھے سب دوست اندر حاضر ہوئے۔ مراقبہ میں بیٹھے کوئی آدھ گھنٹہ بعد قبلہ حضرت صاحب جب باہر تشریف لائے تو میں نے اس بیس سالہ صحبت میں پہلی اور آخری بار آپ کو ابدیدہ پایا۔ آپ کا چہرہ مبارک بالکل سرخ اور آنکھوں سے لگاتار آنسو ٹپک رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بے بسی کی کیفیت ہے۔ سب دوست بھی اسی کیفیت میں

پھرتا ہے آپ ہرگز ہرگز اس کو پسند نہ دیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ
 پڑھ کر ہم میں سے چند دوست برہم ہوئے لیکن قبلہ حضرت
 صاحب نے فرمایا کہ فقیر کو ایسی باتوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ
 ہشتہار کل علی الصباح کوئی شخص و ماں لاہور ہماری بلشک میں بھی
 دانستہ گرا گیا تھا۔ میں نے اسے پڑھ لیا ہے۔ ایسے ہوا ہی کتنا ہے
 کوئی بات نہیں۔ قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں صاحبزادے ساتھ
 تھے۔ تھوڑا بولا کہ قبلہ یہ میرے صاحبزادے اسماعیل کے کسی مرید کی
 غلطی سے لکھا گیا ہے۔ ہم اس کی معذرت چاہتے ہیں۔ قبلہ حضرت
 صاحب مسکرائے اور فرمایا آپ دونوں ہماری بڑی سرکار ہیں۔ معذرت
 کی کیا بات ہے۔ آپ کے دور قلندر می کا آغاز قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے
 وصال شریف کے بعد ہوا اور اس عالم خلق میں آپ اس منصب پر
 پورے سات سال فائز رہے۔ یعنی ۱۲۵۸ھ بمطابق ۹ ستمبر
 ۱۹۵۸ء آخری پہار شنبہ تک قبلہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق دیکھو کہ
 دن ہی صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کا لیا اور صبح قبلہ حضرت صاحب
 کی انتہا یہ کہ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت بھی گوارا نہ کر سکے اور
 چند ایام پیشتر ہی وصال پایا۔ اور اپنے محبوب سے جا ملے۔ صورت
 امر صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غسل صحت کا دن ماہ صفر کا آخری
 پہار شنبہ تھا جس کے بعد وصال شریف تک آپ نے غسل صحت
 نہیں فرمایا۔ آپ تو اس دن صاحب فرارش ہوئے لیکن قبلہ
 حضرت صاحب نے جینا ہی گوارا نہ کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

علم غیب

آپ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی بین دلیل تھے۔ اکثر فرمایا کرتے کہ اگر کوئی منکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب میں آپ سے مباحثہ کرے تو اسے قلعہ گوہر سنگھ کا راستہ دکھا دیا کریں ہم انشاء اللہ اس کی تسلی کریں گے + پوشیدہ باتوں کو روز روشن کی طرح دیکھتے اور کمال یہ کہ سنت کا دامن نہ چھوڑتے + کئی دفعہ ہم جیسے کم ظرف دوستوں نے اصرار کیا کہ عرس کے موقعہ پر اتنے بڑے بڑے ساتیان بارش کی روک تھام کے لئے ہر سال کرایہ پینگواتے ہیں بارش وغیرہ تو ہوتی نہیں۔ حفظ ماتقدم کی وہاں ضرورت ہے جہاں تقدم غیب میں ہو۔ آپ سے بھلا کیا نہاں ہے۔ آپ پہلے سے ہی دیکھ لیا کریں تاکہ آپنی رقم بچ جائے۔ آپ ہم لوگوں کے ایسے کہنے کو بڑا جانتے۔ فرمایا کرتے نادان نہ بنو۔ ہر شے کو اس کی ظاہریت پر چھوڑو + اچھی خاصی گرم دھوپ میں کسی دوست کو ارشاد فرماتے کہ جاؤ دیکھو آؤ کہ دین محمدی پر لیں کھلا ہے یا بند اگر کھلا ہو تو ان کو فلاں فلاں مسودہ دے آنا۔ دوست کو ارشاد کی بجا اور ہی تو کرنی ہوتی لیکن اسے تامل اس بات پر ہوتا کہ یہ صاحب نظر یہاں سے ہی دیکھ کر کیوں نہیں بتا دیتا کہ پر لیں بند ہے یا کھلا۔ میرے ساتھ خود کئی بار ایسے مواقع پیش آئے۔ شروع شروع کے دن تھے۔ حکم بجا لاتا۔ دل میں گڑتا رہتا۔ ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ مغرب کے بعد سڑکیوں کے دلوں میں جب بارش اور آندھی اپنے پورے زوروں پر تھی اور میں اکیلا آپ کے پاس تھا۔ فرمایا کہ چمن سے نکل آیا ہے۔ اُس دوست کی والدہ کچھ بیمار رہتی ہے اس کے لئے دوائی منگوائی ہے۔ آپ بوری

سر پر اوڑھ لیں اور سائیکل لے کر آسٹریلیا دو خانہ سے جو یوے اسٹیشن کے قریب ہے فلاں فلاں ادویات لے آئیں۔ سائیکل کا ایسے طوفان میں چلانا دشوار تھا۔ لیکن امر کے تحت سائیکل لیا بوری لپٹی آپ نے کچھ نقدی بھی دی۔ دو خانہ سے دو عدد کیشی لایا۔ واپس جب حاضر ہوا تو دیکھ کر فرماتے لگے کہ غلط دوائی لے آئے ہو۔ وہ معجون جو تم لاتے ہو۔ درکار نہیں دوسری معجون لاؤ۔ اور یہ کام جلد ہی کر و صبح ان کو یہ دوائی پارسل کرنی ہے۔ چنانچہ پھر اسی بارش اور آندھی میں دوبارہ دو خانہ پہنچا۔ اپنا حال بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور فرمودہ دوائی لاکر دی مسکرائے اور فرمایا کہ ایک دوائی اور رہ گئی ہے۔ ہمیں اُس کا خیال نہ آیا۔ لگے ہاتھ تیسرا پھیلا بھی ڈال لیں اور یہ دوائی بھی خرید کر لائیں۔ میں حیران تھا کہ آج رات مجھ سے کیا ہو رہا ہے۔ ان شرابوں کیڑوں میں ابھی گھر بھی جانا ہے۔ خیر حسبِ ارشاد تیسرا چکر کاٹا آپ ایک چھوٹی سی مٹی کی انگلیٹی تخت پوش پر اپنے سامنے رکھے سیاہ کھیل اوڑھے شاہانہ انداز میں جلوہ افروز تھے۔ مجھے بٹھا کر ایک پیر و مرید کا قصہ سنایا کہ ایک مرید پیر کے لئے جنگل سے لکڑیاں لایا کرتا تھا۔ ایک روز لکڑی کاٹتے اس کے پاؤں کا انگوٹھا کاٹا گیا۔ تو انگوٹھے کو بھی ساتھ اٹھائے جنگل سے واپس مکان پر آیا۔ لکڑیوں کا گٹھ وہیں ڈال کر انگوٹھا بھی جو ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا پیر کی طرف پھینکا اور ہمیشہ کے لئے رخصت مانگنے کی مٹھان کر کہنے لگا کہ یہ لو انگوٹھا۔ میری ساری عمر کی خدمت کا صلہ۔ پیر صاحب امر تھا۔ انگوٹھا پکڑا اسے واپس بلایا۔ انگوٹھے کو لب لگا کر اس کی اصل جگہ جوڑ دیا اور فرمایا کہ اب آپ کو رخصت ہے۔ اس منزل میں اگر جان دے کہ سودا ہاتھ لگے تو بھی سستا ہے آپ ایک انگوٹھے کے علیحدہ ہونے پر ہی بدبم ہو گئے +

فرمایا کرتے کہ بہت سے دوست خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے کوٹ
 پتلون میں کوئی بل بھی نہ آئے اور انوارِ حقیقت صورتِ امیر صلی اللہ علیہ وسلم
 اور اسرارِ معرفت الہیہ ان کی جیبوں میں ڈالے جائیں + وہ میری
 اس زندگی کو دیکھ رہے ہیں جو ان کے سامنے ہے اور جو گزار چکا ہوں
 اس سے ناواقف ہیں + آپ کا ظاہر ہی شاہانہ ٹھاٹھ دیکھ کر دل تو ہر
 دوست کا چاہتا کہ ایسا بن جائے۔ لیکن اس شاہانہ ٹھاٹھ میں جو درویشی
 پنہاں تھی وہ کہاں سے لائے + بہت خوب صورت بید سے بنا ہوا
 تخت پوش سامنے بڑا میز ارد گرد کر سبیاں۔ ایک دن کسی امیر
 دوست نے خواہش ظاہر کی کہ قبلہ اگر اجازت دیں تو میں میز پر
 ٹیلی فون سٹ (set) کرادوں۔ تاکہ مقدور کھنے والے دوستوں
 کو ہم کلامی میں آسائش ہو جائے اور بوقت ضرورت آپ کے بھی
 کام آئے۔ فرمانے لگے شاہ صاحب جب ہمارا اندر والا فون کام
 نہ کرے گا تو لگوا دینا۔ ابھی اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے اس فون
 کے ہوتے کبھی کسی دوسرے فون کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی +
 سالانہ عرس پر چمن والے دوست آئے ہوئے تھے۔ صبح کا وقت
 تھا۔ انہوں نے درخواست کی کہ سرکار اگر اجازت دیں تو چند منٹ
 کے لئے یہاں باہر لاہور ہوٹل سے چمن فون کرائیں تاکہ بچوں کی خیریت
 وغیرہ معلوم ہو جائے۔ میں پاس ہی بیٹھا تھا فرمانے لگے کہ فون
 کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے رات پتہ کر لیا تھا۔ بخار والی بچی
 کو اب بخار نہیں۔ آپ کے چمن سے روانہ ہونے پر ہی ٹوٹ گیا تھا۔
 چمن والے دو دو دوستوں کو علیحدہ علیحدہ ان کے گھروں کی خیریت کچھ
 ایسے بیان فرما رہے تھے کہ فون و مراسلے تصدیق ہو رہے تھے۔
 وہ حیران تھے کہ ہم لاہور میں ہیں یا اپنے اپنے گھر چمن میں۔

نظم و ضبط

سارے عالم کا نظم و ضبط سنبھالنے والے کے لئے اپنے گھر کا کنٹرول ایک معمولی حیثیت رکھتا ہے۔ اس گئے گزرے زمانہ میں پر وہ ہی کو لے لیجئے کوئی شخص بھی الا ماشاء اللہ دعویٰ سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کے گھر پر وہ کا پورا پورا اہتمام ہے۔ بڑے بڑے عالم اور پیران طریقت کے گھروں کا حال جب سنتے ہیں تو سکوت اختیار کرنا پڑتا ہے اور سوائے اس کے کہ یہ ان کی آزمائش کی ایک حجت ہو اور کچھ نہیں کہہ سکتے + یہ بات ہم نے قبلہ حضرت صاحب کے گھر میں کبھی نہ دیکھی۔ حرم سرا کے اقدس اوپر والی منزل تھی۔ کیا مجال کہ کوئی غیر محرم خواہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اوپر جاسکے + اور موقع پر نہیں تو عموماً بیاہشت دیوں میں ضرور یہ مستورات بے پردگی کا شکار ہو ہی جاتی ہیں۔ ہم نے دو نوٹڑے صاحبزادگان کی شادیاں بھی دیکھیں۔ باجوں گاجوں والے میراثی۔ ڈوم وغیرہ بھی گلی میں آئے۔ لیکن اللہ اکبر اوپر والی منزل سے کبھی کسی دوست نے چلین بھی سرکستی نہیں دیکھی۔ کوئی دوست بتائے کہ آخر اس نے اپنی حاضر ہی کے دوران کبھی ان عفت کی شہزادیوں کو دیکھا۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ یہ سب کچھ اس مرد قلندر کا ہی تصرف تھا۔ ویسے عام انسان کے بس کی یہ بات نہیں + آپ کے دولتگدہ کے بالمقابل اسی گلی میں ایک ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر صاحب کا بالانخانہ تھا یہ صاحب عموماً اپنا زیادہ وقت قبلہ حضرت صاحب کی بیٹھک میں ہی گزارتے تھے۔ معمر۔ شریف الطبع و بنا دار و وضع کے آدمی تھے۔ اور دنیاوی تجربوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ میں نے

ان کی زبانی سنا کہ قبلہ حضرت صاحب کے گھر کی کوئی عورت ہم نے کبھی نہیں دیکھی اور حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ہم نے اس گھر سے کبھی کسی بچہ کے رونے کی آواز آج تک نہیں سنی۔ آخر آپ کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں اس گھر میں صغیر سنی کے زمانے میں رہے اور یہیں پلے پوسے آپ کی ساری کی ساری گھریلو زندگی قابل رشک تھی۔ مختصار کے پیش نظر آپ کے ایک ادنیٰ گھریلو تصرف کی مثال پیش کئے دیتا ہوں۔ ایک شام آپ کے پاس ایک مولوی صاحب بیٹھے تھے۔ رشتہ میں آپ کی بھاؤ جہ کے بھائی تھے۔ غیر محرم ہونے کے سبب ان کی رات کی رہائش کا انتظام بیٹھک میں ہی کرنا تھا۔ قبلہ حضرت صاحب نے انہیں بڑے بے تکلفانہ انداز میں پوچھا کہ حضرت رات کو کیا کھائیں گے تاکہ وہی چیز پکوائی جائے۔ اس نے بھی بے تکلف لہجے میں جواب دیا کہ ہمارا ہی مرضی کون کرے گا یہ تو گھر والی کی مرضی پر ہے جو کھلا دے آپ نے فرمایا آپ بولیں تو سہی۔ گھر والوں سے بھی پوچھ لیں گے۔ خیر اس مولانا صاحب نے کہا کہ مچھلی کھانے کو جی چاہتا ہے۔ بات ختم ہوئی۔ اتنے میں اوپر سے بشیر خادم کوئی چیز بازار سے خریدنے کے لئے اٹرا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اوپر واپس جاؤ اور اپنی اماں جی سے پوچھ کر تاؤ کہ آج کیا پکانا ہے۔ بشیر صاحب اوپر چلے گئے اور واپس آکر کہنے لگے کہ اماں جی کہتے ہیں کہ مچھلی لادیں آپ مسکرائے اور ان مولانا صاحب کو کہا کہ دیکھا ہمارا تصرف آپ خواہ مخواہ ڈر رہے تھے۔ گھر والوں نے بھی وہی کہا جس کی آپ کو خواہش تھی۔ مولانا صاحب کچھ اس معتمہ سے حیران ہوئے۔ میں اس وقت حاضر خدمت تھا۔ جان گیا کہ یہ سب تصرفات کی برکات ہیں جو آپ کی معرفت اس گھر پر نازل ہو رہی ہیں +

ساری کی ساری اولاد آب ماشا اللہ جوان ہے بعد اپنی اپنی ذمہ
 داریاں اٹھائے ہوئے ہے۔ سب میں جو ہر شرافت نمایاں اور ان
 کا انداز گفتگو کچھ کچھ حضرت صاحب سے موافقت رکھتا ہے + آپ کی
 حیات طاہرہ میں سوائے دو بڑے صاحبزادگان کے باقی اولاد کم سن ہی تھی
 اماں جی رحمۃ اللہ علیہا کو بچوں کی دیکھ بھال کے علاوہ روزانہ آئے گئے
 دوستوں کی خاطر داری ان کے لئے کھانا و چائے وغیرہ تیار کرنی شکوہ سنج
 عورتوں کی دلجوئی۔ ان کے ساتھ حسن سلوک یہ سب کچھ کرنا پڑتا۔ اس محلہ کی
 ایک خادمہ مانی گا ماں آپ کا کبھی کبھی ہاتھ بٹاتی جس کا نان و نفقہ بھی قبلہ حضرت
 صاحب کے ذمہ تھا۔ یہ دونو عورتیں گھر کا انتظام کچھ اس طریقے سے سرانجام
 دتیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا۔ پانچ دوستوں کے لئے چائے آگئی ہے۔
 دس اور آگئے ہیں تو ان کے لئے بھی تیار شدہ چائے اوپر سے لائی جا رہی
 ہے کھانا کھانے والے کو بروقت کھانا مل رہا ہے۔ مانی گا ماں کو تو سعادت
 حجاج نصیب ہوئی اور اماں جی رحمۃ اللہ علیہا کو دن جمعۃ المبارک اور مہینہ
 رمضان المبارک میں اپنے پاس بلایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
 اور قیامت تک کے لئے حساب و کتاب سے بے نیاز کر دیا۔ آپ کا
 مزار شریف بھی ہجر وال قبلہ حضرت صاحب کے جوار میں ہی ہے۔ جیسی
 مشقت ویسا اجر۔ اس اجر و مشقت کے تحت آپ سے ایک منقول
 واقعہ بھی لکھ دیتا ہوں۔ ایک دفعہ سالانہ میلاد شریف پر میں آپ کی
 معیت میں موضع سمسانی گیا۔ عصر کا وقت ہوگا۔ آپ ایک بڑے
 پلنگ پر رونق افروز تھے اور میں احاطہ میں ایک علیحدہ چارپائی پر بیٹھا
 تھا۔ آپ کے ارد گرد گاؤں کے لوگ اپنی اپنی حاجتیں پیش کر رہے
 تھے۔ میں نے دیکھا کہ ساتھ والے احاطہ میں ایک مانی بھنیس کا دودھ
 دھو رہی ہے۔ اسے دودھ دھوتا دیکھ کر میرا خیال اپنے آبائی گاؤں

کی طرف جہاں سے پاکستان بننے پر ہم لوگ مہاجرین کو یہاں آئے تھے لوٹا۔
والدہ مرحومہ اپنی بھینس اور اُن کا وودھ دوہنا وغیرہ وغیرہ جو دل میں
آیا تو آنکھیں بھی تر ہو گئیں۔ قبلہ حضرت صاحب نے یہ دیکھ کر مجھے پاس
بلایا اور حال دریافت کیا عرض کرنے پر آپ نے ایک بڑی عمدہ کہانی
مجھے سنائی۔ فرمانے لگے کہ ایک عورت حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب
گولڑہ شریف والے کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کرنے لگی کہ کیا یہ
سچی حدیث ہے کہ ایک بچہ جنتی عورت نماز کا وقت پائے اور وہ اُس
حالت میں ہو کہ بچہ کا کچھ حصہ ابھی جسم سے باہر نکلنا ہو تو اُسے چاہیے کہ
گڑھا کھود کر یا ایسی جگہ جہاں بچہ کا حصہ سما سکے بلٹھی بلٹھی ہی نماز ادا کرے
آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ حدیث شریف بالکل صحیح ہے۔ عورت بولی
کیا یہ حدیث کسی مرد کی زبان سے ہے یا عورت کی۔ آپ نے فرمایا
کہ یہ حدیث شریف سید البشر صورت امیر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔
عورت بولی تبھی تو۔ اگر کسی عورت سے ہوتی تو ایسا ہرگز نہ کہتی۔ یہ سنکر
قبلہ مہر علی شاہ صاحب کے چہرہ انور کا رنگ غصہ سے متغیر ہو گیا۔
فرمانے لگے کہ اُس مرد کی حدیث ہے جو تمہارے اور سارے عالم کے
لطفوں سے واقف ہے۔ جو کائنات کا بیج ہے۔ تمہیں کیا خبر کہ اس نماز
کا اجر و ثواب کیا ہے۔ اگر جان جائے تو اس کے مقابلے میں مشقت کا عدم
ہو۔ آپ فقط ایک بھینس کا خیال لا کر منگوم ہو رہے ہو۔ آپ کو معلوم
ہونا چاہیے کہ ہجرت جیسی سنت اللہ عزوجل نے آپ لوگوں کے
نصیب میں دے دی۔ اور بغیر کوئی خاص محنت شاقہ اٹھائے آپ
اس ثواب کے حق دار ہو گئے۔ اگر وطن چھوڑا ہے تو ابتداء سنت میں
ہجرت مل گئی ہے۔

دیارِ حبیب

جیسا کہ کہیں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آپ سے والہانہ محبت کا فوری
 اجر حج بیت اللہ و زیارت گنبد خضرا تھا۔ عشق کے دعویدار کو اپنے وطن
 کی زیارت ضرور کراتے۔ فرمایا کرتے کہ اگر کسی کے مکان پر صاحب خانہ
 کو ملنے کے لئے جائیں اور صاحب خانہ نہ ملے تو مایوسی ہوتی ہے۔ اسی طرح
 بیت اللہ شریف کی زیارت بعینہ دیدارِ حقیقت امر نہ ہی حاضر ہی
 ہوگی اور روضہ اقدس کی زیارت اگرچہ موجب شفاعت صورت امر
 صلی اللہ علیہ وسلم ہے لیکن اگر گنبد خضرا کے مکین کا دیدار ہو جائے تو آگ
 سے نجات کی سند ہے۔ اور شفاعت اور سند کا فرق ہیں۔ آپ
 کے حج کا زمانہ ہم دوستوں کی دستگیری سے بہت پہلے کا تھا۔ آپ نے
 جوان عمر میں حج کا فریضہ ادا کیا یہ کوئی ۱۹۲۵ء کا ذکر ہوگا۔ اس زمانہ میں حج
 کا سفر جدہ کے آگے تمام کا تمام اونٹوں پر ہوتا تھا۔ آپ کبھی کبھی اپنے
 حج کا سفر بیاں فرمایا کرتے تھے جن میں سے ایک واقعہ مکہ معظمہ اور
 ایک واقعہ مدینہ منورہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ مکہ معظمہ میں آپ کے ہمراہ
 کوئی مولوی عبدالرحمن صاحب امرتسری بھی تھے۔ ایک دن چلتے
 چلتے یہ مولوی صاحب مکہ معظمہ کے بازار میں ایک دوکان پر تسبیح خریدنے
 ٹھہر گئے تسبیح کی خریداری میں تقاضا بڑھتا بڑھتا لڑائی تک پہنچ گیا۔ مالک نے
 جو قیمت بتائی وہی لیتی تھی کیونکہ وہ قیمت بتاتے وقت آخر میں کلامِ واحد
 کے الفاظ بول دیا کرتے ہیں ادھر مولانا صاحب نے کوئی دس گناہ کی
 قیمت بتائی جس سے وہ عرب صاحب بگڑ بیٹھے اور لگے عربی میں گالیاں
 دینے۔ مولانا صاحب کو اور گالیوں کی تو سمجھ نہ آئی لیکن جب عرب

نے کہا کہ انت لافحابی - انت کافر تو مولانا صاحب نے غصہ میں اسے ایک مگنا مارا۔ قبلہ حضرت صاحب فرمانے لگے کہ جب ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ ابھی تک مولانا صاحب آئے نہیں تو معلوم ہوا کہ دوکان پر ہی گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ ہم واپس آئے ان کو چھڑایا مولانا صاحب اور پھر وہ بھی پنجابی بھلا کہاں رُکے میں نے اسے آہستہ سے علیحدہ کر کے کہا کہ دیکھو بھئی اس زمانہ کی طرف خیال کرو جس زمانہ میں اسی شہر میں رحمتہ اللعالمین جلوہ افروز تھے۔ ان لوگوں کی طبیعت اُس وقت کتنی سخت ہوگی اور آپ نے اُن میں کیسے گذار ہی ہوگی۔ اور نہ سہی یہ ہی خیال کر لو کہ آخر یہ لوگ بیت اللہ شریف کی ہمسائیگی کا حق رکھتے ہیں۔ مولانا صاحب کی سمجھ میں بات آگئی فوراً اس عمری دوکان دار سے معافی مانگی۔ تسبیح کے منہ مانگے دام دئے اور بھرت ہوئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ حسن محبوب کا اپنا ہوتا ہے اس کی مرضی پر ہے چاہے نقاب ڈال لے یا اٹھا ڈالے۔ مواجہ شریف کے سامنے حاضر ہی کے لئے دست بستہ کھڑا تھا۔ رحمت عالم جوش میں آئی۔ درون خانہ کے پردے اٹھائے گئے اور مجھے اندر آنے کی اجازت بخشی گئی۔ میرا جسم بے حس ہو کر دھڑم سے گر گیا۔ ساتھ والے احباب اس فکر میں کہ یہ کہیں جان سے نہ جائے اور میں

ز درون خانہ گفتم
کی کیفیت لئے ہوئے شریک محفل۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ میں تلوار سنبھالے ہوئے پاسبانی کے منصب پر فائز تھے۔ مجھے ابھی تک اُن کے رعب و ارالفاظ ”چلو اندر“ کی صدا سنائی دیتی ہے۔ میری حاضر ہی کی مدت کوئی تقریباً آدھ گھنٹہ رہی اس عرصہ

تک دوست میرے جسم کو طرح طرح سے ادا لیتے بدلتے رہے جتنے کہ میں
اُس نورانی محفل سے سرشار واپس آیا۔ وہاں جو باتیں ہوئیں قبلہ حضرت
صاحب نے میری نااہلی کے سبب بیان نہیں فرمائیں۔ اور میں انہیں
فاوچی علی عبدالہادی کا درجہ دیتا ہوں۔ اور یہ انتہائی درجہ
کی بلندی ہے۔ ذرا احباب قبلہ حضرت صاحب کے اس قول کو ذہن
میں رکھیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی فعل نہ اپنی نجات اور نہ اپنی
مناجات کے لئے ہوتا ہے بلکہ ہر فعل تعلیم اُمت کے لئے ہے۔ صورت
امر صلی اللہ علیہ وسلم ہر شئی سے بے نیاز ہیں اگر معراج کی بلندیوں پر گئے
تو ہمیں تعلیم دینے کے لئے کہ میری اتباع میں سبحات اُلذی
اسری بعبدہ اب بھی جا رہی و ساری ہے اسی طرح مادھی
علی عبدالہادی کی کیفیت میری اتباع میں اب بھی پوشیدہ
ہے۔ قبلہ حضرت صاحب پر یہ دونوں مقام علیحدہ علیحدہ اپنی اپنی جگہ
آنے جو مختصراً بیان کر دئے گئے ہیں۔

وہ میرا رونق محفل کہاں ہے
میرا بجلی میرا حاصل کہاں ہے
مقام اس کا ہے دل کی خلوتوں میں
خدا جانے مقام دل کہاں ہے

یہ تھا اُن کا وہ زمانہ جب انہوں نے حج کیا اور جس زمانہ میں مجھے وابستگی
کی سعادت حاصل ہوئی آپ حج کرا یا کرتے تھے۔ معراج شریف کی
رات تھی۔ نماز عشاء کے بعد کافی رات گئی اپنے والدین اور بیوی
بچوں میں بیٹھا انہیں اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی منظوم نعت
شریف ”شب اسرا کے دولہا“ وضاحت سے سنا رہا تھا جب
آخری مصرع ہے

سے ہمیں بھی ان خلعتوں سے حصہ ہو خاص رحمت کے واں بٹے تھے
 پہنچا تو سینہ میں اک ہوک سی اٹھی ضبط کیا اور گھر والوں کو سر ہونے
 نہ دیا۔ عین اسی وقت چمن میں میرے ایک دوست کے دل میں خیال
 آیا کہ حج کی درخواستیں مطلوب ہیں کیوں نہ ہو قبلہ حضرت صاحب -
 اماں جی اور آپ کے صاحبزادے تاج میاں بحیثیت خادم اور ادھر
 چمن والے دوست اس کی والدہ اور میں بحیثیت خادم سب کے سب
 حج کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ فوراً اسی رات اسی مضمون کا ایک تاج چمن
 سے قبلہ حضرت صاحب کے نام روانہ کر دیا۔ دوسرے دن دفتر میں
 چھٹی تھی علی الصباح میں قلعہ گوجر سنگھ حاضر خدمت ہوا۔ آپ ابھی
 اوپر سے تشریف نہیں لائے تھے۔ جب اترے مسکرائے اور
 تخت پوش پر رونق افروز ہوئے۔ ابھی ایک منٹ بھی نہ گزرا ہوگا
 کہ ایک ڈاکیہ اندر داخل ہوا سلام کے بعد اس نے تار والا لفافہ قبلہ
 حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اسی منکر اسٹ
 میں لفافہ بغیر کھولے میری طرف کر دیا اور فرمایا کہ پڑھو اس میں کیا
 ہے۔ مندرجہ بالا مضمون انگریزی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ میں پڑھتا
 جانا تھا اور خوشی میں پھولا نہ سمار پاتا تھا۔ آپ بار بار ایک تجاہل عارفانہ
 سے پوچھ رہے تھے کہ آخر شاہ محمد صاحب چمن والے کا کیا ارادہ
 ہے۔ درخواستوں کی آخری تاریخ قریب آگئی ہے۔ آپ نے مجھے
 ایک پانچ روپے کا نوٹ دیا اور فرمایا کہ اُسے فون پر بوضاحت
 پوچھ لیں کہ اس تار کا کیا مطلب ہے۔ ہم یہاں پنجاب میں بیٹھے درخواستیں
 دیں اور پھر اس کو چمن بھیجیں۔ وقت گزر جائے گا۔ خیر شام کو چمن
 فون کیا جواب میں بتایا گیا کہ بالوضاحت خط لکھ دیا ہے انتظار کریں۔
 قصہ مختصر مجھے حکم ہوا کہ درخواست مکمل کر کے چمن بھیج دیں ہمارا ارادہ

اس سال حج کا نہیں ہے۔ میری درخواست تمام مراحل طے کرتی حج
 بکنگ آفس میں ایک ماہ دیر سے پہنچی اور بوجہ دیرمی کے دفتر داخل
 کی گئی۔ قرعہ وغیرہ میں نام نہ نکلا کراچی سے کسی تاجر نے چمن والوں
 کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز نشستوں کا بندوبست کرا دیا اور انہیں
 اطلاع کر دی۔ چمن والے دوست نے مجھے بھی خط لکھ دیا کہ ہوائی جہاز
 میں انتظام ہو گیا ہے لہذا آپ بھی تیار ہو جائیں۔ لاہور سے ہی اسٹیشن
 ہو کر جانا تھا۔ شاہ محمد صاحب اس کی والدہ اور میں تینوں لاہور
 ریلوے اسٹیشن پر کراچی جانے کے لئے گئے قبلہ حضرت صاحب بھی
 ہمیں رخصت کرنے اسٹیشن پر تشریف لے آئے۔ میرا تذبذب
 دور ہوا۔ کہ اب ضرور ارض مقدس پہنچ جاؤں گا۔ کراچی جانے پر معلوم
 ہوا کہ ہوائی جہاز میں کوئی جگہ نوکر کے لئے علیحدہ نہیں ہوئی اور مجھے بتایا
 گیا کہ میری درخواست تو ویسے ہی کسی کارروائی کے بغیر فائل ہو چکی ہے
 کیونکہ بروقت نہ تھی۔ کراچی میں پورے چودہ دن مقام حیرت میں گزارے
 قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھ دیا کرتا۔ معراج کی رات والی
 کیفیت اور قبلہ حضرت صاحب کا ریلوے اسٹیشن لاہور پر تشریف لانا
 تسلی بلکہ یقین کا باعث بنتے پندرہ دن خدا خدا کر کے میرا نام بھی آگیا
 اور میں چمن والوں سے ایک روز پہلے ارض مقدس میں پہنچ گیا۔ وہاں
 جو ہوا اس کی ڈائری ایک علیحدہ کتابچہ کی شکل میں لکھ دی ہے۔ شاید
 طبع ہو جائے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہم دونوں بھائی اکثر قبلہ
 حضرت صاحب کا ذکر چھپڑ دیتے اور کہتے کہ افسوس کرتے تھے کہ پیر
 مرید سے پہلے حج و زیارت کے لئے پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ ہمیں قبلہ حضرت
 صاحب یہاں کہیں نہیں ملے۔ دور سے کوئی شخص قبلہ حضرت صاحب
 کی شہادت کا نظر آتا تو ارادہ اس تک پہنچنے تاکہ تصدیق ہو جائے اور

کوئی مغاٹہ باقی نہ رہے۔ ڈیڑھ ماہ گزرنے کے بعد واپس پاکستان آئے
لاہور ریلوے اسٹیشن پر ہجوم سے ایک طرف قبلہ حضرت صاحب کھڑے
تھے۔ میں گاڑی سے اتر اقدم بوسی لی اور انتہائی مسرت میں رقت طاری
ہو گئی۔ یہ میری زندگی کا پہلا اور آخری سعادت مند روز تھا۔ اسٹیشن
سے سیدھے بجائے گھر جانے کے قلعہ گوجر سنگھ در اقدس پر پہنچے۔
چمن والے دوستوں کے کھانے کی دعوت قبلہ حضرت صاحب کے ہاں
مختی میں بھی بھینٹ خادم شریک دعوت تھا۔ میں نے دیکھا کہ قبلہ
حضرت صاحب نے ہر دوست سے جو اس سال حج کرنے گیا تھا اس
کی کہانی سنی۔ لیکن جب میں کوئی وہاں کی بات کہنے کی اجازت مانگا تو
آپ مجھے خاموش کر دیتے۔ وجہ نامعلوم۔ آخر میں نے ایک روز بھائی
شاہ محمد صاحب چمن والے سے کہا کہ آپ ہی پوچھ دیں کہ دیار حبیب
صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا آپ نے ہمارا ساتھ دیا۔ جب بھائی شاہ محمد
صاحب نے یہ بات دریافت کی تو اسے فرمایا۔ کہ کیوں نہیں ہم آپ کے
ہر وقت ساتھ تھے۔ تصدیق کے پیش نظر فرمایا کہ مدینہ منورہ جاتے
وقت راستہ میں مقام بدر پر جب آپ کی لاری بعد دوپہر آرام کرنے
کے لئے ٹھہری تو آپ دونوں کی پانی والی کارینر پر نہانے کے لئے گئے
نہانے کے بعد آپ دونوں ساتھ والی سچی مسجد میں نماز ظہر کے لئے داخل
ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ دونوں نے تلاوت شروع کر دی۔
کیا آپ نے وہاں نہیں دیکھا کہ دو آدمی آپس میں کچھ عربی زبان میں باتیں
کرتے تھے۔ شاہ محمد نے کہا کہ حضور یہ سب کچھ کیا اور دیکھا۔ فرمایا کہ
وہ دو شخصیتیں صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم۔ احد صاحب امر ابو بکر صدیق
رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے شاہ محمد صاحب نے یہ بات قبلہ حضرت صاحب
سے سن کر مجھے بتائی۔ دوسرا واقعہ جو آپ نے اپنی معیت کافر یا وہ یہ تھا

کہ مدینہ منورہ میں ہر شام ہم سارے پیر بھائی حضور علیہ السلام کے قدم
 میمنت لڑوم کی بجانب جالی سے ہٹ کر مسجد کی دیوار کے ساتھ کھڑکی کے
 نیچے بیٹھا کرتے اور روضہ اقدس کو رو بہ رو رکھتے ہم دیکھا کرتے کہ دو
 شخص روزانہ عین جالی کے قریب بیٹھے تسبیح پھیرا کرتے ہیں اور ہماری
 طرف دیکھ کر کبھی کبھی مسکرا بھی دیا کرتے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحب نے
 یہ واقعہ بھی شاہ محمد صاحب کو بیان فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ تم سب
 دوست ان دو شخصیتوں کو دیکھ کر حیران بھی ہوتے تھے کہ یہ کیسے جالی
 کا قرب حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اور شرقی وغیرہ ان کو یہاں سے کیوں نہ
 اٹھاتے۔ ان میں سے ایک صدیق اکبر اور دوسرے فاروق اعظم
 رضوان اللہ تعالیٰ علیہما تھے ان کا وجود باوجود صرف آپ کو نظر آ رہا تھا۔
 شرقی وغیرہ یا دوسرے لوگوں کی نظروں سے وہ شخصیتیں اوجھل تھیں۔
 سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر
 ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
 صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کی لاٹولی تصویر یہ صاحب امر اپنے
 ولایت شدہ اختیارات سے اپنے دوستوں کو حج کے پاسپورٹ عطا
 فرماتا۔ میں نے ایک دوست کو جو ایک دیہات کا رہنے والا تھا اور
 میرے ہی آبائی گاؤں کا باشندہ تھا قبلہ حضرت صاحب کے سامنے
 حج کے لئے تڑپتا دیکھا۔ یہ صاحب میری معرفت و اہل سلسلہ ہوا تھا۔
 مجھے بھائی شاہ محمد صاحب سے خط آچکا تھا کہ ہوائی جہاز میں کام بن
 جائے گا۔ اور اسے اس کا علم ہو چکا تھا کہ یوسف حج کو جا رہا ہے اور
 میں قرعہ میں نام نہ لگانے کی وجہ سے رہا جا رہا ہوں۔ ایک صبح قبلہ
 حضرت صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ یہ صاحب بھی آگئے۔ اندر داخل
 ہوتے ہی زار و قطار چھین مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ اور بجائے

کرسی کے تحت پوش کے ساتھ قبلہ حضرت صاحب کی جوتیوں میں ہی
 بیٹھ گئے قبلہ حضرت صاحب اپنے انداز میں اُسے تسلی فرماتے رہے
 لیکن اُس کا سیلاب ٹھمتا نظر نہ آیا۔ فرمانے لگے کہ اگلے سال کے لئے منظوری
 لے لی ہے۔ صبر کرو۔ لیکن یہ ہمارا بھائی اپنے نالوں کو اور رہ ساکرتا گیا آخر
 اس کے نالے کنگر استغنا سے جا ٹکرائے۔ رحمت عالم جوش میں آگئی لگھیں
 بند کئے ہوئے ہی فرمایا کہ چپ ہو جاؤ کام پھب گیا ہے۔ کراچی چلے جاؤ
 تب جا کر یہ صاحب کہیں خاموش ہوئے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کوئی ایک
 ہفتہ عشرہ ہمارے مکہ منظر پہنچنے کے بعد ایک دن باب عمر کے قریب
 میں نے دیکھا کہ یہ صاحب اکیلے کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھ کر بغلیں ہوئے
 اور خوب روئے اپنی ساری داستان سنانی کہ کیسے کیسے قبلہ حضرت
 صاحب کے تصرف نے کراچی میں اسے بھری جہاز میں جگہ دلانی۔ اور
 یہاں تک پہنچایا۔ اپنی عمر شریفہ کے آخری سال یعنی ۱۹۵۵ء میں آپ
 نے ارادہ فرمایا کہ اس سال حج بیت اللہ شریف کے لئے درخواست
 دینی ہے۔ حج کے فارم بھی لائے گئے اور ہم سے پتہ بھی کرا لئے گئے۔
 مجھے فرمانے لگے کہ کوئی ایسے فارم نہیں ہیں کہ ہمیشہ کے لئے وہاں
 سکونت اختیار کی جائے۔ یہاں پاکستان میں اب دل نہیں لگتا۔
 میں نے عرض کیا کہ سرکار وہاں جا کر یہ بند و بست ہو سکتا ہے۔ لیکن
 بات کوئی میری سمجھ میں آتی نظر نہ آئے کہ آپ نے جانا بھی ہے یا کہ
 نہیں۔ کبھی آپ وہاں کی کھلی فضا کا ذکر کر دیں۔ کبھی فرمانے لگیں کہ
 کہ وہاں کا جو صدر معلم ہے وہ ہمارا دوست ہے۔ میں پھر بھی نہ سمجھ
 سکا۔ میری تحویل میری عقل کے مطابق۔ اس سال میں کسی دوست
 کو ایک بڑی کوٹھی خریدنے کے حکم میں لگا دیا۔ کہ ارادہ ہے کہ اس سال
 کوئی بڑی کوٹھی خرید کر لیں تاکہ کھلی فضا مل سکے۔ اور یہ جگہ چھوڑ دیں۔

یہاں تنگی محسوس کر رہے ہیں۔
 سالانہ جلسہ قریب آ رہا تھا۔ دعوت ناموں میں کسی ایک
 اجاب کو مجھ سے لکھوایا کہ آپ کی حاضری جلسہ میں ضروری ہے ہم
 دوبارہ آپ کو آنے کی تکلیف نہ دیں گے۔ اس سال ضرور آنا۔ شاید
 ہم جلسہ کے بعد ارض مقدسہ میں ہمیشہ کے لئے رہائش کا انتظام کر لیں۔
 اور وہاں چلے جائیں۔

بلا و مسرت

عید الفیضے کا دن تھا۔ میں قربانی وغیرہ سے تقریباً ۱۲ بجے ہی
 فارغ ہو چکا تھا۔ قبلہ حضرت صاحب کے حصّہ کی ران لپیٹی اور اپنے ایک
 دوست بھائی فضل الرحمن صاحب کے ساتھ قلعہ پہنچا۔ ہم نے دیکھا
 کہ قبلہ حضرت صاحب خاموش سر جھکائے بجائے تخت پوش کے
 پنکھے کے نیچے چار پائی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ چند ایک اور شہری دوست
 بھی نیچے اور کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور وہ بھی خاموش ہیں ہم کچھ حیران ہو کر
 سلام و مصافحہ کے بعد ان دوستوں کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ معلوم ہوا
 کہ صبح سے آپ کا صاحب زادہ (بڑے سے چھوٹے) کسی خانگی ناراضگی
 کے باعث گھر سے غائب ہے اور ابھی تک نہیں آیا۔ ابھی ابھی چند ماہ
 پہلے اس کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی بیوی اور ہمشیرگان
 کو اسی وجہ سے بے ہوشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ اماں جی کا حال بھی
 بھی بچہ کو عید کے دن گھر نہ پانے سے خراب ہے۔ قبلہ حضرت صاحب
 بڑی آہستگی سے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ایک دوست کو فرما
 دیں کہ آپ دریائے راوی کے کنارے جا کر دیکھیں۔ پھر دوسرے

دوست کو نہر کے کنارے دیکھنے کا کہیں۔ اسی طرح چند دوستوں کو شہر کے علیحدہ علیحدہ مقامات پر بچے کی تلاش کے لیے بھیج دیا۔ آخر ہم دونوں کو فرمایا کہ آپ ریڈ سے اسٹیشن اور یارڈ وغیرہ میں جا کر تلاش کریں۔ ان مقامات سے ہی ہم دونوں نے اندازہ لگایا کہ بچہ معزور گھر پر اپنی خودکشی کا ارشاد کر گیا ہوگا۔ تبھی تو راوی۔ نہر اور یارڈ وغیرہ کی طرف دوستوں کو بھیجا جا رہا ہے۔ کوئی دوست بوسلے کہ قبلہ آپ بابا جی سے پوچھ لیں۔ فرمائے گئے کہ ہم نے تو بڑی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عرض کر دیا ہے کوئی جواب نہیں ملتا۔ عجیب ماحول تھا اس دن کا۔ طرح طرح کے خیالات دل میں گزرتے۔ تبھی حضرت امیر صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ افک و مانع میں آتا۔ کبھی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی ابتلائیوں دل میں گزرتیں کبھی سورہ یوسف علیہ السلام کی تفسیر میں نظر دوڑاتا۔ لوگوں کے گم شدہ بچوں کی نشاندہی کرنے والا بلکہ ان بچوں کو ان کے گھروں تک پہنچانے والا ایسی ابتلائیوں میں آتا دیکھا کہ شعور کوئی نتیجہ نکالنے سے معذور ہو گئے۔ حسب ارشاد ہم دونوں بھائی ریڈ سے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ پیٹک پل کے درمیان جا کر سارے یارڈ کا اندازہ لگایا۔ قلیوں وغیرہ سے بھی پوچھا کہ آج کے دن یہاں کوئی خاص سانحہ تو رو پذیر نہیں ہوا۔ پوری تسلی کر کے بیک وقت دونوں کے مانع میں خیال آیا کہ یہاں بس پر سوار ہو کر سیدھے شمالاً مار باغ پہنچیں شاید صاحبزادہ ادھر چلا گیا ہو۔ کوئی دو تین بجے دوپہر کا وقت ہوگا۔ سخت گرمی تھی مانع کے پڑنے سے دروازے سے سیدھے ابھی پہلی منزل والا راستہ آدھا طے کیا ہوگا کہ باتیں جہاں تک ایک درخت کے سائے تلے صاحبزادہ صاحب اکیلے پیٹھے پائے گئے۔ دانستہ انکے پاس سے گزر گئے تاکہ ان کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ میری ہی تلاش میں

آتے ہیں۔ کچھ آگے جا کر مڑے اور ان سے کچھ ایسے گویا ہوئے کہ انہیں یقین آ گیا کہ ہم دونو ویسے تفریح طبع کے لئے ہی باغ میں آئے ہیں۔ ان کی بھوک کا احساس کرتے ہوئے ہم نے خود ہی بھوک کا ذکر شروع کر دیا اور آخر یہ ٹھہرا کہ یہاں مثل پورہ میں ہی بھائی فضل الرحمن کے گھر کھانے کا انتظام کریں۔ بھوک تو انہیں کافی لگ چکی تھی وہ بھی رضامند ہو گئے۔ یہ شرم و حیا کا پتلا نہ ہم سے اپنی گھر بیونا ناراضگی ظاہر کر سکے اور نہ ہی ہم انہیں اس جانب آنے دیں۔ بس پر سوار ہو گئے اور آہستہ سے کٹھکٹر کو کہہ دیا کہ تین ٹکٹیں قلعہ گوجر سنگھ کی کاٹ دیں۔ صاحبزادہ صاحب کچھ قلعہ گوجر سنگھ کا نام سن کر حیران سے تو ہوئے لیکن حیا اٹھے آئی کیا کہیں کہ ہم گھر سے ناراض ہو کر آئے ہیں۔ دل ہی دل میں سب کچھ لئے خاموش بیٹھے رہے قلعہ گوجر سنگھ جب بس سٹاپ پر اترے تو آپ بھی ہمارے ساتھ ظاہری طمانیت لئے ہوئے ہوئے۔ ہم دونو دوست بٹھک میں داخل ہوئے۔ بچے کی خوش خبری دی۔ چہرہ انور چمکا۔ کوئی شام کے پانچ چھنچ چکے تھے۔ گھر جانے کی اجازت مانگی۔ فرمانے لگے کہ صبح کا آٹا گوندھا پڑھا ہے۔ آپ پکنا شروع ہوا ہے۔ کھانا کھا کہہ ہی جائیں۔ لیکن ہم دونو دوستوں نے پہلے ہی سے تہیہ کر لیا تھا کہ ان اجدی الٰہی اللہ رب العالمین کو مضبوطی سے تھامے رکھنا ہے۔ اور کھانے وغیرہ کی طرف نہیں آنا۔ دعائیں لیتے گھر پہنچا۔ والدین کو بگڑایا یا کہ عید کے دن گھر سے غائب۔ ادھر ادھر کا بہانہ بنا کر ان کی تسلی کی مجھے مرزا صاحب مرحوم کے الفاظ یاد ہیں۔ ایک دفعہ کسی سفر میں آپ نے کہا کہ مجھے قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں کوئی بیچیس سال ہو گئے ہیں یہی تمنا رہی یہ کسی وقت ایک لمحہ کے لئے

بھی یہ ہستی مجھ سے خوش ہو جائے۔ لیکن میں اس طویل مدت میں
 کوئی ایسی گھڑی نہ پاسکا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کی تھانیت میں
 کہیں کہیں پیر و مرید کی خصوصیات لکھی ہیں ہوتی ہیں۔ ایک جگہ فرماتے
 ہیں کہ مرید وہ جو پیر کو ایک پل کے لئے اپنے سے جدا نہ سمجھے اور
 پیر وہ جو ہر آن مرید کے ساتھ رہے۔ الفاظ تو نہایت سادہ ہیں لیکن
 ساری شیخی کا پھوٹا ہے۔ پاکستان ابھی معترض وجود میں نہ آیا تھا۔
 دو ایک ماہ پہلے کی بات ہے کہ مجھے اپنی بیوی کی بیماری کے سلسلہ
 میں اسے معائنہ کے لئے میڈیہ ہسپتال لے جانا پڑا۔ ہندو مسلم فساد
 کی گڑبڑوں پر تھی ہم گڑھی شاہو سے ٹانگہ پر سوار شملہ پہاڑی سے
 ہوتے ہوئے ہسپتال پہنچے۔ لیڈی ڈاکٹر سے معائنہ وغیرہ کے
 بعد جب فارغ ہوئے تو خیال کیا کہ یہاں سے ٹانگہ وغیرہ تو ملا نہیں
 چلو سیدھے ریلوے روڈ سے ہوتے جائیں۔ اسلامپہ کالج کے
 پاس ہمارے ایک رشتہ دار ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اسے ملتے
 جائیں اور وہاں سے قلعہ گوجر سنگھ قبلہ حضرت صاحبؒ کی خدمت
 میں بھی حاضر ہی ہیں۔ دونوں پیدل ریلوے روڈ والے بازار سے
 گزرنے لگے۔ میرے سر پر لال رومی ٹوپی تھی اور بیوی برقعہ میں۔
 وہ سارے کا سارا بازار ہسپتال سے لے کر امرت دھارا بلڈنگ
 بلکہ اسلامپہ کالج تک ہندو دوکان داروں کا تھا۔ بعد میں یہ
 بھی معلوم ہوا کہ اسی صبح امرت دھارا بلڈنگ کے قریب والے
 گوردوارے میں کوئی سکھ کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہوا تھا جس
 کی وجہ سے وہاں کافی سکھ بھی موجود تھے۔ ہم دونوں کو اس بات
 کی کوئی خبر نہ تھی۔ بازار سے گزرتے وقت میں نے دیکھا کہ سب
 کے سب دوکان دار ہمارے ہی طرف عجیب نظروں سے دیکھ رہے

ہیں۔ میں نے سمجھا کہ میں اس بازار میں اکیلا برومی ٹوپی پہننے ہوئے
 جا رہا ہوں یہ مہندروں کا بازار ہے شاید مجھے اس خیال سے دیکھ رہے
 ہوں کہ یہ مسلمان ہے۔ ابھی امرت دھارا بلڈنگ تک ہی پہنچے
 تھے کہ بازار کی دوسری طرف سے ایک سکھوں کا گروہ ہاتھوں میں
 کمر پائیں پکڑ ہی ہوئی اس گورو دوارہ سے نکل کر بازار میں آیا۔
 ہمیں دیکھ کر وہ سب کے سب ٹھہر گئے۔ ہم دونوں بازار کے ایک
 طرف جا رہے تھے اور وہ دوسری طرف ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے
 ایک سکھ نے ایک ہاتھ تلوار کے دستہ پر اور دوسرا ہاتھ تلوار کی نوک
 پر رکھ کر پوزیشن لی اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اس نے مجھے اپنے
 سر کو ہلاتے ہوئے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا کہ وقت نازک
 ہے۔ مہندروں کا دار تھڑوں پر کھڑے یہ منظر حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔
 میں نے اس کے اشارہ کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ اپنی رفتار کو جاری رکھا۔
 ان سکھوں کو بھی بازار پار کر کے ہم تک آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ مسلمانوں
 کی دوکانیں شروع ہونے لگیں۔ وہ بھی یہ واقعہ دیکھ رہے تھے۔ بلکہ
 چند ایک مسلمان دوکان داروں نے مجھے کہا کہ بابو صاحب ہوش میں
 ہو کہاں سے گذر کر آئے ہو۔ ہم دونوں ڈاکٹر صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔
 ٹانگیں بھولی ہوئیں۔ جسم کانپ رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی زبانی معلوم ہوا
 کہ آج صبح گورو دوارہ میں سکھ کے قتل کا واقعہ ہوا ہے جس سے تمام سکھ
 بیچرے پڑے ہیں۔ آپ کیسے ان سے بچ کر آ گئے دوپہر ہو چکی تھی وہاں
 سے قلعہ گوجر سنگھ ٹانگے پر پہنچے۔ بیٹھک کا دروازہ بند تھا۔ کھلنے پر
 معلوم ہوا کہ قلعہ حضرت صاحب بیٹھک میں ہی چار پائی پر آرام فرما رہے
 ہیں۔ ہم نے سلام عرض کیا اس دن آپ کی طبیعت کچھ ناساز سی معلوم
 ہوتی تھی پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ آئندہ ایسے گھر

سے کہیں نہ نکلنا۔ ہمیں بہت تکلیف ہوتی ہے اللہ کا شکر ہے دونوں کی جانیں بچ گئیں۔ ہم سمجھ گئے کہ ضرور اُس حال میں آپ کی فائنا نہ ہو پھر سے کام آتی۔ ہم نے آپ کے قدموں کی بلائیں لیں اور رخصت مانگی۔ اور حفاظت گھر واپس آئے۔

حقیقت امر عزوجل نے آپ کو جملہ امراض کا شافع بنایا۔ لا علاج مریض شفا پاتے دیکھے۔ فرمایا کرتے دوا کا استعمال سنت سمجھ کر کیا کرو۔ شفا من جانب اللہ ہے۔ اگر کوئی مریض آپ کی بتائی ہوئی دوا میں معتدلا سار ڈوبد لیتا تو آپ اسے ناراض ہوتے۔ فرماتے کہ ایسا کیوں کیا۔ کیا میں کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہوں۔ مجھے تو جس چیز کی انکا ہی ہوتی ہے وہی نسخہ تجویز کرتا ہوں۔ خواہ عواہر ڈوبد کی ضرورت نہیں عموماً اس ضمن میں ایک روایت بھی بیان فرمایا کرتے کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر اپنے رب سے ہم کلام تھے کہ آپ کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا جس کا ذکر اللہ عزوجل کے حضور کر دیا۔ جواب ملا کہ آپ کے پاؤں کے نیچے جو بوٹی ہے اسے توڑ کر کھالیں۔ حسب ارشاد عمل کرنے پر درد جاتا رہا کسی اور روز جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر میں ہی تھے اسی درد میں دوبارہ مبتلا ہو گئے۔ باہر جنگل میں جا کر وہی بوٹی اکھاڑ لی اور کھالی لیکن درد کا آفاقہ نہ ہوا۔ ہم کلامی کے لئے طور پر پہنچے۔ درد کا شکوہ کیا۔ جواب ملا کہ پہلی دفعہ درد کا بند ہونا ہمارے فرمانے کی وجہ سے تھا بوٹی وغیرہ کی تاثیر نہ تھی۔ مؤثر حقیقی میں ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پھر یہ حکیم وغیرہ کس حیثیت میں ہیں۔ فرمایا۔ کہ ان کی روزی کا باعث اور مریض کی تسلی کا باعث یہ دوائیں پیدا کی گئی ہیں۔

رحمت حق بہانہ می ہوینہ

انتقال

صاحب امر حضرت کی مقدس زندگیاں بجا وداں - پیہم دواں ہر دم
 جوان کے مصداق ہوتی ہیں - ان کا جینا مرنا یکساں ہوتا ہے - بلکہ ظاہری
 زندگی کے بعد یہ پہلے کی نسبت زیادہ روحانی آزادی پاتے ہیں - آپ
 فرمایا کرتے تھے کہ ظاہری زندگی میں صاحب امر کی مثال تلوار کی سی ہے -
 جو میان میں ہو اور آنکھیں بند کرنے کے بعد اس تلوار کی ہے جو میان سے
 باہر ہو - مجھے یاد ہے کہ آپ کے وصال شریف سے چند روز پہلے ایک
 دوست نے ڈرتے ڈرتے اپنا خواب بیان کیا - اس نے کہا کہ میں نے
 آپ کو اس دنیا سے انتقال فرماتے دیکھا آپ نے فرمایا کہ فکر کرنے کی
 ضرورت نہیں یہ ورازی عمر کی دلیل ہے - اور ساتھ ہی کناٹہ ایک مثال
 بیان فرمائی کہ لمب کی بیٹی اگر بغیر چینی کے ہو تو روشنی کم ہوتی ہے اگر اس
 پر چینی کا خول چڑھا دیں تو روشنی تیز ہو جاتی ہے - ہم سمجھ گئے کہ یہ ہر وہی
 چراغ تیز تر روشنی پانے کے لئے آمادہ ہے - منگل کی شام تھی حسب معمول
 دفتر سے قلعہ گوجر سنگھ در اقدس پر حاضری دی - ستمبر کا مہینہ تھا ابھی
 گرمی پوری طرح سے دور نہ ہوتی تھی - فرمانے لگے کہ کرسیاں ذرا گلی
 میں کر لیں تاکہ باہر کی ہوا آئے - چنانچہ حسب ارشاد چار پانچ کرسیاں
 باہر گلی کی دیوار کے ساتھ دونوں طرف لگا دیں - آپ رونق افروز ہوتے
 میں نے کوئی دفتر کے شکوے شکایات شروع کر دئے اور افسران
 بالا کی دین سے بے توجہی کا بھی ذکر کیا آپ نے آہستہ آہستہ اپنے انداز
 میں ہمیں ایک ایک افسر کا بتایا - فرمایا کہ پاکستان بننے سے ان کو بیٹ
 بھر کر روٹی مل گئی ہے اور یاد خدا بھلائے بیٹھے ہیں - مجھے آپ کے

آخر ہی الفاظ جو رخصت ہونے سے پہلے آپ نے فرمائے۔ نقش کا لکھنا
 ہو گئے آپ نے فرمایا "یوسف صاحب راستہ ہی سیدھے چلے
 یہ اور بات ہے کہ کسی کو کم یا کسی کو زیادہ مل جائے۔ اس سے نہ
 پھرتا، سالانہ عرس میں نو دس دن رہتے تھے۔ اسی آخر ہی محفل
 میں عرس کے متعلق بھی مقررہ ہی سی گفتگو فرمائی۔ مہربان کا وقت ہونے
 والا تھا۔ رخصت طلب کی تاکہ نماز مہربان گھر میں ہی جا کر ادا کر سکیں
 نماز کے بعد کھانا کھایا۔ ابھی نماز عشاء سے فارغ ہو ہی تھا کہ باہر
 سے ہمارے ایک دوست نے آواز دی۔ میں باہر گیا۔ اس نے
 آپ کے وصال کی غیر متوقع خبر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
 رات قلعہ گوجر سنگھ گزار دی۔ صبح اخبارات میں دوستوں نے
 خبر پڑھ لی۔ سارا دن دفن و تدفین کے مشوروں میں گزارا۔ ایک
 صندوق بھی تیار کر لیا گیا۔ اس میں روٹی رکھی گئی۔ نماز عصر سے پہلے
 سول پولیس لائنز قلعہ گوجر سنگھ کی بڑھی گراؤنڈ میں نماز جنازہ ادا
 کی گئی۔ مفتی اعظم پاکستان قبلہ سید صاحب مظلوم امام اپنے چہرہ نور
 دکھایا گیا۔ رخصت سرخ۔ آنکھیں بند۔ اور لبوں پر مقررہ ہی سی مسکراہٹ
 مجھے آپ کا ایک قول یاد آ گیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی میت
 ایسی ہوتی ہے کہ جنازہ پڑھنے والوں کی دعاؤں سے بخشی جاتی ہے
 اور کوئی میت ایسی ہوتی ہے کہ اس کی طفیل تمام کے تمام جنازہ
 پڑھنے والے بخشے جاتے ہیں۔ یہ الفاظ آپ نے قبلہ بابا سہی کی
 نماز جنازہ کے بعد اپنی مختصر سی وعظ شریف میں بیان فرمائے تھے۔
 تمام شہر میں بذریعہ لاؤڈ سپیکر بھی نماز جنازہ کا اعلان کیا جا چکا تھا۔
 اس لیے سارے کاسارا گراؤنڈ مشتاقان دیدار سے بھرا پڑا تھا۔ جس
 مبارک کر صدوق میں رکھا گیا۔ اور بذریعہ ٹرک، منجروال لایا گیا۔ قبر

کے ساتھ ساتھ چار دیواری چھٹی گئی۔ ضدوق رکھا گیا اور اوپر سے لنگر کر دیا گیا۔ سائیں رحیم بخش صاحب نے اسی بات سے منصب مجاور ہی سنبھالا۔ میں بلاتناغہ کوئی تقریباً دو سال تک ہر اتوار اسی مسطح مزار پاک پر حاضر ہی دیتا رہا۔ حتیٰ کہ میرے دل نے تسلی کے آثار پاسے۔ اتوار کی صبح آدھی رات کے بعد ہی سائیکل پر روانہ ہو جاتا۔ فجر کی آذانوں سے پہلے ہی صحبت کا شرف حاصل کرتا سڑک پر سے ہی مزار اقدس پر ٹھٹھاتا چراغ دیکھ کہ دل ڈھارس پکڑتا۔ نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر سائیں صاحب سے بھی ملتا۔ سائیں صاحب نے اپنا ڈیرہ ایک قریب والے بن کے درخت کے نیچے لگا رکھا تھا۔ صحبت پارک کے علاوہ کوئی اور ساز و سامان نہ رکھا تھا۔ ہم دوست اس کی اس زندگی سے حیران ہوتے لیکن اسے پورا مٹھن پاسے۔ حکومت کی طرف سے تیس چالیس روپیہ ماہوار پنشن سے گذرا وقت کرتا۔ سالانہ عرس جو آپ کے وصال شریف کے نو دن بعد ہونا تھا۔ وہ بجائے قلعہ گوجر سنگھ کے اب منجور وال ہوا۔ تمام احباب حاضر تھے۔ تعمیر مزار اقدس وغیرہ کے مشورے ہوئے۔ رقم اکٹھی کی گئی۔ وعدے لئے گئے جوں جوں کوشش کی گئی تعمیر والا مسئلہ التوا میں ہی پڑتا گیا۔ آخر جون ۱۹۶۱ء بروز اتوار مزار اقدس کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ چھ فٹ چوڑی بنیادوں پر مشیت پہلو تعمیر اٹھائی گئی۔ ایسے ہی باہر والا برآمدہ۔ گنبدِ خضر کی پیمائش پر اس مزار اقدس کا گنبد بنایا گیا۔ عرصہ چھ ماہ میں تعمیر کا ڈھانچہ طیارہ ہو گیا۔ معماروں نے دورانِ تعمیر میں ہی اپنی حاجتیں پوری پائیں۔ مستر ہی صاحب نے جن کی نگرانی میں یہ کام ہو رہا تھا مجھے بتایا کہ اتنی ٹھیل مدت میں اتنی بڑی عمارت کی تعمیر ایک کر امدت ہے۔ بڑی بات یہ کہ گنبدِ معلیٰ کی گولائی کو بغیر کسی آسیرے سے اٹھایا اور مکمل کیا گیا۔ گنبد کی تقریباً ہر اینٹ جھکاؤ میں ہوتی ہے جس کے لئے

1961

گو وغیرہ کا بڑا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہم نے جو اینٹ بھی سیمنٹ سے چمٹا کر لگائی اور جس حالت پر رکھی گئی وہ ہلی نہیں وہیں جم گئی۔ کسی آسرا وغیرہ کے لگانے کی زحمت نہ پڑی۔ حتیٰ کہ تمام اینٹیں جھکتی۔ جھتی ٹھہرتی گنبد کی چوٹی سے جا ملیں۔ اور ایک مثالی گنبد طیار ہو گیا۔ تعمیر کی وجہ سے صاحب امر کی وجاہت کی آئینہ دار بنی۔ اس ظاہری وجاہت نے احباب کے علاوہ دوسرے لوگوں کی توجہ بھی اپنی طرف کھینچی۔ حسب معمول سالانہ عرس شروع ہو گئے۔ بعدہ ماہانہ مجالس کا آغاز بھی ہو گیا۔ میرے ساتھ چند دوستوں نے مشورہ کیا کہ عرس شریف کی رات کے علاوہ سال کی باقی مخصوص راتیں بھی اسی آستانہ پاک پر گزاریں پچانچہ شبہائے قدر۔ برات۔ معراج اور آخری چہار شنبہ میں بھی حاضر ہی شروع کر دی۔ وجہ یہ عمارت بن چکی تھی۔ سائیں صاحب کی کٹیا بھی اب پکی اینٹوں سے طیار کر لی گئی تھی اس لئے رات کی رہائش میں کسی قسم کی تکلیف نہ تھی۔ باقاعدگی سے حاضر ہی دیتے ساری رات قبلہ حضرت صاحب کی معیت میں گزارتے لطف اٹھاتے۔ ہر حاضر ہی پر ایک نیا انداز اور ایک نئی کیفیت ہوتی۔ پر لطف شفقتیں پاتے پڑسرد نظارے مشاہدہ کرتے۔ ایک ایک کوروشنائی کا رنگ دینے لگوں تو شاید نہ دے سکوں ایک شب قدر پر ہی اکتفا کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

شب قدر

آپ کی تصنیف رسالہ رمضان المبارک میں آپ نے ایک شدول دیا ہوا ہے جس میں لیلتہ القدر کا اندازہ کسی بزرگ کے اسی سالہ تجربہ کی بنا پر درج ہے۔ کہ اگر رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو فلاں دن ہو تو

لیلتہ القدر فلاں تاریخ کو واقع ہوگی۔ ہم چند دوست اس شذول کے مطابق ایک یوم کی رخصت لے کر سر شام ہی ہنجر وال پہنچ جاتے افطاری و بھری کا سامان ساتھ لے جاتے ساری رات قبلہ حضرت صاحب کے قدموں میں گزارتے سخت سردیوں کے دن تھے حسب معمول ہم چھ دوست ہنجر وال شریف پہنچے۔ شذول کے مطابق اس سال لیلۃ القدر ستائیسویں کی رات آتی تھی۔ افطاری کے بعد ساتیں صاحب کو سحری کے اہتمام کا کہہ دیا خود سب دوست روضہ کے اندر داخل ہوئے سردی سے بچاؤ کی خاطر روضہ کے دروں میں مصلے تان دئے بات چیت و نعت خوانی کے بعد نماز عشاء کے لئے کھڑے ہوئے شہر سے دور ایک سنسان وادی میں ایک فلک بوس عمارت کے نیچے رات کی تنہائی میں یہ چھ افراد پر مشتمل ایک چھوٹی سی جماعت اپنے شیخ کے قدموں میں اپنے رب کے حضور نماز تراویح کے لئے کمر باندھتی ہے۔ اُس زمانہ میں مجھے کچھ اوپر پانچ پارے حفظ ہو چکے تھے۔ دوستوں کی تمنا تھی کہ انہیں بیس رکعتوں میں دوہرایا جائے اس لئے مجھے امام بنا پڑا۔ سحری تک کا وقت اپنے میں تھا۔ فضا بھی پرسکون اور سازگار تھی دو دو رکعت کی نیت کر لیتے اور سلام کے بعد بات چیت میں قبلہ حضرت صاحب کے محاسن کا ذکر چھڑ دیتے "وإذا ظمنتہ فاقیموا الصلوٰۃ" کے تحت پھر دو رکعت پڑھ لیتے + اسی طرح کرتے کرتے رات کے تقریباً اسی بجے تک ہم نے سورہ تراویح ختم کر لیں۔ اس کے بعد پھر ذکر یا رچھڑ گیا۔ میں باہر نکلا۔ میرے ساتھ باقی دوست بھی۔ گھٹا ٹوپ اندھیری رات میں تاروں کا منظر کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کہ مبارک باد دے رہا ہے۔ پھر دوست شاد شاد نظر آتا تھا۔ میں علامہ ڈاکٹر اقبال کے "ساقی نامہ"

سے جو اشعار مجھے یاد تھے روضہ کے باہر کھلی فضا میں گنگنا
رہا تھا۔

تیرے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

سب دوستوں نے وضو پر وضو کئے اور تازہ دم ہو کر باقی ماندہ
چار رکعتیں سحری سے پہلے ختم کرنے کے عزم پر کھڑے ہوئے
یہ کوئی ۱۲ بجے رات کا عمل ہوگا۔ تکبیر تحریمہ کے بعد تسبیحات سری
پڑھیں۔ سورہ فاتحہ کا پہلا لفظ الحمد ہی ابھی کہا ہوگا کہ رقت شروع
ہوگئی۔ برداشت کی سعی کی ساتھ ہی پانچوں کے پانچوں مقتدی اجاب
کی سسکیاں بھی شروع ہو گئیں۔ رونے اور پڑھنے سے جو قرأت
وجود میں آئی وہ سنائی۔ سورہ فاتحہ ایک متشکل تفسیر میں نظر آ رہی
تھی۔ سب کے سب بے بس تھے۔ حقیقت امر کے حضور صاحب امر
کے جوار میں قدموں کی جانب ہاتھ باندھے زار و قطار رو رہے ہیں۔
اور سبب گم یہ ہے سب بے خبر۔ کبھی خیال آئے کہ یہ تمام قبلہ
حضرت صاحب کے تصرف کا اثر ہے۔ پھر خیال آئے کہ اگر تصرف
کا اثر ہوتا تو پہلے سولہ تراویح میں کیوں نہ ہوا۔ وغیرہ۔ لیکن شب قدر
کی کیفیت اور ساعت کا ہم میں سے کسی کو بھی خیال نہ آیا۔ اور یہ بہتر رہا
اگر آجاتا تو شاید نماز سے فارغ ہونا پڑتا اور اغراضنی التجاؤں میں
مشغول ہو جاتے۔ کرم کرنے والے نے بہتر جانا کہ اس جماعت کو
فی الصلوٰۃ ہی رکھا جائے تاکہ اجر زیادہ پائے۔ نہ یہ حضور ہی سے علیحدہ
ہوں اور نہ ماسوا سے کا وھیان آئے۔ فاتحہ کے بعد پانچواں پارہ جہاں

سے چھوڑا تھا پڑھنا شروع کر دیا۔ رو لیتا اور بھڑائی ہوئی آواز سے
پڑھ لیتا۔ نہ جہت قبلہ کا خیال رہا یہ بات مجھے دوستوں نے بعد
میں بتائی اور نہ پوری طرح سے اپنی ہوش۔ مقتدی دوست اور
میں خود حیران تھا کہ کون پڑھ رہا ہے اور کس کی آواز ہے۔ قیام سے
زیادہ رکوع میں اور رکوع سے زیادہ سجود میں زار ہی بڑھتی گئی۔
دونور کعتوں میں چھٹا پارہ تاحد حفظ ختم کیا۔ تشہد۔ صلوٰۃ و سلام
اور ماثورہ دعاؤں نے قیام و رکوع و سجود سے بڑھ کر رنگ دکھایا
معلوم ہوتا تھا کہ سلام کے بعد یہ سیلاب ٹھمتا تو نظر نہیں آتا سلام
پھیرتے ہی سب کے سب دوست قبلہ حضرت صاحب کے
مزار اقدس سے لپٹ جائیں گے کہ یہ آج رات کونسی منزل طے کرانی
جا رہی ہے جو اس قدر گریہ سے وابستہ ہے۔ لیکن آپ یہ پڑھ کر
حیران ہوں گے کہ جو نہی سلام کے بعد ہم نماز سے فارغ ہوئے۔
یک لخت وہ گریہ و زاری وغیرہ کا لعدم ہو گئی اور اس کی جگہ فوراً
مسرت و اینساٹ نے لی۔ ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر سنسن
رہے تھے اور کسی کو کچھ کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ آخر سکوت ٹوٹا۔
خوب خوش ہوئے۔ اب خیال آیا کہ یہ دو رکعتوں والی گھڑیاں
لیلۃ القدر کی ساعتیں تھیں خیال نے یقین کی جگہ لی۔ خوشی سے
پھولے نہ سمارہے تھے ہم سب نے بیدار ہی میں اور لطف یہ
کہ سنت موکدہ میں یہ وقت پایا۔ باقی دو رکعتیں تراویح اور وتر وغیرہ
سے فارغ ہو کر سحر ہی کے لئے مصلے چھوڑے نماز فجر ادا کرنے کے
بعد باہر کھلے میدان میں سورج کے طلوع کا انتظار کیا۔ جب اس
کی بھی کوئی کرن نہ پائی تو یقین اور پختہ ہو گیا۔ گھر آنے پر میں نے
تفسیر رونی اٹھائی۔ سورہ لیلۃ القدر کی تفسیر میں دیکھا کہ لیلۃ القدر

کے تمام کے تمام نشانات اس رات پورے اترے۔ صاحب تفسیر نے یہ بھی لکھا کہ رات کی اس گھڑی میں اگر کوئی ایک آیت پڑھے تو اسے ایک قرآن کا ثواب ملتا ہے۔ میں نے پانچویں اور چھٹے پاروں کی گنتی شروع کی تو معلوم ہوا کہ ان دو کعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ ایک سو باون آیات پڑھی گئی ہیں۔ یہ سعادت آخر کس کے قدموں کے صدقے میں ملی۔

یہ فیض کون سے ابو فیض کا مرہون منت ہوا۔ شبہائے قدر آتی رہیں اور آتی رہیں گی۔ اہل نصیب اسے پاتے رہے اور پاتے رہیں گے۔ لیکن جس انداز میں قبلہ حضرت صاحب نے ہمیں اپنے پاس بلا کر مہربانی فرمائی اس کی مثال الاما شا اللہ منی محال ہے۔ آپ نے اپنی حیات ظاہرہ طیبہ میں بھی کسی سائل کو رو نہ فرمایا۔ بلکہ سائل کا دامن عقیدت پوری طرح بھر کر واپس کیا۔ اسی طرح اپنی اس زندگی میں بھی ایک ساعت میں "حیدر" من الف شہر کے نشے چڑھا دے۔ کیوں نہ ہو سلطان لاٹنہر صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے منظر اور قلندر زمان جو ٹھہرے۔ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ علیہ و علی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

روایے صادقہ

وصال شریف سے چار پانچ سال قبل اور چار پانچ سال بعد آپ بلا ناغہ ہر رات مجھے خواب میں دیدار سے مستشرف فرماتے رہے۔ ظاہری حیات طیبہ میں نے ایک دو بار کوشش کی کہ اس کیفیت کو آپ سے بیان کر دوں۔ ہر بار مجھے خاموش رہنے کا حکم ہوا۔ میں حیران

تھا کہ آپ سب کے خراب سماعت فرماتے ہیں اور ان کی تعبیر بھی
 بیان کرتے ہیں۔ لیکن آخر یہ التفات مجھ پر کیوں نہیں ہوتا۔ جوں جوں
 اس راز کا انکشاف ہوتا گیا آپ کی تشریف آوری بلا ناغہ نہ رہی۔
 سب سے پہلی بار مجھے اس بات سے آگاہی اپنے ایک دوست کے
 کسی دوست کی معرفت ہوئی۔ واقعہ یوں ہوا۔ کہ ایک شام میرے
 دوست منیر صاحب میرے عزیز خانہ پر تشریف لائے۔ کہنے لگے
 کہ چلیں رات منیر وال گزاریں۔ اس زمانہ میں وصال شریف کو ابھی تھوڑا
 عرصہ ہوا تھا۔ مزار اقدس مسطح ہی تھا۔ ہم دونو بھائی قبلہ حضرت صاحب
 کے جوار میں اٹیٹوں کے سر ہانے بنا کر لیٹ گئے۔ نماز عشاء کے بعد ہم
 نے دیکھا کہ مزار اقدس پر دو صاحب حاضر ہی کے لئے آئے ہیں۔ اور
 مراقبہ میں بیٹھ گئے ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ دونو صاحب ہماری جانب آئے
 ان میں سے ایک ہمارا پیر بھائی تھا اور دوسرے صاحب کوئی ان کے
 دوست تھے جو کشف میں جہارت تامہ رکھتے تھے وہ کشمیر کے رہنے
 والے تھے۔ اور مزارات کی حاضر ہی کا شغل رکھتے تھے۔ دونو سلام و دعا
 کے بعد ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ رات کی تاریکی کی وجہ سے دوسرے صاحب
 کا چہرہ نمایاں طور پر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے بیٹھتے ہی کہنا شروع کر
 دیا کہ اس وقت قبلہ حضرت صاحب اپنی اس جگہ پر نہیں ہیں بلکہ کہیں دوسری
 جگہ تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ ہم دونو بھائیوں نے اس کے ان الفاظ
 کو بیچ جانا منیر صاحب بولے کہ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ قبلہ حضرت صاحب
 آپ سے مننے کو طیار نہیں۔ ابھی ہم دونو بھائی حاضر ہی دے کر آئے ہیں۔
 اور آپ ہم سے ملائی ہوئے ہیں۔ خیر کشمیری صاحب نے بجائے کچھ
 جواب دینے کے ہمارا مکاشفہ شروع کر دیا۔ اپنے ساتھی سے کہنے
 لگا کہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ سالوں سے اپنے پیر کی شکل بلا ناغہ

خواب میں دیکھتے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ صاحب حضور ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کچھ کھٹکا سا محسوس کیا کہ اس کا اشارہ میری طرف ہے۔ لیکن تصدیق کے لئے ابھی وقت درکار تھا۔ جلوہ رخ بدستور آتا رہا۔ لیکن نیند بن کر۔ خوابوں میں آپ کی تشریف آوری یہی لیکن بغیر کسی کلام کے۔ شرف دیدار سے مجھ پر رقت طاری ہو جاتی۔ اس حالت میں قدموں سے پیٹ جاتا عرض حال سناتا۔ لیکن خواب میں سوائے کبھی کبھی مسکراہٹ کے کچھ نہ پایا۔ سارا دن پورے گزرتا۔ آخر ایک رات یہ صاحب امر اور صودت امر صلی اللہ علیہ وسلم دونوں اکٹھے اسی صاحب امر کی شکل میں جملہ اصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ساتھ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھے گئے۔ دونوں میں کوئی فرق نہ پایا۔ فلم الیقین نے عین الیقین کی جگہ لی۔ دیکھ لیا کہ یہی صاحب امر کانوں میں میم کی مندریاں ڈالے راتوں کو شرف دیدار سے مشرف فرماتا ہے۔

سے پر ہی پیکر نگارے۔ سر و قدے۔ لالہ رخسارے

سر اپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم و خسرو

صرف میں ہی نہیں اس حلقہ کے تمام احباب اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ اپنے مرتبہ قلندر می کی بدولت اس صاحب امر نے اپنے غلاموں کے لئے درمیانی تمام واسطے منقطع کر دئے ہوئے ہیں۔ جس کو پڑا سیدھا صودت امر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کر دیا۔ اور درمیانی واسطوں کے لئے جو جو ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہوتے ہیں ان سب سے بے نیاز کر چھوڑا۔ اللہ عزوجل ہر قسم کی ریا سے محفوظ رکھے۔ صرف اپنے احباب کی روحانی تقویت کے لئے یہ سخنہائے ناگفتی تحریر میں لارہا ہوں۔ ورنہ میں اور میری بساط کیا۔ دوستوں کی مزید قلبی طمأنینہ

واستقامت کے پیش نظر ایک اور خواب تحریر کئے دیتا ہوں۔ میں
 نے دیکھا کہ ایک سبز شیشہ کی بنی ہوئی عالیشان عمارت ہے۔ جس
 کے پڑے دروازے کے اوپر سبز جلی حروف میں ”محمد رسول اللہ“
 لکھا ہوا ہے۔ اور اس کے ارد گرد دور دور تک بھی سبز شیشوں کا
 ڈھلوان دار نہایت خوب صورت فرش ہے۔ پاؤں پھسلے جاتے ہیں۔
 آخر بیٹھے بیٹھے ہی خود بخود ڈھلوان کی وجہ سے اس عمارت میں داخل ہو گیا
 اندر ایک مزار اقدس دیکھا جس میں سے نورانی شعاعیں نکلتی نظر آئیں۔
 میرے ساتھ ایک میرا دوست بھی تھا۔ جسے میں نے کہا کہ آپ واپس
 چلے جائیں۔ میں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار کر کے ہی آؤں گا
 وہ واپس ہو گیا کہ بھی شق ہونے والا ہے۔ جتنی دعائیں یاد آئیں مانگیں
 نشان قبر الگ ہوا۔ ایک مستی کو لیٹے پایا۔ جس نے لیٹے لیٹے ہی اپنا
 سر مبارک پھیر کر میری طرف دیکھا۔ میں حیران ہو گیا جب میں نے دیکھا
 کہ یہ چہرہ مبارک قبلہ حضرت صاحب کا ہے۔ آپ نے رہ رہ کر تین بار
 میری طرف چہرہ مبارک کیا اور فرمایا کہ اب واپس جاؤ ہم نے تین بار
 اپنا آپ آپ کو دکھا دیا ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحابہ
 وبارک وسلم۔

راہ طریقت میں آپ کی عطائیں اپنے دوستوں پر بغیر مانگے ہوتیں۔
 میں نے ایک سلفی نلتھی فقیر کا فارسی قلمی منظوم کلام پڑھا۔ اُن کا ایک مصرع
 مجھے یاد آگیا۔

پیر در کار تو کو در خواب

میں نے یہ وصف قبلہ حضرت صاحب میں پایا۔ آپ ہزاروں گتھیاں
 دوست کے ایک خواب میں ہی سلجھا دیتے۔ آپ کے حریم پاک میں
 عرض حاجت نہ ہوتی۔ کسی معراج کی رات میں نے خواب میں دیکھا

بہ سرفرد جلال و جمال کھڑا سنے لگا۔ میں سچو گیا۔

کہ قبلہ حضرت صاحبؑ کی معیت میں مختلف دیہاتوں اور شہروں کا سفر
 کر رہا ہوں۔ اور حسب ارشاد ہر دن کی ڈائری لکھے جا رہا ہوں جو کہ رات
 کو سونے سے پہلے قبلہ حضرت صاحبؑ کو سنائی جاتی ہے۔ اس طرح
 سفر میں آٹھ دن رات گزرتے ہیں۔ کہ میری آنکھ کھل گئی مصراع کا مسئلہ
 مشاہدہ میں آگیا۔ اور کسی دلیل کا محتاج نہ رہا۔ و علیٰ ہذا القیاس۔ واضح
 یہ ہوا کہ ایک صاحب امر کے ظاہری آنکھوں سے روپوش ہو جانے
 سے نسبت رکھنے والے کے لئے راہ طریقت میں کوئی خاص فرق نہیں
 پڑتا۔ نسبت درست رہے یہ کٹھن راستے طے ہو ہی جاتے ہیں۔ و باللہ
 التوفیق۔

مقولات حسنہ

جن حضرات کو قبلہ حضرت صاحبؑ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا
 وہ بخوبی واقف ہیں کہ کس طرح آپ کے الفاظ دل کی گہرائیوں میں اترتے
 جاتے تھے۔ میں نے اس کتاب کے ہر دو حصوں یعنی نکات و واقعات
 میں کوشش کی ہے کہ قارئین کرام تک آپ کے ارشادات زیادہ سے زیادہ
 پہنچ جائیں۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل مقولات بھی جو آپ اکثر اپنی زبان
 مبارک پر لایا کرتے تھے تحریر کئے دیتا ہوں۔ چھوٹے چھوٹے سادہ سا
 فقروں میں کسی جامعیت بھری ہوتی ہے۔ میں نے یہ مقولات اپنی
 ساری زندگی میں نہ کہیں پڑھے اور نہ سوا سے قبلہ حضرت صاحبؑ کے
 کسی اور سے پہلے سنے گئے۔

۱۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا باپ نہیں اسی لئے
 محبت نیچے کو آتی ہے۔ اوپر نہیں جاتی۔

۱۲۔ فرمایا کرتے۔ ایک باپ دس بیٹوں کی کفالت کر سکتا ہے۔
لیکن دس بیٹے ایک باپ کے کفیل نہیں بن سکتے۔

۱۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کوہ طور کے تذکرے کے تحت فرمایا کرتے۔ کہ انوارِ الہی اگر ایک درخت پر آسکتے ہیں تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کا زیادہ حقدار ہے۔

۱۴۔ اسی ضمن میں فرمایا کرتے کہ متلاشی کی خواہش کے رنگ میں جھلک مار کر مقامِ قرب سے نوازنا سنتِ اللہ ہے اور اکثر اولی الامر حضرات اہل سلوک کی منازل ایسے ہی طے کراتے ہیں۔

۱۵۔ فرمایا کرتے کہ مہنگائی کی اگر یہی رفتار رہی تو ویسی گھی صرف نسخوں میں ہی استعمال ہوا کرے گا۔

۱۶۔ فرمایا کرتے کہ اپنے جوارح قابو پانے سے تمام کائنات بس میں آجاتی ہے۔

۱۷۔ فرمایا کرتے کہ شہر کا سیب اور گاؤں کا شلجم ایک جیسی خاصیت رکھتے ہیں۔

۱۸۔ فرمایا کرتے کہ باسی روٹی مکھن کے ساتھ اور ایک نمکین گڑھی سستی کا پیالہ پیر تکلف شہری ناشتہ کا مقابلہ کرتا ہے۔

۱۹۔ فرمایا کرتے کہ تنہا ڈاڑھی میں اسلام نہیں بلکہ اسلام میں ڈاڑھی ضرور ہے اسی طرف صرف نماز میں اسلام نہیں بلکہ اسلام میں نماز ضرور ہے و علیٰ ہذا القیاس۔

۲۰۔ فرمایا کرتے کہ بنی آدم کسی حالت میں بھی روٹی سے مہنگا نہیں پڑتا۔

۲۱۔ فرماتے کہ اللہ عزوجل کی مہربانی سے جملہ انبیاء علیہم السلام کو جو ہر مہلے انہوں نے اپنے پیغمبروں کا صدق دل سے پورا پورا ساتھ دیا۔ اور

اللہ عزوجل اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ساتھی عطا فرمائے وہ
خائن و غاصب (لعوذ باللہ من ذلک) ٹھہریں کیسی نامعقول اور
بے بنیاد بات ہے۔

۱۲۔ فرمایا کرتے کہ جس کا انتظار کرنا پڑے اُس کو بہتر ہے کہ ساتھ
لے کر چلے۔

۱۳۔ فرمایا کرتے کہ کفار نے کونسی طاقت پر قابو نہیں پایا اور کون سی
معرفت حاصل نہیں کی۔ انہیں نہیں ملی تو اپنے رب کی معرفت نہیں
ملی۔ اور اس محرومی سے وہ آخرت میں موجب غضب جبار ہوں گے۔
۱۴۔ فرمایا کرتے کہ خوش قسمت مزدور ہے وہ جو سارے دن محنت
مزدوری کے بعد شام کو اپنے گھر میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ کھانا
کھائے اور رات بسر کرے۔

۱۵۔ فرمایا کرتے کہ ہندو ہاشے سا ہو کار کو مارنے کے لئے صرف
ایک ماچس (دیاسلائی) کی ضرورت ہے جس سے اس کے کارخانہ
کو آگ لگائی جائے۔ اور اُسے پنکھے کی ہوا دیتے اطلاع کر دی جائے
وہ خود بخود دم بخود ہو جائے گا۔

۱۶۔ فرمایا کرتے کہ دنیا کا استعمال فقیر سے زیادہ کون جان سکتا
ہے۔

۱۷۔ فرمایا کرتے کہ کسی مزار پر حاضر ہی کے وقت اگر رقت طاری
ہو۔ تو یہ اہل مزار کی توجہ کی دلیل ہوتی ہے۔

۱۸۔ فرمایا کرتے کہ مہمان کے آنے پر دل میں کسی قسم کی تنگی نہ ہو۔ وہ
اگر تم پر احسان کرتا ہے اور تمہارا ہی میل کچیل اتارتا ہے۔

۱۹۔ فرمایا کرتے کہ سوائے مال اور باپ کے۔ یہ دو ایسے راستے
ہیں کہ اگر منقطع ہو جائیں تو دوبارہ وابستہ نہیں ہو سکتے۔ برخلافت

باقی تمام رشتوں کے کہ ان کا ظہور ممکن ہے۔

۲۰: فرمایا کرتے کہ کلام الہی کی ایک آیت کا انکار و شک سارے قرآن کا انکار ہوگا۔

۲۱: آپ کی طبیعت کچھ ناساز تھی اور آپ بالانخانہ میں ہی تشریف

فرماتے۔ ہم دو دوستوں کو اوپر بلوایا۔ کچھ دیر بعد دونوں دوست واپس نیچے اترے اور گلی میں کھڑے کھڑے کسی گفتگو میں مشغول ہو گئے۔

آوازیں بلند ہوئیں۔ قبلہ حضرت صاحب نے اوپر ہی سے سن لیں۔

سب سے چھوٹے صاحبزادہ کے ہاتھ ایک کاغذ کا پرزہ پینسلی خط میں

لکھا ہوا بھیجا۔ ہم دونوں دوستوں نے جب وہ فقرہ پڑھا تو لبوں پر مہر

سکوت لگ گئی۔ نہایت شرمندہ ہوئے۔ وہ کاغذ اب بھی میرے

بٹوسے میں بطور تعویذ موجود ہے۔ اس پر تحریر ہے۔۔۔۔۔

”اپنی راز کی بات منظر عام پر نہیں کیا کرتے“

۲۲: فرمایا کرتے کہ انقطاع اسباب قرب معرفت کی دلیل ہے۔

۲۳: فرمایا کرتے کہ اہل شہود کے لئے یومنون بالغیب کفر ہے۔

۲۴: فرمایا کرتے کہ حق و ناحق دونوں سے ڈرو۔

۲۵: فرمایا کرتے کہ اور تو اور فقیر ساری دنیا چھوڑ سکتا ہے۔

۲۶: فرمایا کرتے کہ لباس شریعت قیامت تک کے لئے قابل

اعتماد ٹھہریگا۔

۲۷: فرمایا کرتے کہ شکاری کو چاہیے کہ شکاری کے لباس میں شکار

کھیدے۔

۲۸: فرمایا کرتے کہ دنیا کی کھیتی ناخوشی نہیں۔ ہر شے کی باگ ڈور

دست قدرت میں ہے۔ جیسے چاہے چلائے۔

۲۹: فرمایا کرتے کہ ساری دنیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صدقہ کھا

۳۰۔ فرمایا کرتے پتنگ (گڈھی) اگر اوپر چڑھانی مقصود ہو تو ضروری نہیں کہ منت کش ہوا ہو۔ اور جب اتارنی مقصود ہو اور چرخ الٹی پھرنے لگے تو کتنی ہی تند و تیز ہوا ہو پتنگ نیچے آتی ہی آتی ہے۔

۳۱۔ اسی طرح گندم کے پودے کی مثال بیان فرمایا کرتے کہ جب گندم کا خوشہ پکنے پر آئے اور رنگ تبدیل کرے تو اس کی جڑوں میں چاہے کتنا ہی پانی دو اور کھا ڈالو وہ ہرا نہیں ہو سکتا اس نے گرنا ہی گرنا ہے۔

۳۲۔ فرمایا کرتے کہ بوڑھا آدمی اگر اپنے آپ کھا پی سکتا ہے اور بغیر کسی کی مدد کے رفع حاجت سے فراغت پا سکتا ہے تو سمجھو کہ وہ تندرست ہے۔ پڑھالے میں دیگر بیماریوں کا اعتماد نہیں۔

۳۳۔ فرمایا کرتے کہ کڑوڑوں ٹن پانی آبشاروں سے اچھلتا اور دریاؤں سے بہتا سمندر میں کچھ اس طرح جذب ہوتا ہے کہ قلت و کثرت کا اندازہ نہیں لگ سکتا۔ اسی طرح بحرِ توحید میں ساری کی ساری کائنات جذب ہو رہی ہے۔

۳۴۔ فرمایا کرتے کہ سیڑ وہ جو حسین و قیاض ہو اور اپنا سر قوم کے لئے پیش کرے۔

۳۵۔ فرمایا کرتے کہ ایک صاف ستھرا بلوڑھی گلاس دودھ سے بھرا ہوا مینز پر رکھا جائے۔ اور اُس دودھ میں ایک پیشاب کا قطرہ ڈالا جائے۔ کوئی بھی اسے پینے کے لئے طیار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر خالص دودھ بغیر کسی آمینز کے اُس گلاس میں ڈالا جائے جس کے ارد گرد غلاظت لگی ہو تو اسے بھی کوئی پینے کے لئے اٹھانے کو طیار نہیں۔

یعنی دین کا ظاہر و باطن ہے۔ اگر ظاہری شریعت کا تابع نہیں چاہتے وہ

گناہی عالم و فاضل اور خوش اخلاق و کردار ہو قابل قبول نہیں۔ اور نہ وہ جو ظاہری طرح داری رکھتا ہے لیکن عقائد کے لحاظ سے گندہ ہے۔ بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے۔ دودھ بھی پاک ہو اور گلاس بھی صاف ہو۔ پھر حجت قائم ہوتی ہے۔

۳۶:۔ اہل مشاہدہ اور عوام الناس کا فرق بیان کرتے فرماتے کہ میز پر ایک شیشے کے گلاس میں پانی ڈالا جائے دیکھنے میں یہ پانی صاف و شفاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایک شخص اپنی آنکھوں پر خوردبین کے شیشے چڑھائے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اس پانی میں تو بیشمار جراثیم نظر آ رہے ہیں۔ اپنی اپنی جگہ دو نور استی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ صاف و شفاف پانی دیکھنے والے کی آنکھوں پر جب تک وہ خوردبین شیشے نہ لگیں وہ جراثیم کا سمجھنا اعتبار نہیں کرے گا۔ اور خوردبین نظر میں جب تک وہ شیشے آنکھوں سے علیحدہ نہ کریں جراثیم کے وجود سے انکار نہیں کر سکتیں۔

۳۷:۔ زنا مار خٹک اور صوفی میں فرق بیان کرتے کئی طرح کی مثالیں دیتے فرمایا کرتے کہ ایک بزرگ اپنے دو صاحبوں سے کہتا ہے کہ خرپورہ کو دل چاہتا ہے۔ دو صاحب اٹھتے ہیں۔ بازار جاتے ہیں ایک فوراً خرپورہ خرید کر واپس آجاتا ہے اور اس بزرگ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے۔ دوسرے صاحب خرپورہ خرید کر اسے کاٹتے ہیں۔ کاشوں سے چھلکا علیحدہ کرتا ہے اور نہایت قرینہ سے طشتری میں رکھ کر باادب پیش خدمت کرتا ہے۔ تعمیل ارشاد دونوں نے کیا۔ پہلے کی تعمیل اس کے کام نہ آئی اور دوسرے کی تاخیر بزرگ کا منشا پاگئی اور اس کا کام بنا گئی مجھے سمجھانے کے لئے ایک دفتر میں مثال فرمایا کرتے تھے کہ کسی مزدور کی پیش کردہ عرضی پر کارخانہ کا بڑا افسر لفظ

مثلاً (case) لکھ دیتا ہے۔ جب آپ کے دفتر میں وہ عرضی آتی ہے تو آپ اچھی طرح اس عرضی کو فائل میں لگا کر پوری وضاحت سے اس عرضی پر نوٹ لکھتے ہیں اور افسر بالا کی توجہ پر اس حوالہ کی طرف جو عرضی سے متعلق ہیں مبذول کراتے ہیں تاکہ اُسے انصاف کرنے میں کوئی وقت پیش نہ آئے۔ لیکن اگر آپ اسی عرضی کو ویسے ہی فائل متعلقہ پر باندھ کر افسر کی میسر پر رکھ آئیں اور کہیں کہ صاحب یہ ہے اس کا کیس جو آپ نے طلب فرمایا ہے۔ تو خود ہی کہو کہ کہا وہ افسر آپ کے اس عمل سے مطمئن ہو جائے گا۔

۳۸۔ اس دور کے مسلمانوں کی بے راہ روی اور احکام شریعت سے بے اعتنائی کے ضمن میں اکثر فرمایا کرتے کہ اگر اس زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یا کوئی اور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تشریف فرما ہوں تو اپنے رب کی قسم کھا کر کہہ دیں کہ یہ لوگ جو میں دیکھ رہا ہوں میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہرگز ہرگز نہیں یہ کسی اور کے پیرو معلوم ہوتے ہیں۔

۳۹۔ فرمایا کرتے کہ بجلی کے انڈے ہیں جب تک روشنی ہے پروانے خدا ہو رہے ہیں۔ اگر روشنی نہ ہو تو پروانے اس پر حقو کئے کو بھی طیار نہیں۔

۴۰۔ فرمایا کرتے کہ پاکستان میں اسلامی حکومت نہیں بلکہ مسلمانوں کی حکومت ہے۔

معمولاتِ حسنہ

عقل و گمان مخلوق ہونے کی حیثیت سے امر پر قابو نہیں پاسکتے۔

حقیقت امر ہو۔ صورت امر ہو یا صاحب امر ہو ان کا اور اک محال۔
 جو کچھ ان کے متعلق تحریر کیا جا چکا ہے یا قیامت تک تحریر کیا جائے گا۔
 سب عقل کے تحت ہوگا جو مخلوق ہے۔ اور اپنے غیر جنس امر سے
 اگ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی جو بچپن
 سے ہی شرف صحبت سے مشرف تھے فرماتے ہیں کہ میں راتوں کو
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اس گمان سے حاضر ہوتا کہ
 آپ عبادت میں مشغول ہوں گے لیکن میں ان کو آرام فرماتے پاتا اور
 اگر میں اس گمان سے جاتا کہ آپ آرام فرماتے ہوں گے تو میں آپ کو نوافل
 میں مشغول دیکھتا۔ یعنی ہر دفعہ میرے گمان کے برعکس ہوتا مشکوٰۃ شریف
 صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اولی الامر حضرات کا بھی یہی
 حال ہے۔ ان کے عمل کی دنیا ہماری تمہاری دنیا سے جدا ہوتی ہے۔
 ہماری نیکیاں ان کی بدیاں اور ان کی بدیاں ہماری نیکیاں۔ کتنی حد فاصل
 ہے۔ جو ان کے لئے جائز ہمارے لئے ناجائز اور جو ہمارے لئے مباح
 ان کے نزدیک مکروہ۔ ہاں وہ دائرہ نزولی میں تشریف فرما ہو کہ
 عوام الناس کے لئے حجت بنتے ہیں۔ اور اپنے اعمال کے پر تو سے
 انہیں بلندیاں عطا فرماتے ہیں۔

قبلہ حضرت صاحب خود مثال بیان فرمایا کرتے تھے کہ جی۔ اے
 اور ایم۔ اے کی تعلیمی اسناد رکھنے والے استاد اپنے شاگردوں
 کی تعلیم کے لئے اپنے معیار سے نیچے اتر کر ان کے ساتھ ملتے اور انہیں
 اوپر لے جاتے ہیں۔ اس طرح عرش پر مصلے طوال کر نماز پڑھنے والے
 اور یہاں سے وضو کر کے حرم پاک میں نماز ادا کرنے والے ہماری دستگیری
 کے لئے ہم جیسے اعمال بھی کرتے ہیں جو ظاہری شریعت پر پورے اترتے ہیں
 میرا روئے قلم قبلہ حضرت صاحب کے انہیں اعمال حسنہ کی طرف ہوگا۔

شب زندہ داری :- حضرتیں تو اتنے مواقع میسر نہ ہو سکے لیکن آپ کی معیت میں جب بھی سفر کیا۔ میں نے ان راتوں میں قبلہ حضرت صاحب کو اپنی خواب گاہ سے علیحدہ پایا۔ کافی رات گئی آپ نماز عشاء ادا فرماتے حضرتیں ہوں یا سفر میں۔ کبھی کبھی نماز عشاء کے بعد مسائل بھی بیان فرماتے۔ سونے سے پہلے کوئی دوست اپنی سعادت حاصل کرنے کے لئے آپ کے جسد اقدس کو بھی دباتا۔ دوست دبا رہے اور آپ یلٹے یلٹے نثرانٹے بھر رہے ہیں۔ آخر فرماتے کہ آرام کرو۔ دوست اپنی اپنی جگہ آرام کے لئے جاتے اور یہ صاحب امر وضو فرما کر اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جاتے۔ وہاڑھی کی فیکٹری کے کھلے کھلے میدانوں میں جو فرش کئے ہوئے تھے۔ میں نے کسی گرمیوں کی راتوں میں دیکھا کہ آپ اپنی آرام گاہ سے علیحدہ مصلے پر کھڑے ہیں۔ میں دور سے اپنی چار پائی پر لیٹا آپ کو دیکھ رہا تھا دل نے کہا کہ جب تک رکوع نہ جائیں سونا نہیں آئیں نیند نے غلبہ کیا اور آپ کو قیام میں ہی چھوڑے مجھے نیند آگئی۔ خبر نہیں کتنی دیر نیند رہی۔ پھر جب کروٹ بدلی تو آپ کو سجدہ میں پایا۔ پھر دل نے مشورہ دیا کہ سجدہ کی مدت تو دیکھ لو۔ کچھ دیر انتظار کیا میں پھر سو گیا اور آپ ابھی سجدہ میں ہی ہیں۔ صبح کی آذانوں پر جاگا تو قبلہ حضرت صاحب کو تشہد کی حالت میں پایا۔ اللہ کا شکر اپنی روحانی وجاہت سے تمام عالم پر چھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ آپ کو اس کیفیت میں دیکھ کر کبھی کثرت نوافل والی حدیث شریف یاد آرہی تھی کبھی توفیق من جانب اللہ کا باب کھل رہا تھا۔ سب کچھ رکھتے ہوئے اپنے رب کا شکر گزار بندہ ہمیں تعلیم دے رہا تھا کہ میری پیروی کرو صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو جائیگی جس کے نتیجہ میں حقیقت امر آپ سے محبت کریگی۔

کتابوں کی تصنیف کے بارے میں خود فرمایا کرتے کہ ان کا مسوہ طیار

کرنے کے لئے میرے پاس صرف ایک آدھ گھنٹہ فجر سے پہلے کا ہوتا ہے۔
 چار پانچ پنسلیں گھڑ گھڑ کر رکھ لیتا ہوں ایک کے ختم ہونے پر دوسری شروع
 کر دیتا ہوں تاکہ تسلسل قائم رہے نماز فجر کے بعد آپ کا معمول تھا کہ لیٹر
 پر تھوڑا سا آرام فرماتے۔ بہت سے دوستوں کو شاید یہ معلوم نہ ہو گا کہ
 آپ نماز فجر کے بعد آرام فرماتے وقت اپنے اوپر موسم کے مطابق کپڑا
 اوڑھ لیتے اور ایک بہت باریک دانوں والی تسیح جو عموماً سفر میں
 بھی ساتھ رکھتے پھیرا کرتے۔ مجھے یہ کب معلوم ہونا تھا۔ ایک دفعہ
 سفر میں آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تیرے پاس کوئی تسیح ہے ہمیں آتے
 وقت تھیلا میں تسیح رکھنی یاد نہیں رہی۔ میں نے عرض کیا کہ قبلہ یہ سنت
 تو میں نے سمجھی بھی ادا نہیں کی آپ مسکرائے اور فرمایا کہ نہیں صبح کے وقت
 مجھے اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر آپ
 وہی سفید عمامہ زیب سرگئے جس کا ذکر کہیں پہلے آچکا ہے ایک نرالی
 سیج و صبح سے بالا خانہ کی سیڑھیوں سے آہستہ آہستہ ایک عجیب آہٹ
 سے نیچے اتر رہے ہیں مشتاقانِ جمال پہلے ہی سے ہلکے ہیں موجود ہیں۔
 کانوں نے آہٹ کا انداز پہچان لیا خدائی مسکراتی نمودار ہوئی۔ سب
 کے سب استقبال کے لئے کھڑے ہیں۔ حاضرین میں سے ہر ایک
 شرف مصافحہ لیتا ہے۔ آپ بڑی طمانیت سے لبوں میں ہی مسکراتے
 تخت پوش پر نشرین فرما ہیں۔ دربار لگ گیا اور خلق خدا کی بگڑیاں
 بننی شروع ہو گئیں۔

ہر طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں۔ یہ ایک طویل مضمون ہے۔
 اجمالاً کہیں پہلے تحریر کر چکا ہوں۔ رجوع فرمائیں۔ یہ دربار کوئی بارہ
 ایک بجے دوپہر تک رہتا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد قبیلہ فرماتے
 مجھے ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک روز گرمیوں میں آپ دوپہر کے وقت

بلٹھک میں ہی آرام فرما رہے تھے۔ دروازے بند تھے تاکہ روشنی کم آئے۔ میں پاؤں دبا رہا تھا۔ عین آپ کے آرام کے وقت ایک سائل نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اسے اندر آنے کی اجازت ملی۔ اس نے جو بات کہنی تھی کہی اور چلا گیا۔ میں نے عرض کیا کہ سرکار۔ کیا ہی اچھا ہوا اگر آپ بھی مولانا مودودی کی طرح بلٹھک کے باہر اوقات ملاقات کا ایک بورڈ لگا رکھیں تاکہ آرام کے وقت کوئی محفل نہ ہو۔ فرمانے لگے کہ یوسف صاحب بات تو ٹھیک ہے۔ اللہ عزوجل نے مجھ پر دے کے اوقات کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن کیا کریں فقیر کا درجو ہوا۔ یہ کسی وقت بھی بند نہیں رہنا چاہیے۔ درویش معمور ہوتا ہے۔ ہمارے ذریعہ سے کسی سائل کی طلب حاصل ہو جائے تو کیا ہرج۔ سبحان اللہ۔ یہ تھی آپ کی بلند عی خاطر داری۔

نمازِ ظہر آپ عموماً بالاخانہ میں ہی ادا فرماتے۔ دوسری مجلس کا آغاز نمازِ ظہر کے بعد ہوتا اور عشاء تک رہتا۔ اس مجلس میں زیادہ تر دفتر ہی لوگ ہوتے جو اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر صحبت کا شرف حاصل کرتے۔ اس مجلس میں بھی وہی قال اللہ وقال الرسول کا سودا بکتا۔ ساتھ ساتھ دنیوی امور کا بھی حل فرماتے جاتے۔

فہرست احباب

چند دوستوں نے مشورہ دیا ہے کہ اس کتاب کے اختتام پر میں ہر اس دوست کا نام و مختصر پتہ بھی لکھ دوں جس کو قبلہ حضرت صاحب سے عقیدت تھی۔ مرید ہی کا دعویٰ تو ایک بڑا دعویٰ ہے۔ اس لئے لفظ عقیدت استعمال کیا گیا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ زمانہ سلف کے

بزرگوں کے حالات میں اس پہلو کی کمی ہے۔ آج کون بتائے کہ حضرت
 داتا گنج بخش ہجویری ثم لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے کتنے مرید تھے۔ ان کا نام
 کیا تھا اور وہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ
 قادری لاہوری کے کون کون سے عقیدت مند تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ
 اس طرح ناموں کی تحریر سے ممکن ہے کہ اس گزشتہ زمانہ میں جو
 دن بدن پستی کی طرف جا رہا ہے کوئی شخص اپنے آبا و اجداد کا نام ان
 عقیدت مندوں کی فہرست میں پڑھ لے۔ اللہ عزوجل کی رحمت
 اس کے شامل حال ہو جائے اور وہ راست و صحیح العقیدگی کی طرف
 مائل ہو۔ اور اپنی آباؤی نسبت کا ہی دھیان کر کے اپنے عقیدہ کی
 درستگی کر لے۔ اجتماع صدیقین کے پیش نظر فہرست کو کوئی خاص
 ترتیب نہیں دی گئی جیسے جیسے مجھے میرے مختصر سے کتب خانہ سے
 یہ نام میسر ہوئے ہیں نے لکھ دئے۔ ان حضرات سے اور تمام کی تمام
 عورتوں سے جن کے نام فہرست میں درج نہیں ہیں معذرت خواہ
 ہوں مجھے یاد آگیا ایک دفعہ قبلہ حضرت صاحب نے اپنے کسی سالانہ
 میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب پر رات کو وعظ شریف میں
 فرمایا تھا کہ میری یہ دلی تمنا ہے کہ میرا ہر دوست علیحدہ ایک قوم
 کا سردار ہو۔ جس میں وہ تبلیغ و اشاعت کا کام برضائے الہی سر انجام
 دے سکے خط کشیدہ نام منصب خلافت بھی رکھتے ہیں۔ جن کا
 ذکر کہیں پہلے آچکا ہے۔

نام و مختصر پتہ

نام و مختصر پتہ

- ۱۔ شاہ محمد صاحب مغلپورہ کانوئی لاہور۔ ۲۔ دین محمد صاحب دھرمپورہ لاہور
- ۳۔ علاؤ الدین صاحب سمن آباد لاہور۔ ۴۔ محمد انور صاحب بلال گنج لاہور۔
- ۵۔ ملک ظہور دین صاحب اچھرہ لاہور۔ ۶۔ خواجہ قمر دین صاحب سید مٹھا لاہور

نام و مختصر پتہ

- ۷:۷ - میاں جلال دین صاحب سید مٹھا لاہور - ۸: - غلام مصطفیٰ
 صاحب سید مٹھا لاہور - ۹: - غلام حسین صاحب سید مٹھا لاہور
 ۱۰: - نثار احمد صاحب سید مٹھا لاہور - ۱۱: - عزیز خاں صاحب
 سید مٹھا لاہور - ۱۲: - مرزا غلام محی الدین صاحب سید مٹھا لاہور
 ۱۳: - معراج دین صاحب - ریٹائرڈ پولیس آفیسر - ۱۴: - محمد حنیف
 صاحب - اردو اکیڈمی لاہور - ۱۵: - محمد اشرف صاحب عطا
 زمیندار اخبار لاہور - ۱۶: - صوفی قمر دین صاحب انارکلی لاہور
 ۱۷: - ملک محمد منظر صاحب - کوچہ ککے زیاں لاہور - ۱۸: - حاجی مراتب
 علی صاحب - اندرون دہلی دروازہ لاہور - ۱۹: - مولوی محمد نذیر
 صاحب اندرون دہلی دروازہ لاہور - ۲۰: - شیخ محمد سلیم صاحب
 اندرون دہلی دروازہ لاہور - ۲۱: - چوہدری انام دین صاحب مسجد وزیر خاں
 لاہور - ۲۲: - چوہدری محمد نذیر صاحب ماڈل ٹاؤن لاہور - ۲۳: -
 سید عبدالسلام شاہ صاحب - نبی پور لاہور - ۲۴: - میاں رشید الدین صاحب
 سپرنٹنڈنٹ کواپریٹو یونین لاہور - ۲۵: - محمد بوٹا سمسانی لاہور
 ۲۶: - چوہدری غلام رسول سمسانی لاہور - ۲۷: - چوہدری محمد یوسف
 سمسانی لاہور - ۲۸: - حاجی معراج دین صاحب - سمسانی لاہور
 ۲۹: - مستری غلام محی الدین صاحب ریلوے لاہور - ۳۰: - سید جمیل
 احمد صاحب ریلوے لاہور - ۳۱: - سید ریاض الدین صاحب مزنگ لاہور
 ۳۲: - صوفی احمد دین صاحب مزنگ لاہور - ۳۳: - میاں عین دین
 صاحب مزنگ لاہور - ۳۴: - محمد شریف صاحب مزنگ لاہور
 ۳۵: - ملک عبدالرشید صاحب - ایس - ڈی - اول لاہور - ۳۶: -
 سید شریف حسین شاہ صاحب مزنگ لاہور - ۳۷: - حکیم مودود صاحب مزنگ لاہور

نام و مختصر پتہ

- ۳۸:۔ صوفی فیروز دین صاحب مرنگ لاہور۔ ۳۹:۔ چوہدری محمد بشیر صاحب چوہدری کواٹرز لاہور۔ ۴۰:۔ چوہدری عبدالحق ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۴۱:۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مرنگ لاہور۔ ۴۲:۔ ملک محمد اکبر سلطان ہائی کورٹ لاہور۔ ۴۳:۔ حکیم فصیح دین صاحب۔ الحکیم لاہور۔ ۴۴:۔ میاں محمد رمضان صاحب زمزم۔ لاہور۔ ۴۵:۔ گل محمد صاحب مرنگ لاہور۔ ۴۶:۔ شیخ عبدالرحیم صاحب۔ رٹیا ٹرڈ اوور سیر لاہور۔ ۴۷:۔ قاضی عبدالرشید صاحب قلعہ گوجر سنگھ لاہور۔ ۴۸:۔ بابو عبدالرحیم صاحب قلعہ گوجر سنگھ لاہور۔ ۴۹:۔ چوہدری شاہ علی۔ کمرشننگر لاہور۔ ۵۰:۔ مستری گلزار محمد۔ ریلوے لاہور۔ ۵۱:۔ میاں عبدالطیف صاحب حج۔ بالمقابل گوردوارہ مرنگ۔ ۵۲:۔ مستری رحمت اللہ کوٹلوی۔ ریلوے۔ ۵۳:۔ عبدالعزیز صاحب گہار پورہ لاہور۔ ۵۴:۔ محمد اکرم صاحب گہار پورہ لاہور۔ ۵۵:۔ عبدالمجید چارج مین گہار پورہ لاہور۔ ۵۶:۔ عطا الہی۔ گلی نمبر ۶۴۔ لاہور چھاؤنی۔ ۵۷:۔ فضل الرحمن صاحب سب ہیڈ۔ ریلوے ورکشاپ۔ ۵۸:۔ شیخ عبدالمجید صاحب انجنئر لاہور۔ ۵۹:۔ چوہدری محمد حسین صاحب باجوہ۔ ایس۔ ڈی۔ او۔ نہر۔ میانوالی۔ ۶۰:۔ سید شریف دین صاحب نسبت روڈ لاہور۔ ۶۱:۔ سید عبدالخاق صاحب نسبت روڈ لاہور۔ ۶۲:۔ عبدالغنی جرنی مین لوکوشاپ۔ ۶۳:۔ چوہدری شاہ محمد وکیل سمسانی لاہور۔ ۶۴:۔ سید نذیر عالم۔ پولیس ٹمپل روڈ لاہور۔ ۶۵:۔ ملک عبدالحمید۔ ایس ڈی۔ او۔ لاہور۔ ۶۶:۔ میاں سراج دین جبراح۔ حویلی میاں خان لاہور۔ ۶۷:۔ خواجہ محمد سعید۔ پاک جنرل سٹور ٹمپل روڈ لاہور۔ ۶۸:۔ مستری عبدالرحمن رنگ ساز۔ مرنگ لاہور۔ ۶۹:۔ میاں عبدالستار۔ مال افسر۔ اولپنڈی

نام و مختصر پتہ

- ۷۰: - مستری محمد اسماعیل - پسریم گلی - لاہور - ۷۱: - بابا غلام محمد
 پسریم گلی - لاہور - ۷۲: - چوہدری غلام حیدر - ڈپٹی رجسٹرار کوانٹریٹون لاہور
 ۷۳: - پروفیسر علم الدین سالک - اسلامیہ کالج لاہور - ۷۴: - مولوی
 احمد سعید صاحب - کوٹ بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ - ۷۵: - ثناء احمد
 صاحب - محکمہ آثار قدیمہ لاہور - ۷۶: - شیخ نجم الدین صاحب
 اکوئس آفیسر اے - جی - لاہور - ۷۷: - ریاض احمد صاحب - پی - ڈبلیو -
 ڈی کلرک لاہور - ۷۸: - محمد ابراہیم صاحب - لوکو شاپ منگلپورہ لاہور
 ۷۹: - محمد سرور ڈرافٹس مین - گڑھی شاہو لاہور - ۸۰: - اکرم السلام
 کلرک کیرج شاپ منگلپورہ - ۸۱: - مستری عطا محمد - نرول بازار مزنگ
 ۸۲: - محمد عالم - انسپکٹر لوکو شاپ منگلپورہ - ۸۳: - مولوی محمد عبداللہ
 قریشی - کوچہ کماں گراں لاہور - ۸۴: - محمد اسماعیل صاحب کلرک کیرج شاپ
 منگلپورہ - ۸۵: - یس خان دھرمپورہ لاہور - ۸۶: - فیض محمد خان
 کلرک لوکو ملٹرائٹ شاپ - ۸۷: - سردار محمد ثناء - لوکو شاپ منگلپورہ
 ۸۸: - عبد الحمید کیرج شاپ منگلپورہ - ۸۹: - عزیز دین صراف
 بنزار بہٹ لاہور - ۹۰: - محمد اشرف - ہوائی اڈہ - لاہور - ۹۱: - میاں
 عبدالصمد - ماڈل ٹاؤن - لاہور - ۹۲: - عین دین مزنگ لاہور - ۹۳: -
 ساتیہ رحیم بخش - حال مجاور منجروال شریف - ۹۴: - فضل الرحمن ٹھیکیدار
 ہوائی اڈہ لاہور - ۹۵: - فیض احمد دوکان دار - باغبانپورہ لاہور
 ۹۶: - صوفی عبد الکریم - سمن آباد - لاہور - ۹۷: - قاضی عبدالرشید
 قلعہ گوجر سنگھ لاہور - ۹۸: - محمد اشرف - چاہ کچھوڑہ مزنگ لاہور
 ۹۹: - چوہدری ولی محمد - ماڈل ٹاؤن لاہور - ۱۰۰: - چوہدری نیاز احمد
 ماڈل ٹاؤن لاہور - ۱۰۱: - جمیل بیبا خان - آد - ایم - ایس لاہور

نام و مختصر پتہ

- ۱۰۲۔ محمد شریف فطر - لوکو شاپ مغلیہ پورہ - ۱۰۳۔ محمد سرور خان
 روہیلہ - ڈرائنگ آفس ریلوے لاہور - ۱۰۴۔ مبارک علی پھر الہ -
 ضلع لائل پور - ۱۰۵۔ سید ممتاز حسین - آر۔ سی - اے خانیوال - ۱۰۶۔
 محمد جمیل فیکٹری انچارج - وہاڑی - ۱۰۷۔ غازی سید سراج احمد
 کلرک مغلیہ پورہ ورکشاپ - ۱۰۸۔ عبدالغنی - کلرک - کیرج شاپ مغلیہ پورہ
 ۱۰۹۔ حسین علی - اے۔ ٹی - کے - کیرج شاپ - ۱۱۰۔ چوہدری محمد صادق
 پٹواری - دفتر لاٹ صاحب لاہور - ۱۱۱۔ چوہدری غلام رسول - چمن
 ۱۱۲۔ شیخ ناصر لطیف گیٹ سارجنٹ کیرج - ۱۱۳۔ غلام سرور قادر سٹریٹ
 سبزی منڈی - لاہور - ۱۱۴۔ عبدالحمید قریشی - محلہ جوگیاں - جہلم
 ۱۱۵۔ شیخ عزیز احمد قریشی ایم۔ اے مرنگ لاہور - ۱۱۶۔ چوہدری عبدالحمید
 خان اے ڈبلیو آئی سندھ - ۱۱۷۔ ماسٹر باغ علی مدرس کوثر بلا - ضلع راولپنڈی
 ۱۱۸۔ ڈاکٹر مفتی امانت علی صاحب - سپنسر قلعہ گوجرانگہ - ۱۱۹۔
 صوفی عبدالرحمن ہر نام سنگھ بلڈنگ قلعہ گوجرانگہ - ۱۲۰۔ شیخ سجاد حیدر
 وسن پورہ لاہور - ۱۲۱۔ چوہدری نواب دین ننگانہ صاحب ضلع شوپورہ
 ۱۲۲۔ حاجی شاہ محمد صاحب چمن بلوچستان - ۱۲۳۔ منشی محمد اسماعیل
 صاحب - ملٹری فارم اوکاڑہ - ۱۲۴۔ محمد ابراہیم ٹھیکیدار ڈوگر - لاٹکانہ
 ۱۲۵۔ عبدالرحمن خان حیدر آباد سندھ - ۱۲۶۔ نذیر احمد خان حیدر آباد سندھ
 ۱۲۷۔ عبدالرحمن II - حیدر آباد سندھ - ۱۲۸۔ خادم محی الدین
 جوٹ پور ڈوگراکھ - ۱۲۹۔ مرزا محمد رفیق - کامران ٹرانسپورٹ قادریہ آباد
 ۱۳۰۔ شیخ محمد عمر صاحب - بہاولپور - ۱۳۱۔ شیخ محمد صاق بہاولپور - ۱۳۲۔
 شیخ حافظ محمد رفیق بہاول پور - ۱۳۳۔ بابو غلام جیلانی ثریا منزل
 بہاولپور - ۱۳۴۔ حکیم محمد یوسف صاحب خطیب جامع مسجد نور طارق آباد لائلپور

نام و مختصر تہ

- ۱۳۵:- چوہدری عبدالرحیم - پی۔ ڈبلیو۔ آئی او کاقرہ - ۱۳۶:- ڈاکٹر
 یعقوب علی خان - سکھر - ۱۳۷:- ملک احمد خان - ڈبلیو ڈاکٹر - ملتان
 ۱۳۸:- عنایت اللہ تیاچوک دادو - ۱۳۹:- چوہدری محمد شفیع - پی۔ ڈبلیو
 آئی کوٹری سندھ - ۱۴۰:- چوہدری محمد نذیر حیدر آباد سندھ - ۱۴۱
 ایس اے۔ رؤف - گوردن مارکیٹ کراچی - ۱۴۲:- چوہدری حاتم علی
 مہنتہ روڈ کراچی - ۱۴۳:- ڈاکٹر سرور محمود سول ہسپتال پاکپتن - ۱۴۴
 شیخ محمد اقبال صاحب محلہ کوٹ رکن دین قصور - ۱۴۵:- شیخ
 حلیب الرحمن اور سیر پنج نند - ڈیرہ نواب صاحب - ۱۴۶:- ماسٹر
 جلال دین - منڈی بوریوالہ - ۱۴۷:- مسٹر حفیظ احمد ڈھاکہ - ۱۴۸
 چوہدری محمد اقبال حمید کراچی - ۱۴۹:- چوہدری محمد صدیق رئیس سہ سلاطین پور
 ۱۵۰:- ماسٹر غلام رسول دوکاندار سلطان پور - ۱۵۱:- چوہدری علی احمد گوجران
 سلطان پور - ۱۵۲:- میاں روشن دین - لاسکھوٹیہ سلطان پور - ۱۵۳
 چوہدری عبدالرحمن منشی دادو سندھ - ۱۵۴:- چوہدری خیر دین رئیس
 دادو سندھ - ۱۵۵:- چوہدری بشیر الدین دادو سندھ - ۱۵۶
 شیخ عبدالغفور سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرک جیل لاہور - ۱۵۷:- بابو محمد اشرف
 اے۔ ایس۔ ایم سمہ سٹہ - ۱۵۸:- فضل محمد - کوٹری سندھ - ۱۵۹
 حاجی محمد دین اطہر - منیجر لائل پور - ۱۶۰:- چوہدری محمد حنیف - ایس۔ ڈی۔ او
 منظر گڑھ - ۱۶۱:- عبدالقدیر خان - خزانچی - وہاڑی - ۱۶۲:- چوہدری محمد صادق
 فورمین واہ فیکٹری - ۱۶۳:- چوہدری علی احمد سب پٹیہ بنوں - ۱۶۴:-
 عبدالحفیظ چوہدری - انڈرسٹنگ بلڈنگ گوالمنڈی راولپنڈی - ۱۶۵
 سیاں رحیم بخش - ای۔ او۔ ڈبلیو کنڈیاں - ۱۶۶:- ڈاکٹر محمد اسماعیل
 ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ ڈیرہ غازی خان - ۱۶۷:- شیخ احمد دین - سپرنٹنڈنٹ جیل جہلم -

نام و مختصر پتہ

- ۱۶۸۔ ڈاکٹر عبدالرحمن کوٹلی لوہاراں - ۱۶۹۔ وجہہ اللہ عرفانی - مدیر
نوائے وقت - ۱۷۰۔ مرزا اکبر علی - بلٹری اکاؤنٹس راولپنڈی - ۱۷۱
شیخ محمد امین - پی - ڈبلیو - آئی - وزیر آباد - ۱۷۲۔ چوہدری علی احمد
ایچ - دی - سی - گوجرانوالہ - ۱۷۳۔ شیخ عبدالواحد شامی - رام بازار
فضل سیدنا راولپنڈی - ۱۷۴۔ ایم اللہ بخش فوجی - ۱۷۵۔ قاضی محمد ستر
کورٹ انسپکٹر پولیس لائن سرگودھا - ۱۷۶۔ مولوی محمد مظفر صاحب
سٹور کیپر جہلم - ۱۷۷۔ محمد رمضان تھروڈ بال فیکٹری جھنگ - ۱۷۸۔ ڈاکٹر
مشتاق صاحب - ایم - بی - بی - ایس - سول ڈپنٹسری لاہور - ۱۷۹
خاور صاحب - گیمر انسپکٹر جہلم - ۱۸۰۔ راجہ عدالت خان - تحصیلدار
بھکر - ۱۸۱۔ معراج الدین - گوجرانوالہ - ۱۸۲۔ علم دین صاحب جہانیاں
۱۸۳۔ مولوی محمد علی - چک نمبر ۱۶۸ - ضلع منگھری - ۱۸۴۔ ماسٹر
فتح علی صاحب - پکا اٹا - ۱۸۵۔ حاجی نظام دین چک ۲۵ - بور یوالہ
۱۸۶۔ چوہدری امتیاز علی - ڈپٹی کمشنر محکمہ ٹیکسیشن - ۱۸۷۔ مولوی
غلام نبی صاحب امام مسجد گوجرہ منڈی - ۱۸۸۔ چوہدری محمد علی چک نمبر ۲۶
ٹوبہ ٹیک سنگھ - ۱۸۹۔ مولوی وارث علی - پورہ ہیراں سیالکوٹ
۱۹۰۔ چوہدری عبدالعزیز صاحب اگر پکچر کالج لائل پور - ۱۹۱۔
میر اکرم محمود کورٹ انسپکٹر راولپنڈی - ۱۹۲۔ سید خورشید احمد
محلہ طارق آباد لائل پور - ۱۹۳۔ سید عبدالحمید محلہ طارق آباد لائل پور
۱۹۴۔ منیر الہی کاتب محلہ طارق آباد لائل پور - ۱۹۵۔ شیخ ایم محمود
ٹرین کلرک لائل پور - ۱۹۶۔ شیخ سراج الحق - ڈپٹی کسٹوڈین سیالکوٹ
۱۹۷۔ خواجہ منظور حسین حلوانی سناٹکھہ ہل - ۱۹۸۔ میاں محمد شفیع - پی - سی - ایس
ڈسٹرکٹ کورٹ شیخوپورہ - ۱۹۹۔ چوہدری محمد صدیق - ڈگلس پورہ لائل پور -

نام و مختصریتہ

- ۲۰۰ :- چوہدری شاہ محمد ڈگلس پورہ لائل پورہ - ۲۰۱ :- مولوی عبدالاحد
 امام مسجد مانی لاڈولاہور - ۲۰۲ :- شیر محمد - چک نمبر ۱۳۱۱ - منڈی بوریوالہ
 ۲۰۳ :- خوشی محمد چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ - ۲۰۴ :- چوہدری غلام محمد خان
 نائب تحصیلدار ظفر وال - ۲۰۵ :- صوفی محمد رمضان خان کاؤٹس انسپکٹر خانیوال
 ۲۰۶ :- چوہدری طالب حسین - جنرل مرچنٹ جہانیاں - ۲۰۷ :- میر عبدالمجید
 ای - پی - ریلوے پٹاگانگ - ۲۰۸ :- محمد اسماعیل - پھرالہ ضلع لاہور
 ۲۰۹ :- چوہدری محمد یعقوب نائب تحصیلدار گوجرانوالہ - ۲۱۰ :- چوہدری محمد حسین
 کانسٹیبل گوجرانوالہ - ۲۱۱ :- محمد سعید منیجر ٹرانسپورٹ کمپنی میانوالی - ۲۱۲ :-
 صوفی اکمل الرحمن - ملک وال - ۲۱۳ :- مسٹر فیاض احمد - ای - او - ڈبلیو کوٹ
 ۲۱۴ :- سردار محمد چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ - ۲۱۵ :- محمدین چک نمبر ۱۱۸
 منڈی بوریوالہ - ۲۱۶ :- جمال دین چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ - ۲۱۷ :-
 غلام رسول چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ - ۲۱۸ :- ماسٹر اللہ قاسم چک نمبر ۱۱۸
 منڈی بوریوالہ - ۲۱۹ :- فتح محمد چک نمبر ۱۳۲ منڈی بوریوالہ - ۲۲۰ :-
 غلام محمد چک نمبر ۱۳۲ منڈی بوریوالہ - ۲۲۱ :- محمد دین چک نمبر ۳۲۵
 منڈی بوریوالہ - ۲۲۲ :- فضل دین چک نمبر ۳۲۵ منڈی بوریوالہ
 ۲۲۳ :- چوہدری رحمت اللہ - طارق آباد لائل پورہ - ۲۲۴ :- ماسٹر احمد مسعود
 مانی سکول جونیاں - ۲۲۵ :- فرزند علی ترنڈہ سوائے خان ضلع رحیم یار خان -
 ۲۲۶ :- عبدالرحمن صاحب - کراچی - ۲۲۷ :- چوہدری کرم علی صاحب منیجر
 خانیوال - ۲۲۸ :- ڈاکٹر بشیر احمد صاحب مانگا منڈی ضلع لاہور -
 ۲۲۹ :- عبدالغنی سنورہ مین - ہیڈ کوارٹر لاہور - ۲۳۰ :- چوہدری محمد رفیق
 ڈھاباں سنگھ - ۲۳۱ :- چوہدری حاجی یوسف علی گڑھی شاہولاہور -
 ۲۳۲ :- نذیر احمد قریشی - ای - او - ڈبلیو جلم - ۲۳۳ :- عبدالخاق قریشی فوجی جمعدار

- ۲۳۴ :- مولوی عبدالکریم صاحب امام مسجد چک نمبر ۲۰۹ ٹوبہ ٹیک سنگھ
- ۲۳۵ :- ملک نجم دین صاحب - چین بلوچستان - ۲۳۶ :- ملک محمد اسماعیل
- صاحب - چین بلوچستان - ۲۳۷ :- فخر دین اینڈ سنز ہیٹ میکر کراچی
- ۲۳۸ :- بابو اللہ رکھا سنز اکاؤنٹنٹ خانیوال - ۲۳۹ :- سید عباس علی شاہ
- خانیوال - ۲۴۰ :- محبوب علی دفتر سپنسر کمپنی لاہور - ۲۴۱ :- محمد شفیع
- چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ - ۲۴۲ :- عبدالحمید چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ -
- ۲۴۳ :- مفتی لیبب الرحمن رائس ٹریڈر کامونکی ضلع گوجرانوالہ -
- ۲۴۴ :- سید حسن جہانگیر طارق بہدانی - اکال گڑھ ضلع گوجرانوالہ -
- ۲۴۵ :- چوہدری شبیر حسین اقبال - اکال گڑھ ضلع گوجرانوالہ - ۲۴۶ :-
- محمد محبوب الہی انجنئر انجمن اصلاح مسلمین چوئیاں - ۲۴۷ :- نذیر حسین جاوید
- چوک گوالمنڈی - لاہور - ۲۴۸ :- ظفر عالم گل باغ شاہ - اکال گڑھ گوجرانوالہ
- ۲۴۹ :- حافظ محمد حسین - ٹیکہ شاہ مراد - ضلع بہلم - ۲۵۰ :- محمد اشرف بھیری خورد
- ضلع سیالکوٹ - ۲۵۱ :- محمد یعقوب چک نمبر ۳۷ ٹوبہ ٹیک سنگھ - ۲۵۲
- مولوی محمد یونس صاحب چک نمبر ۱۲۰ - ای - جی - ضلع منٹگری - ۲۵۳
- مولوی نور محمد صاحب خطیب قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ - ۲۵۴
- حاجی شہاب دین قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ - ۲۵۵ :- منظور حسین تحصیلدار
- حضور می باغ ملتان - ۲۵۶ :- محمد امین کانبجوں - ایم - ایل - اے
- کٹور پکا ضلع ملتان - ۲۵۷ :- مولوی محمد یوسف امام مسجد - محلہ خراسیاں
- سیالکوٹ - ۲۵۸ :- محمد ناصر علی گلشن آباد - راولپنڈی - ۲۵۹
- امنیار احمد اختر دفتر کیمبر زراعت ضلع شیخوپورہ - ۲۶۰ :- چوہدری عبدالقادر
- گاندھی ٹاؤن کراچی - ۲۶۱ :- خواجہ غلام حسین دین محمدی پریس سکلورڈ
- کراچی - ۲۶۲ :- ہزاریکسینسی شیخ دین محمد گورنر سندھ - ۲۶۳ :- محمد فضل
- محمد اسلم - بہاولپور - ۲۶۴ :- صادق کوٹلوی - ریلوے روڈ راولپنڈی -

نام و مختصر پتہ

- ۲۶۵:- غلام رسول مہٹھی ڈیپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل ڈھاکہ۔ ۲۶۶:- عبد الرحمن انصاری کراچی۔ ۲۶۷:- ایم احسان باری جاوید۔ ڈنگلس پورہ لائل پور۔ ۲۶۸:- سید اقبال احمد شاہ۔ مدرس۔ لال سکھنوی میسی۔ ۲۶۹:- خان بہادر بشیر احمد۔ ٹمپل روڈ لاہور۔ ۲۷۰:- محمد صالح۔ موضع محمد پور ضلع حرم پور۔ ۲۷۱:- شیخ منور حسین۔ انٹرنی روڈ دھرم پورہ لاہور۔ ۱۲۷۲۔ ابو مظفر محمد رمضان مولوی فاضل۔ لاہور چھاؤنی۔ ۳۷۳:- چوہدری عبدالخاق۔ بابہ شریف گڑھی شاہو لاہور۔ ۲۷۴:- کیپٹن محمد رمضان اہل۔ اکال گڑھ لاہور۔ ۲۷۵:- محمد لونس کنک منڈھی مزنگ لاہور۔ ۱۲۷۶:- مولوی محمد اسلم۔ دیہاتی گھی سٹور موجی گیٹ لاہور۔ ۲۷۷:- شیر محمد سپرنٹنڈنٹ سول سکریٹریٹ کوسٹہ بلوچستان۔ ۲۷۸:- محمد عزیز الحسن سعدی پارک مزنگ لاہور۔ ۲۷۹:- قمر دین۔ فتح شیر روڈ مزنگ لاہور۔ ۲۸۰:- سید صفدر گیلانی نیٹیا سٹر گھونا امام دین ضلع لائل پور۔ ۲۸۱:- فتح محمد چک نمبر ۱۲۵۔ آدم صحابہ بہاول پور۔ ۲۸۲:- چوہدری عبدالغفور نمبر دار چک نمبر ۱۶۷ ضلع بہاولنگر۔ ۲۸۳:- سکندر علی نمبر دار چک نمبر ۱۰۷ میسی ملتان۔ ۲۸۴:- مرزا محمد رفیق پیبلک ریلیشن ڈپوٹری روڈ راولپنڈی۔ ۲۸۵:- شیر محمد خان سیکب لائن کراچی۔ ۲۸۶:- سراج دین۔ سلام دین۔ سعدی پارک مزنگ لاہور۔ ۲۸۷:- منشی محمد ابراہیم نوک کنڈھی۔ بلوچستان۔ ۲۸۸:- محمد امین۔ نیروبی۔ افریقہ۔ ۲۸۹:- مولوی عبدالقادر صدر جمیت العماے پاکستان و خطیب جامع مسجد خانیوال۔ ۲۹۰:- مرزا عبدالرشید کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ۔ ۲۹۱:- عزیز بخش صادق کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ۔ ۲۹۲:- امیر الدین قدوائی ایڈوکیٹ لاہور۔ ۲۹۳:- محمد یعقوب صاحب فتح گڑھ لاہور۔ ۲۹۴:- محمد رفیق دوکاندار پھرالہ۔ ضلع لائل پور۔ ۲۹۵:- عبدالغنی ڈرائیور۔ پھرالہ۔ ضلع لائل پور۔

نام و مختصر پتہ

- ۱۲۹۶۔ محمد اقبال آکس فیکٹری چین۔ ۱۲۹۷۔ محمد یوسف دھرم پورہ لاہور
 ۱۲۹۸۔ مختار علی۔ لوکر ٹائٹم آفس مغلیہ پورہ۔ ۱۲۹۹۔ محمد صدیق اسٹیشن ماسٹر۔ کراچی
 ۱۳۰۰۔ محمد رمضان اسٹیشن ماسٹر۔ سکھر۔ ۱۳۰۱۔ عبدالرشید۔ وکین ریپر۔ کیرج شاپ
 ۱۳۰۲۔ منظر حسین کلرک۔ دفتر لیبر وارڈن کیرج مغلیہ پورہ۔ ۱۳۰۳۔ مولانا ہر دین
 صاحب مدرس نعمانیہ۔ ۱۳۰۴۔ برکت علی بوائلر میکرو لوکوشاپ مغلیہ پورہ۔ ۱۳۰۵
 عبدالرشید۔ ٹیکسٹائل ملز منڈی پوریوالہ۔ عبدالغنی منڈی پوریوالہ۔ ۱۳۰۶
 حاجی لال خاں ٹیلی فون آپریٹر رحیم یار خان۔ ۱۳۰۸۔ محمد صدیق صدیقی
 ٹیکسٹائل ملز لارنس پورہ۔ ۱۳۰۹۔ صدر الدین زمیندار۔ میلسی ضلع ملتان
 ۱۳۱۰۔ محمد چراغ آرٹھی ضلع ملتان۔ ۱۳۱۱۔ چوہدری محمد علی نجف۔ ملتان کاتھن فیکٹری
 ۱۳۱۲۔ محمد شفیع ٹیکسٹائل ملز منڈی پوریوالہ۔ ۱۳۱۳۔ چوہدری عید محمد صاحب
 مالک رتن سینما لاہور۔ ۱۳۱۴۔ بشیر احمد ورکس مسٹری چین۔ ۱۳۱۵۔ محمد انور
 کلرک امریکن کمپنی چین۔ ۱۳۱۶۔ عبدالحق مدرس گورنمنٹ ہائی سکول چین
 ۱۳۱۷۔ محمد صادق چوکیدار آئل کمپنی چین۔ ۱۳۱۸۔ میاں محمد سلیم ماسٹر ہائی سکول
 چین۔ ۱۳۱۹۔ نذیر احمد نظامی مسٹری ریلوے والہندین۔ ۱۳۲۰۔ علم دین
 لائن میں چین۔ ۱۳۲۱۔ غضنفر علی واپڈہ۔ ۱۳۲۲۔ عبدالرشید بلوچ
 اے۔ ڈی۔ آئی۔ کورٹ۔ ۱۳۲۳۔ نیک محمد حسین۔ او۔ آر۔ ڈی۔ ڈپو کورٹ
 ۱۳۲۴۔ نیک عبدالغنی او۔ آر۔ ڈی۔ ڈپو کورٹ۔ ۱۳۲۵۔ محمد غیاث
 جنرل مرچنٹ چین۔ ۱۳۲۶۔ محمد جمیل صاحب تاجر چین۔ ۱۳۲۷۔ محمد صدیق
 صاحب تاجر چین۔ ۱۳۲۸۔ چوہدری غلام رسول تاجر چین۔ ۱۳۲۹۔ شیخ
 منظر الدین ڈی۔ ای۔ این۔ لاہور۔ ۱۳۳۰۔ علیسی خان۔ کیرج شاپ
 ۱۳۳۱۔ سردار محمد سنار چیک نمبر ۵۴ سائیکل ملز۔ ۱۳۳۲۔ انان اللہ سائیکل ورکس
 بھوانہ بازار لاہور۔ ۱۳۳۳۔ ولددار علی گھی فروش نہر بازار سمندری۔

نام و مختصر پتہ

- ۳۳۳ - برکت علی کچہری بازار سمندری - ۳۳۵ - حکیم منصب علی
 نہر بازار سمندری - ۳۳۶ - غلام محمد تمباکو فروش نہر بازار سمندری
 ۳۳۷ - غلام سرور نہر بازار سمندری - ۳۳۸ - ماسٹر احمد مسعود قریشی
 سکول مری - ۳۳۹ - سید ریاض الدین شاہ صاحب خطیب بغدادی مسجد
 کراچی - ۳۴۰ - ملک محمد عبدالحق پاکستان کالونی کراچی - ۳۴۱ - پیستری
 تاج حسین محلہ نواباں بہاول پور - ۳۴۲ - چوہدری محمد حسین باجوہ
 آکس سی این - خانیوال - ۳۴۳ - چوہدری محمد نذیر رئیس حیدرآباد سندھ
 ۳۴۴ - خان محمد صاحب ڈھولن وال لاہور - ۳۴۵ - محمد اسماعیل
 صاحب ڈھولن وال لاہور - ۳۴۶ - چوہدری محمد حسین ڈھولن وال لاہور
 ۳۴۷ - چوہدری محمد شریف بیکو - لاہور - ۳۴۸ - خلیق احمد صاحب کیرج شاپ
 ۳۴۹ - محمد لطیف صاحب کیرج شاپ - ۳۵۰ - محمد الیاس کیرج شاپ
 ۳۵۱ - مبارک علی کیرج شاپ - ۳۵۲ - غلام رسول وحدت کالونی -
 ۳۵۳ - چوہدری رجب علی صاحب - لیہ ضلع ملتان - ۳۵۴ - چوہدری
 اللہ و تائیس ملتان - ۳۵۵ - محمد رمضان چک نمبر ۱۱ بوریوالہ منڈی -

اللَّهُمَّ ارْحَمْ كَلَّهْمُ

بِحُرْمَتِ كَرَمَةِ الْعَالَمِينَ

آمین

اجتماعِ ضدین

فی

رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ

شانِ قلندر



مُصَنَّف

محمد یوسف سہروردی